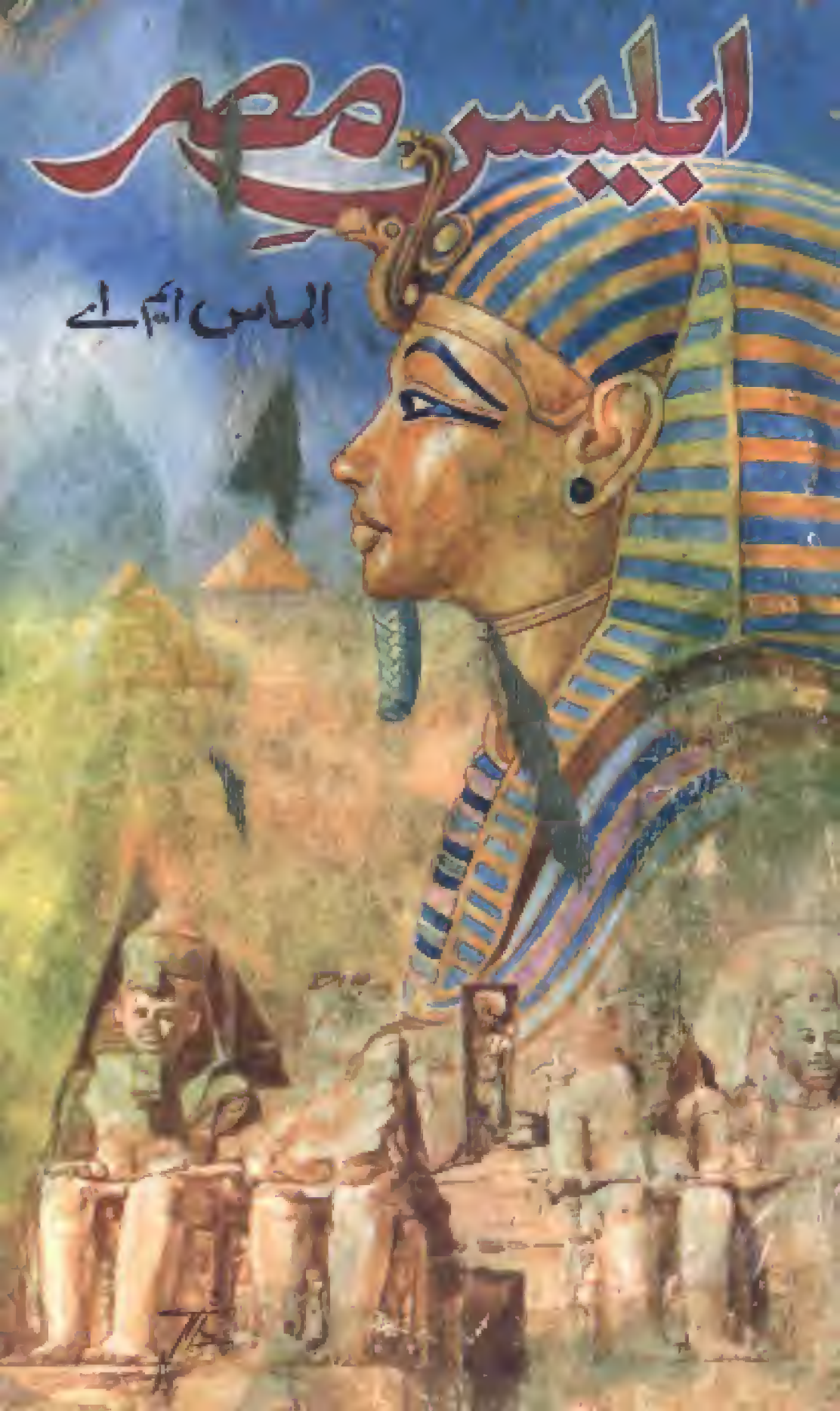


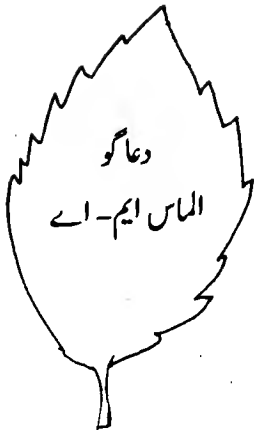
ایلیس مصر

الماس ایتھانے



انتساب

میں اپنے اس قرآنی اور ناقابل فراموش تاریخی کہانیوں
 کے مجموعہ کو بصد خلوص و محبت
 نونہال اور نوشگفتہ
 فد علی قریشی ولد محمد علی قریشی
 کے نام اس دعا کے ساتھ
 انتساب کرتا ہوں
 کہ خداوند ذوالجلال اس بچہ کو علم و عمل
 کی بے بہا خوبیوں سے نوازے اور اسے
 عمر خضر عطا فرمائے



غریب شہر



ادب کے نقیب کہتے ہیں
 کہ تاریخی کہانیاں اور اسلامی تاریخی ناول
 جھوٹ کا پلندہ ہوتے ہیں
 جس میں صحیح تاریخ پیش کرنے
 کی بجائے تاریخ کا چہرہ مسخ کر دیا جاتا ہے۔
 میں بڑے ادب سے
 ایسے نقیبوں اور نقادوں کے حضور
 یہ کہانیاں اس اعتماد کے ساتھ پیش کر رہا ہوں
 کہ ان میں سے اگر کسی ایک کہانی کو ثابت
 کر دیا جائے کہ اس میں تاریخ سے گریز کیا گیا ہے
 یا اس کا چہرہ مسخ کیا گیا ہے
 تو کم از کم میں آئندہ تاریخی کہانی یا ناول لکھنے کی
 کوشش نہیں کروں گا۔
 واضح رہے کہ اس مجموعہ کی تین کہانیوں
 کو نہ صرف قرآن حکیم سے اخذ کیا گیا ہے
 بلکہ ان کے بیشتر مکالمے بھی قرآن حکیم سے ماخوذ ہیں۔

خاکسار

الاس ایم۔ اے

نثر نسیب

- | | | |
|-----|-------------------|-----|
| 11 | داستانِ حوا | (1) |
| 56 | دامنِ یوسف | (2) |
| 133 | قَاطَمَہ | (3) |
| 176 | ابلیسِ مصر | (4) |
| 208 | سلمانِ بلقیسِ سبا | (5) |
| 258 | سبحانِ بنتِ حارثہ | (6) |



داستان حوا

روایات صحیحہ میں مرقوم ہے کہ خداوند وحدہ لا شریک کو جب اپنا اظہار مقصود ہوا تو اس نے اپنے نور کے ایک ذرے کے لاکھویں حصے کو الگ کیا۔۔۔ پھر نور مستعار کی تابندگی اور درخشندگی کو ایک بیولے میں منتقل کیا اور اس نورانی بیولے کو وہ حسن عطا کیا کہ خود اس حسن پر فریفتہ ہو گیا۔ اس نور کو سدرۃ المنتہی میں رکھا اور اس کے لئے عالم امکان، زمین و آسمان کی تخلیق ہوئی۔ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کی خاطر و مدارات اور ناز برداری خداوند تعالیٰ کو صرف اس لئے منظور تھی کہ اس نے اس نور کو آدم میں منتقل کر دیا تھا۔

یہ ساتواں آسمان ہے

ستر ہزار پردوں میں پوشیدہ، جلوۂ خداوندی کی کرنیں عرش اعلیٰ کے گرد منعکس ہیں۔ پیامبر فرشتہ جبرئیل امین سرسجود ہے۔۔۔ ہاتھ پیروں میں کپکپاہٹ، جسم لرزاں، آنکھیں خیرہ۔۔۔ یہی وہ مقام ہے جس کے آگے جانے کی نہ تو جبرئیل کو اجازت ہے اور نہ جرات، اگر قدم بڑھائے تو حکم عدولی کی سزا پائے اور پر جل انھیں۔

جبرئیل نے بعد سجدہ سر اٹھایا ... مگر نظریں نیچی، تب نظارہ کہاں جبرئیل نے دایاں ہاتھ عرش کے پائے پر رکھا اور کمال احترام و ادب سے بولا ...

”اے باری تعالیٰ تیرا بندہ آدم ابو البشر جنت میں بھی افسردہ ہے، آخر کیوں؟“

یہ سوال جبرئیل نے حضرت آدم سے بہشت برس میں بھی کیا تھا لیکن آدم اس کا کوئی معقول جواب نہ دے سکے تھے۔ حقیقت تو یہ تھی کہ انہیں خود بھی نہیں معلوم تھا کہ عیش و عشرت کے تمام لوازمات کی موجودگی کے باوجود وہ افسردہ کیوں ہیں ... ان کا دل اس پر مسرت مقام پر کیوں نہیں لگتا۔

جبرئیل امین نے جب حضرت آدم سے معقول جواب نہ پایا تو عرش اعلیٰ کے نیچے پہنچ کر خداوند تعالیٰ سے اپنا سوال دہرایا۔ کیونکہ آدم کی نگہداشت کی تمام تر ذمہ داری اسی کے سر تھی۔

ایک لمحے بعد پردہ غیب سے ندا آئی۔ ”اے جبرئیل! ہم نے ابو البشر آدم کو کیا نہیں دیا۔“

”تو نے آدم کو سب کچھ عطا فرمایا ہے، اے رب عالم!“ جبرئیل نے پایہ عرش کو بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ ”یہ سبزہ زار، یہ ثمر بار اشجار، یہ گل بوئے، یہ قصر ہائے زریں، یہ چشمہ کوثر، نعمت و رنگ و بو کے تمام سامان تو نے آدم کی دلبستگی کے لئے پیدا کئے لیکن ابو البشر ابھی ... افسردہ ہے۔ یہ عقدہ اس عاجز کی عقل سے بالا تر ہے، اے مالک و خالق تو مخرج عقل و دانش ہے تو ہی اس الجھن کو دور کر تاکہ میں گمگشت آدم کا فرض پوری طرح ادا کر سکوں۔“

جبرئیل کے جواب میں جلال خداونوی کا قدرے اظہار ہوا۔ ندائے ربی بلند ہوئی۔ ”کیا ہم نے محض آدم کی خاطر اپنے عظیم فرشتے ابلیس کو مردود نہیں کیا؟“

”بے شک میرے مولا!“ جبرئیل نے کہا۔ ”تیرے حکم پر۔ جب ابلیس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تو تو نے اسے راندہ درگاہ کر کے ہمیشہ کے لئے مردود کر دیا۔ مگر آدم پھر بھی افسردہ ہے، میرے رب!“

بارگاہ الہی سے آواز آئی۔ ”اے جبرئیل! آدم کے اس کفران نعمت کے باوجود ہمیں اس کی خاطر منظور ہے۔ اے جبرئیل! جاؤ اور آدم کو مژدہ سناؤ کہ ہم نے اس کی افسردگی، فکر اور تردد دور کیا۔ وہ خوشی سے ہمکنار ہو گا مگر خبردار! خوشہ گندم کے قریب نہ جائے۔ وہ شجر اب بھی اس کے لئے ممنوع ہے۔“

عرش سے آواز آتا بند ہوئی تو حضرت جبرئیل یہ مژدہ جانفزا لے کر بہشت بریں کی طرف مائل پرواز ہوئے۔



جبرئیل امین جس وقت خدا کا پیغام لے کر حضرت آدم کے پاس پہنچے تو حضرت آدم عبادت الہی سے فارغ ہو کر، انگور کی تیل کے قریب سبزہ زار پر سر جھکائے بیٹھے کچھ سوچ رہے تھے۔ جنت میں حضرت آدم کا لباس پتوں کا ہوتا تھا اور بعض روایتوں کے مطابق حضرت آدم کا لباس قدرت نے خود مہیا کیا تھا۔ یہ لباس ہمارے ناخنوں کی مانند تھا۔ بالکل ناخنوں جیسا نرم اور شفاف کپڑا انہیں ستر پوشی کے لئے دیا گیا تھا۔ یہی روایت زیادہ درست معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت آدم سے جنت میں کوئی کام لینا مقصود نہ تھا۔ اس لئے ان کے لئے ہر چیز غیب سے پیدا کی گئی تھی۔ اگر ان کا لباس پتوں کا ہوتا تو ظاہر ہے کہ انہیں روزانہ تازہ پتے اکٹھا کرنے میں زحمت اٹھانا پڑتی ... اور خدا کو انہیں تکلیف دینا منظور نہ تھا۔

حضرت جبرئیل کے پروں کی آواز سنی تو خیالات کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ حضرت جبرئیل ان کے سامنے کھڑے مسکرا رہے تھے۔

”اے جبرئیل امین! اس دقت آپ کہاں سے آرہے ہیں؟“

”عرش اعلیٰ سے اے ابو بشر!“ جبرئیل امین نے جواب دیا۔

”یہ تو میں جانتا ہوں۔“ حضرت آدم نے کہا۔ ”آپ بارگاہ الہی کے پیامبر ہیں لیکن اس دقت آپ کا چہرہ خوشی سے دک رہا ہے میں اس کا سبب دریافت کر رہا ہوں۔“

”ہاں ابو بشر! اس دقت میں بہت خوش ہوں۔“ جبرئیل امین نے کہا۔ ”اس کا

”میں یہی وضاحت لے کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ آدمؑ کو یہ خوشخبری سنائی جائے کہ اس کی اداسی دور کی گئی اور اب وہ جنت میں اسی طرح خوش و خرم رہیں جس طرح روز اول تھے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ حکم بھی ہے کہ شجر ممنوعہ کے قریب نہ جائیں اور شیطان کے دھوکے میں نہ آئیں۔“

حضرت آدمؑ ابھی اس بات پر غور ہی کر رہے تھے کہ حضرت جبرئیلؑ کو ایک اشارہ ربؑ عرش اعلیٰ سے موصول ہوا۔ جبرئیل امینؑ نے فوراً اپنے پروں کو جنبش دی۔ ان پروں سے ایسی خوشبو اور ہوا پیدا ہوئی کہ حضرت آدمؑ پر غودگی طاری ہونے لگی۔ ان کی آنکھیں بند ہو گئیں اور ان کا سر سبزے سے لگ گیا۔ جبرئیل امینؑ کے پروں کی ہوا سے حضرت آدمؑ کو نیند آگئی، کمری نیند۔ یہ عرش و فرش کی پہلی نیند تھی جو حضرت آدمؑ پر بھیجی گئی۔



ابو البشر حضرت آدمؑ علیہ السلام خلاق عالم کی بھیجی ہوئی پر سکون نیند کی آغوش میں تھے۔ اس نیند سے پہلے جنت کی دلچسپیاں اور دل فریبیاں، ان کو یچ معلوم ہوتی تھیں۔ پھولوں کی بھیننی بھیننی خوشبو، پرندوں کی خوش الحانی، جھرنوں کا شور، حوض کوثر کا شیریں پانی، سرسبز اور شاداب کوہ و دمن کے گل بوٹے، باز مرمر کے خنک جھونکے، غرض کہ بہشت کے تمام سامان اور نظارے حضرت آدمؑ کی خستگی، شکستگی اور افسردگی کو دور نہ کر سکے۔ ان کے لئے مناظر و سامان عشرت اپنی جاذبیت کھوپکے تھے اور بظاہر اب کوئی ایسی چیز باقی نہ تھی جو انہیں فرحت و آسودگی قلب مہیا کر سکتی لیکن کارخانہ قدرت میں کس چیز کی کمی ہے کس مرض کا علاج نہیں اور کس دکھ کا مداوا نہیں؟

ایک صحیفہ آسمانی تورات کے اس بیان کی امام رازیؒ اور علامہ ابو السعد نے تصدیق کی ہے کہ نکت و نور کا وہ خیر جو حضرت آدمؑ کی جسمانی ساخت کے لئے تیار کیا گیا تھا اس کا کچھ حصہ، جسم آدمؑ کے تیار ہو جانے کے بعد باقی بچ رہا تھا جسے دست قدرت نے ایک اور حسین پیکر میں ڈھال دیا اور اس پیکر میں روح پھونک کر اس کا نام ام البشر (انسانوں کی ماں) حضرت حوا رضی اللہ عنہ رکھا گیا۔

سبب میں ضرور بتاؤں گا لیکن میں پہلے آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں؟“

”کیوں نہیں، ضرور پوچھئے۔“ حضرت آدمؑ بولے۔ ”میں تو آپ کے آنے سے بہت خوشی محسوس کرتا ہوں بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ اجازت دے تو آپ میرے پاس ہی رہا کیجئے۔“

جبرئیل امینؑ کو حضرت آدمؑ کی اس خواہش سے بڑی مسرت ہوئی۔ انہوں نے کہا۔ ”مجھے بھی خیر ہے کہ میں آپ جیسی عظیم ہستی کی خدمت پر مامور ہوں“ جبرئیل امینؑ کو ایک دم خیال آیا کہ انہیں مستقبل کے حالات بیان کرنے کی اجازت نہیں ہے اس لئے وہ خاموش ہو گئے۔“

”جبرئیل امینؑ! آپ خاموش کیوں ہو گئے؟“ حضرت آدمؑ نے دلچسپی سے پوچھا۔

”اے، ملا کہ پر فوقیت اور افضلیت رکھنے والے آدمؑ! جبرئیل نے کہا شروع کیا۔“ بارگاہ الہی کے حکم کے مطابق میں آپ کی تمکداشت پر مامور کیا گیا ہوں لیکن کچھ عرصے سے میں بہت پریشان تھا۔ میری پریشانی کی وجہ آپ کی افسردگی تھی۔ اس سلسلے میں، میں نے آپ سے بھی کئی بار دریافت کیا لیکن آپ کچھ نہ بتا سکے۔ میری پریشانی بڑھتی گئی اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں آپ کے بارے میں غفلت برت رہا ہوں۔ اس لئے آج میں نے مجبور ہو کر دربار اعلیٰ میں آپ کا حال بیان کیا۔ خداوند عالم نے آپ کے حالات میں بڑی دلچسپی کا اظہار فرمایا۔“

حضرت آدمؑ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ انہوں نے حضرت جبرئیلؑ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ”جبرئیل امینؑ! ذرا ٹھہریئے۔ پہلے میں اس بات کا شکر ادا تو ادا کر لوں کہ اس مالک کون و مکان نے اس بندہ خاکی کے حالات میں دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔“

یہ کہتے ہوئے حضرت آدمؑ سجدے میں گر گئے اور دیر تک آنسو بہا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہے پھر وہ سیدھے ہو کر بیٹھ اور بولے۔ ”ہاں، جبرئیل امینؑ! اب آپ آگے فرمائیے۔ میں گوش بر آواز ہوں؟“

حضرت جبرئیلؑ نے کہا۔ ”اے، جبرئیل امینؑ! میں، آپ کی بات سمجھ نہیں سکا ذرا وضاحت فرمائیے؟“

کو خیال ہوا کہ شاید یہ عارضی ملاقات ہے اور یہ حسین پیکر جس مقصد کے تحت یہاں بھیجا گیا ہے اسے پورا کر کے واپس چلا جائے گا۔

حضرت آدمؑ کے اس سوال پر حضرت حوۃؑ اور زیادہ شرانگین اور اسی طرح نظریں جھکائے جھکائے جواب دیا۔ ”اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی خدمت کے لئے بھیجا ہے اور آپ کی زوجیت میں دیا ہے۔“

یہ سن کر حضرت آدمؑ کا دل باغ باغ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جو حسین رفیق زندگی عطا کیا تھا اس کے شکرانے کے لئے بڑے عجز و نیاز سے اس کے حضور سر سجد ہو گئے۔

بمشت بریں کے دو خالی پیکروں یعنی حضرت آدمؑ اور حضرت حوۃؑ کے درمیان ہونے والی اس پہلی گفتگو کو حضرت جبرئیلؑ چند دوسرے فرشتوں کے ساتھ قریب کھڑے بڑے غور سے سن رہے تھے۔ جب حضرت آدمؑ سجدے میں گئے تو یہ فرشتے ان کے قریب آگئے۔

حضرت آدمؑ نے سجدے سے سر اٹھایا تو حضرت جبرئیلؑ کو دوسرے فرشتوں کے ساتھ اپنے سامنے پایا۔ حضرت آدمؑ مسکرائے اور بولے ”اے جبرئیل! اللہ جل شانہ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور مجھے ایک ایسا رفیق دے دیا جس نے میری تمام کلفتیں اور اداسیاں دور کر دیں۔“

”مبارک ہو، اے ابو البشر!“ حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا۔ ”اللہ نے آپ کو ایک ہمدرد اور رفیق سفر دے کر اپنا وعدہ تو پورا کر دیا لیکن کیا یوم السبت (روز ازل) جو وعدہ آپ نے اپنے اللہ سے کیا تھا، وہ آپ کو یاد ہے؟“

”کیوں نہیں، اے پیامبر بارگاہ الہی!“ حضرت آدمؑ بولے۔ ”مجھے وہ وعدہ یاد ہے اور میں اسے ضرور پورا کروں گا۔“

حضرت جبرئیلؑ نے حضرت آدمؑ پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا... ”تو، اے ابو البشر! ہمیں بتائیے کہ روز ازل آپ نے اپنے اللہ سے کیا وعدہ کیا تھا؟“

”صراطِ مستقیم پر چلنے کا وعدہ۔“ حضرت آدمؑ نے فوراً جواب دیا۔ ”ان باتوں پر

پھر جب انہیں یقین ہو گیا کہ یہ کھلی حقیقت ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو پیغام حضرت جبرئیلؑ کے ذریعے، ان کی افسردگی دور کرنے کے لئے بھیجا تھا یہ اس کی سچی تعبیر ہے تو حضرت آدمؑ اٹھ بیٹھے اور بڑی دلچسپی اور پیار سے اپنی رفیق تنہائی اور جیون ساتھی کو دیکھنے لگے۔ حضرت آدمؑ کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے اللہ نے ان کی تنہائی دور کرنے کے لئے حسن و جمال کا ایک ایسا پیکر ان کے پاس بھیجا ہے جس کی خوشبو پھولوں سے افضل اور جس کا حسن، جنت کے دلفریب نظاروں سے کہیں زیادہ بالاتر ہے۔

حضرت حوۃؑ بھی خالص نسوانی انداز میں سر جھکائے کن اکھیوں سے حضرت آدمؑ کو بڑی محبت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں اور خوش تھیں کہ وہ جنت میں تنہا نہیں بلکہ ان کا رفیق بھی موجود ہے جو ہمیشہ کی تمام رعنائیوں پر فوقیت رکھتا ہے۔

پھر حضرت حوۃؑ نے ڈرتے ڈرتے حجاب آلود نظریں اٹھائیں اور ان کی نظر حضرت آدمؑ کی نظر سے ٹکرائی جو پہلے ہی انہیں بے تکلیف باندھے دیکھ رہے تھے۔

ان دو نظروں کا ملنا تھا کہ حضرت آدمؑ کے لئے وہ ہمیشہ جس کے نظارے سے وہ دل گرفتہ ہو گئے تھے ایک بار پھر ہمیشہ بن گئی۔ جاتی ہوئی ہماری لوٹ آئیں، کلیاں چنگ پڑیں، پھول مسکرا اٹھے اور صبا کے مست جھوٹے چلنے لگے۔ آدمؑ کو ہر چیز جاذب نظر اور نظر افروز دکھائی دینے لگی۔ حضرت حوۃؑ کی موجودگی نے ہمیشہ کی رونق میں ہزار گنا اضافہ کر دیا تھا۔

حضرت آدمؑ نے پیار بھری نظروں سے حضرت حوۃؑ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”تم کون ہو؟“

حضرت حوۃؑ کی نظریں حجاب سے جھک گئیں اور انہوں نے مترنم لہجے میں جواب دیا۔ ”میں آپ کے اجزائے جسم ہی میں سے ایک جزو ہوں۔“

”تمہیں کس نے پیدا کیا؟“ حضرت آدمؑ نے سوال کیا۔

”اللہ تعالیٰ نے۔“ حضرت حوۃؑ شرانگے ہوئے لہجے میں گویا ہوئیں۔

”شکر الحمد للہ!“ حضرت آدمؑ نے کہا۔ ”تم کس ضرورت سے یہاں آئی ہو؟“ ان

منہ بیٹھا کیا۔



بہشت بریں میں ایک مشت خاک سے بنا ہوا یہ پہلا انسانی جوڑا نئے میاں بیوی کی طرح اپنے شب و روز گزارنے لگا۔

حضرت آدمؑ اور حضرت حوۃؑ کو عبادت، ریاضت اور شکرگزاری سے جو وقت ملتا اس میں یہ دونوں بہشت کی سیر کرتے۔ ہرے بھرے سبزہ زار، خوبصورت آبشار، غرض وہ کون سی ایسی نعمت تھی جو خدا نے ان کو عطا نہ کی تھی۔ بہشت کی فضا میں حضرت حوۃؑ کے حسن سے منور اور تبسم سے نغمہ بار تھیں۔

یوں تو حضرت حوۃؑ کی پیدائش سے پہلے بھی حضرت آدمؑ جنت کی سیر کرتے تھے مگر اب تو ایک ہم جنس کی موجودگی نے جنت کے نظاروں کو اور دلکش بنا دیا تھا۔ حضرت آدمؑ نے اب تک پوری طرح بہشت کی سیر نہ کی تھی۔ حضرت حوۃؑ کی معیت حاصل ہوتے ہی انہوں نے ایک ایک چیز کو دیکھنا اور اس کا جائزہ لینا شروع کیا۔

ایک دن حضرت آدمؑ اور حضرت حوۃؑ ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں انہیں چار نہریں بہتی نظر آئیں۔ ایک نہر صاف شفاف اور پاکیزہ پانی کی تھی۔ دوسری نہر خالص سفید دودھ کی تھی۔ تیسری نہر شراب طہور اور چوتھی خالص شہد کی تھی۔ یہ وہ نہریں تھیں جن کا ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے۔

حضرت آدمؑ اور حضرت حوۃؑ نے مصفا پانی کی نہر میں غسل فرمایا۔ بھوک محسوس ہوئی تو دودھ کی نہر سے اشتہا دور کی۔ شہد کے دو گھونٹ پئے تو جسم میں توانائی آگئی شراب طہور سے فرحت حاصل کی۔ دونوں میاں بیوی ہر نہر کا ذائقہ چکھتے، لطف اٹھاتے اور پھر شکر الہی بجالاتے۔

ام البشر حضرت حوۃؑ کے دل میں تجسس پیدا ہوا کہ کیوں نہ نہروں کا منع معلوم کیا جائے اور اس مقام کا نظارہ کیا جائے جہاں سے یہ نہریں نکلتی ہیں۔ چنانچہ وہ ایک نہر کے کنارے کنارے چلنے لگیں۔

حضرت آدمؑ نے پوچھا۔ ”اے حوۃؑ کس طرف جا رہی ہو؟“

عمل جن کا حکم اللہ نے دیا ہے اور جو اس کی خوشنودی کا باعث ہیں اور ان باتوں سے پرہیز جن سے میرے خالق نے مجھے منع کیا ہے کیونکہ وہ اس کے عتاب غیظ و غضب کا سبب ہیں۔“

حضرت جبرئیل خوش ہو کر بولے۔ ”درست فرمایا، آپ نے ... ابو البشر! پھر حضرت جبرئیل نے فرشتوں کو اشارہ کیا اور تمام فرشتے حضرت آدمؑ اور حضرت حوۃؑ کے گرد حلقہ باندھ کر بیٹھ گئے۔

حضرت جبرئیل نے بیٹھے ہوئے کہا۔ ”اے ابو البشر! اب اللہ تعالیٰ آپ دونوں کا عقد کر کے آپ کو رشتہ ازدواج میں منسلک کرے گا لیکن اس سے پہلے، آپ ہمارے چند سوالوں کے جواب دیجئے۔؟“

”ضرور پوچھئے۔“ حضرت آدمؑ بولے۔ ”میں آپ کے تمام سوالوں کے جواب دینے پر آمادہ ہوں۔“

حضرت جبرئیل نے پہلا سوال کیا۔ ”اے ابو البشر آپ صاحب علم ہیں۔ یہ بتائیے کہ آپ کے اس مونس و ہمدرد کا نام کیا ہے؟“

حضرت آدمؑ نے ایک لمبے کے لئے آنکھیں بند کیں۔ بحر علم میں غوطہ زن ہوئے پھر آنکھیں کھول کر جواب دیا۔ ”اے جبرئیل! میری اس غمگسار اور مونس و ہمدرد کا نام حضرت حوۃؑ ہے“

”لاریب ... لاریب! (بے شک)“ حضرت جبرئیل نے پھر پوچھا۔ ”اس بات کی وضاحت اور فرمائیے کہ ان کا نام حضرت حوۃؑ کیوں رکھا گیا؟“

حضرت آدمؑ نے پھر غور کیا۔ آنکھیں بند کیں۔ علم و دانش، فہم فراست کی گہرائیوں تک نظریں دوڑائیں اور جب گوہر مقصود ہاتھ آیا تو آنکھیں کھول کر فرمایا۔ ”لأنہا خلقت من حی (اس لئے کہ یہ زندہ شے سے پیدا کی گئی ہیں)۔“

”روایت ہے کہ حضرت حوۃؑ، حضرت آدمؑ کی بائیں پبلی سے پیدا ہوئیں۔ حضرت جبرئیل کی زبان سے بے ساختہ ”سبحان اللہ“ نکلا۔ اسی وقت حکم باری تعالیٰ سے حضرت آدمؑ اور حضرت حوۃؑ کا عقد ہوا اور فرشتوں نے جنت کے میووں سے

اپنی غلطی کی معافی مانگنے میں مصروف ہو گئے۔

دونوں دیر تک گڑگڑا، گڑگڑا کر آنسو بہاتے رہے۔ جب دل کا بوجھ ذرا ہلکا ہوا تو

حضرت آدمؑ نے حضرت حواؑ سے کہا۔ ”اچھا! اب کو‘ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔“
”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔“ حضرت حواؑ نے دہرایا۔ اور پھر آگے چلنے کے لئے قدم اٹھایا لیکن ابھی ان کا قدم زمین پر پڑا بھی نہ تھا کہ حضرت جبرئیلؑ ان کے سامنے نمودار ہوئے اور بولے۔

”اے! ام البشر! حضرت حواؑ! اللہ نے آپ کی استغفار قبول کی اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کو اس مقام پر پہنچا دوں جہاں آپ دونوں تشریف لے جانا چاہتے ہیں۔“

حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ یہ سن کر بہت خوش ہوئے کہ ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔

پھر حضرت جبرئیلؑ نے اپنے پر پھیلائے اور کہا کہ آپ دونوں آنکھیں بند کر کے میرے پروں پر ہاتھ رکھ لیجئے۔

حضرت حواؑ نے حضرت آدمؑ کی طرف دیکھا۔

”اے حواؑ! پروں پر ہاتھ رکھو۔“ حضرت آدمؑ بولے۔ ”مگر پہلے وہ اسم اعظم پڑھنا نہ بھولنا۔“

حضرت حواؑ نے فوراً ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کہا اور آنکھیں بند کر کے حضرت جبرئیلؑ کے پروں پر ہاتھ رکھ دیا۔ حضرت آدمؑ نے بھی ان کی تقلید کی۔

حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ نے آنکھیں کھولیں تو حضرت جبرئیلؑ غائب تھے اور وہ دونوں ایک درخت کے قریب موجود تھے۔ اس درخت کی جڑ میں ایک قبہ (گول گنبد) تھا۔ یہ قبہ سفید رنگ کے ایک ہی موتی سے بنا ہوا تھا لیکن یہ اتنا بڑا تھا کہ دنیا کی اس کے سامنے کیا حقیقت۔ اس قبہ میں زبرجد (ایک قیمتی ہیرا) کا ایک دروازہ تھا لیکن وہ بند تھا۔ حضرت آدمؑ نے اسے کھولنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہیں۔

”یہ دروازہ کس طرح کھلے گا۔ یہ تو اندر سے بند ہے؟“ حضرت حواؑ نے کہا۔

حضرت حواؑ جواب دینے کی بجائے حضرت آدمؑ سے سوال کیا۔ ”کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ نہریں کہاں سے نکلی ہیں؟“

”نہیں مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں۔“ حضرت آدمؑ نے کہا۔ ”میں خود پہلی بار اس طرف آیا ہوں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ بہشت اس قدر طویل طویل ہے کہ اس کے سرے تک پہنچنا ہی مشکل ہے۔ میں تو اب تک ایک حصہ بھی نہیں دیکھ سکا ہوں۔“

حضرت حواؑ بولیں۔ ”تو چلے، آج پتہ لگاتے ہیں کہ یہ نہریں کہاں سے نکلی ہیں۔“
حضرت آدمؑ ان کی خوشی کے لئے رضامند ہو گئے اور ان کے ساتھ چلتے ہوئے بولے۔ ”آپ کہتی ہیں تو ہم چلتے ہیں لیکن جب بہشت کے سرے تک پہنچنا مشکل ہے تو پھر ان نہروں کے منبع تک کیسے پہنچا جاسکتا ہے؟“

اس طرح باتیں کرتے ہوئے دونوں نہر کے کنارے کنارے گھنٹوں چلتے رہے لیکن نہر کے مخرج کا کبھی نام و نشان نہ تھا۔ چلتے چلتے حضرت آدمؑ یکایک ٹھہر گئے۔
آپ رک کیوں گئے؟ حضرت حواؑ نے دریافت کیا۔

”اے حواؑ! ہم سے بڑی غلطی ہو گئی۔ خدا ہم سے ناراض ہو گیا ہے۔“

حضرت آدمؑ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر حضرت حواؑ پریشان ہو گئیں۔ انہوں نے پوچھا۔ ”ہمیں بھی بتائیے، کیا غلطی ہو گئی اور اب اس کا تدارک کیسے ہو سکتا ہے؟“
”مجھے فرشتے نے تعلیم دی تھی کہ ہر نیا کام کرنے سے پہلے اپنے رب کا نام لینا چاہیے۔“ حضرت آدمؑ بڑی دل گرفتگی سے بولے۔ ”آج جب ہم سیر کو نکلے اس وقت بھی میں نے رب کا نام نہیں لیا اور اس نہر کے کنارے کنارے چلنے سے پہلے بھی ہم نے اس کا نام نہیں لیا جس نے ہمیں اتنی نعمتیں عطا کی ہیں۔“

”بے شک، بے شک“ حضرت حواؑ نے فرمایا۔ ”مجھے اب یاد آگیا آپ نے خود مجھے بھی یہی تعلیم دی تھی کہ ہر کام کے آغاز پر رب کا نام ضرور لیا کرو تاکہ کام خوش اسلوبی سے انجام پائے اور تاخیر نہ ہو۔“

حضرت حواؑ نے فوراً ”توبہ است غفار شروع کر دی۔ حضرت آدمؑ اللہ تعالیٰ سے

حضرت حوۃ اور حضرت آدمؑ اسی طرح روزانہ بہشت بریں کی سیر کو نکلتے اور مظاہر قدرت کا نظارہ کرتے مگر جنت کے نظارے کم ہونے میں نہ آتے تھے۔ ہر روز وہ کوئی نہ کوئی حیرت انگیز نظارہ دیکھتے اور شان خداوندی اور اس کی کارگیری پر عیش عیش کرتے۔ بہشت کی ہر چیز عقل انسانی سے ماورا تھی۔ جس چیز کو وہ ایک روز اہم تصور کرتے۔ دوسرے دن اس سے زیادہ حیرت انگیز یا فرحت انگیز نظارہ ان کی پیش نظر ہوتا۔

پھر ایک روز حضرت حوۃؑ اس سمت چل پڑیں جدھر شجر ممنوعہ تھا۔ حضرت حوۃؑ بے خیالی کے عالم میں اس طرف جاری تھیں لیکن حضرت آدمؑ نے انہیں فوراً روکا اور کہا۔ ”اے حوۃ! کیا تم بھول گئیں کہ ہمیں شجر ممنوعہ سے روکا گیا ہے۔“ حضرت حوۃؑ کے قدم رک گئے مگر وہ سوچتے ہوئے بولیں۔ ”آپ نے اچھا کیا کہ یاد دلایا۔ میں تو بھول گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے خوشے، پھل اور پتیاں کھانے سے روکا ہے۔“



حضرت حوۃؑ اور حضرت آدمؑ کا یہ عیش و آرام شیطان کو ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ وہ تو حضرت آدمؑ کا ازل و ثمن تھا۔ ان کو سجدہ نہ کرنے کی پاداش میں وہ آسمان اور جنت سے نکالا گیا تھا۔ پھر بھلا وہ ان کو خوش کیسے دیکھ سکتا تھا۔

جب حضرت آدمؑ کو جنت میں بھیجا گیا تو اس کا خیال تھا کہ حضرت آدمؑ بہت جلد جنت کے نظاروں سے اکتا جائیں گے اور اللہ ناراض ہو کر انہیں وہاں سے نکال دے گا اور اگر اللہ اپنا کرم نہ کرتا تو شیطان کو یہ آرزو ضرور پوری ہوتی۔ کیونکہ حضرت آدمؑ واقعی جنت میں تنہائی کی وجہ سے افسردہ ہو گئے تھے اور اس طرح وہ ناشکری کے مرتکب ہو رہے تھے لیکن خداوند کریم نے ان پر رحم فرمایا اور انہیں ایک حسین ساتھی عطا کر دیا۔

شیطان اپنے واؤں بیچ میں لگا ہوا تھا اور کسی نہ کسی طرح حضرت آدمؑ سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ جنت میں ایک شجر ممنوعہ ہے۔ جس کا پھل کھانے

حضرت آدمؑ سوچتے ہوئے بولے۔ ”اے حوۃ! ہمیں بسم اللہ کا اسم اعظم تعلیم کیا گیا ہے۔ کیا عجب ہے کہ اس دروازے کی کنجی وہی بسم اللہ ہے۔“

حضرت حوۃؑ نے ان کے خیال کی تائید کی اور دونوں نے ایک ساتھ بسم اللہ بسم اللہ الرحمن الرحیم - کہا۔

بسم اللہ شریف کا ان کی زبان سے نکلنا تھا کہ عظیم الشان دروازے کے پٹ کھل گئے۔ حضرت حوۃؑ نے مسکرا کر حضرت آدمؑ کو دیکھا پھر دونوں اس قبة میں داخل ہوئے۔ انہوں نے اندر جا کر دیکھا کہ اس قبة کے چاروں کونوں سے وہی چاروں نہریں جاری ہوئی ہیں۔ قبة کے ایک کونے پر ”بسم اللہ“ مرقوم ہے۔ دوسرے کونے پر لفظ ”اللہ“ چمک رہا ہے۔ تیسرے کونے پر ”الرحمن“ جھلکا رہا ہے اور چوتھے کونے سے لفظ ”الرحیم“ کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔

حضرت حوۃؑ نے دیکھا کہ بسم اللہ کے میم سے شفاف پانی کی نہرواں ہے، اللہ کے ہ سے دودھ کی نہر جاری ہوئی ہے، ر حن کے نون سے شراب پاک کی نہر لہریں لیتی نکل رہی ہے اور رحیم کے میم سے شد کی نہر نکل رہی ہے۔

اس قبة میں کچھ وقت گزارنے کے بعد حضرت حوۃؑ اور حضرت آدمؑ آگے روانہ ہوئے اور ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں انہیں ایک شہر نظر آیا۔ یہ شہر ہزار شہروں کے برابر طویل و عریض تھا۔ شہر میں ہزار محل سفید موتی کے تھے اور ہر محل میں ہزار دیوان خانے زبرجد سبز کے تعمیر تھے۔ دیوان خانوں کے اندر سونے کے جڑاؤ تخت بچھے ہوئے تھے۔ یہاں کے فرش پر ریثی بوٹے وار اطلس بچھا تھا۔

اس عظیم الشان شہر وہاں کے محلات اور دیوان خانوں کی سیر سے جب حضرت حوۃؑ اور حضرت آدمؑ واپس ہوئے تو انہیں ایک پہاڑ نظر آیا۔ اس پہاڑ کا نام جبل الرحمتہ ہے۔ پہاڑ کی چوٹی پر ایک شہر ہے اس شہر کا نام مدینہ السلام ہے۔ مدینہ السلام میں بیت الحلال نام کا ایک اتنا بڑا کمرہ ہے جس کے چار ہزار دروازے ہیں۔ حضرت حوۃؑ اور حضرت آدمؑ جس دروازے سے داخل ہوتے انہیں یوں محسوس ہوتا جیسے نور خداوندی ان کی آنکھوں کے سامنے پھیلا ہوا ہے۔

مند ہوں۔ اب تو بتا میں تیرا لئے کیا کر سکتا ہوں۔“

شیطان نے محسوس کیا کہ ہرن اس کے جال میں پھنس رہا ہے تو اس نے فوراً کہا۔ ”اے بھائی ہرن! میں نے بہشت کی بڑی تعریف سنی ہے مگر اب تک اسے دیکھا نہیں۔ اگر تم مہربانی کر کے مجھے اپنے منہ میں بٹھا کر بہشت میں پہنچا دو تو میں تمہارا احسان عمر بھر نہ بھولوں گا۔“

ہرن سوچ میں پڑ گیا۔ تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد اس نے کہا۔ ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر تو جنت میں داخل ہونے کے لئے میری مدد کیوں چاہتا ہے؟“

شیطان اس سوال پر پریشان ہو گیا۔ اسے کوئی معقول جواب نہ سوجھا تو ادھر ادھر کی ہانکنے لگا۔

شیطان کی الٹی سیدھی باتوں سے ہرن کا شبہ یقین میں بدل گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ ضرور شیطان ہے جو اسے بہکانے آیا ہے۔ ہرن نے تیز نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ”تجھ پر خدا کی مار۔ تو ضرور شیطان مردود ہے۔ صرف تو ہی ایک ایسا ہے جسے جنت میں داخلے کی اجازت نہیں تو مجھے بھی بہکا کر خدا کی نظروں میں ذلیل کرنا چاہتا ہے۔“ یہ کہتا ہوئے ہرن نے اپنے سینک سیدھے کر لئے اور شیطان کی طرف لپکا۔ شیطان نے یہ حال دیکھا تو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔

اسی طرح شیطان نے باری باری درجنوں چرندوں، پرندوں کو بہکایا مگر کوئی بھی اس کے فریب میں نہ آیا اور اسے جنت میں لے جانے سے صاف انکار کر دیا۔ شیطان بڑا دل برداشتہ اور مغموم ہوا لیکن آدم سے انتقام کی آگ اس کے دل میں بھڑک رہی تھی۔ وہ رات دن اسی فکر میں رہتا کہ کسی جانور کے ذریعے جنت میں داخل ہو اور آدم کو بہکا کر ذلیل و خوار کرائے۔

ایک دن شیطان کو امید کر کرن نظر آئی۔ اس نے طاؤس (مور) اور سانپ کو آتے دیکھا۔ اس واقعے سے پہلے سانپ اور مور میں بڑی دوستی ہوا کرتی تھی۔ ان کی دوستی کی وجہ ان کی خوبصورتی تھی۔ طاؤس اپنے خوبصورت پیروں کی وجہ سے حسین مشہور تھا اور سانپ اس وقت چوپایہ ہوتا تھا اور اس چوپائے کی صورت بڑی پیاری

سے حضرت آدم کو منع کیا گیا ہے۔ اس نے سوچا کہ اگر کسی طرح حضرت آدم کو یہ پھل کھلا دیا جائے تو حضرت آدم پر خدا کے احکام کی خلاف ورزی کا الزام لگ جائے گا اور خدا نہیں سزا دے گا۔

آخر بڑی سوچ و بچار کے بعد شیطان نے جنت میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا۔ جنت میں اس کا داخلہ بند تھا۔ اگر وہ خود داخل ہونے کی کوشش کرتا تو رضوان (داروغہ جنت) اسے داخل نہ ہونے دیتا۔ شیطان اب اس فکر میں تھا کہ کسی طرح جنت میں داخل ہو جائے پھر وہاں پہنچ کر حضرت آدم کو بہکانے اور درغلانے کی تدبیر کرے۔

اس وقت تک چرند، پرند اور تمام جانوروں کو جنت میں جانے کی عام اجازت تھی۔ یہ جانور بہت کچھ و سچم اور بھاری بھر کم ہوا کرتے تھے۔ آخر شیطان کو ایک ترکیب سوچیں۔ ایک دن وہ ایک خوبصورت ہرن کے پاس گیا اور اس سے کہا۔

”اے بھائی ہرن! تم کتنے خوبصورت ہو۔ تم جیسا حسین جانور تو اس جہاں میں موجود ہی نہیں۔“

ہرن فوراً ”سمجھ گیا کہ یہ شیطان ہے اور میری تعریف بلا مقصد نہیں کر رہا ہے ضرور اس کا کوئی مطلب ہو گا۔ اس نے کہا۔ ”اللہ تعالیٰ نے ایک سے ایک خوبصورت جانور پیدا کیا ہے۔ میں بھلا کس شمار میں ہوں لیکن پہلے تو اپنا مطلب بیان کر۔ میں اگر سب سے زیادہ خوبصورت بھی ہوں تو غور نہیں کر سکتا۔ ہاں اس کا شکر ادا ضرور کروں گا۔“

شیطان مکاری سے بولا۔ ”بھائی ہرن! تم تو ناراض ہو گئے۔ میرا مقصد تو یہ تھا کہ جنگل میں اس جانور کو حکومت کرنے کو حق حاصل ہونا چاہیے جو سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔ میں تمہارے حق کو تسلیم کرتا ہوں اور تمہیں جنگل کا بادشاہ کہتا ہوں۔“

ہرن شیطان کی باتوں سے خوش تو ضرور ہوا مگر ان باتوں سے اسے فریب کی بو آتی معلوم ہوئی۔ اس نے کہا۔ ”تو نے میری تعریف کی ہے۔ اس لئے میں تیرا احسان

ہوتی تھی۔
شیطان نے دیکھا کہ دونوں دوست خوش باتیں کرتے چلے آ رہے ہیں۔ وہ ان کے سامنے پہنچا۔ سانپ اور طاؤس اسے دیکھ کر رک گئے۔

طاؤس نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور پوچھا ”تو ابلیس تو نہیں ہے؟“
شیطان بہت گھبرایا۔ طاؤس نے اسے پہلی نظر ہی میں پہچان لیا تھا۔ اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”ہاں میں بد نصیب ابلیس ہی ہوں۔“

سانپ نے فوراً ”اپنا پیر طاؤس کے پیر پر مار کر کہا۔ ”چلو دوست! تم کس کے منہ لگ رہے ہو۔ یہ تو مردود ہے۔ خدا نے اسے آسمان سے نکال دیا ہے۔“
مکار شیطان فوراً ”دونوں کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا اور بڑی عاجزی سے بولا۔ ”بھائیو! میری بس ایک بات سن لو۔ اس کے بعد پھر جو چاہے کہنا۔“

سانپ کو اس پر رحم آگیا۔ اس نے کہا۔ ”اچھا جو کہنا ہے جلدی کہہ۔ ہم سیر کو جارہے ہیں۔ صبح صبح تیری صورت دیکھی ہے۔ پتہ نہیں دن کیسا گزرے گا۔“
شیطان بڑی لجاجت سے بولا۔ ”بھائیو! یہ ٹھیک ہے کہ میں مردود ہوں، مجھے آسمانوں سے نکالا گیا اور جنت کا دروازہ مجھ پر بند ہو گیا ہے لیکن کیا تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟“

سانپ سوچ کر بولا، ”تو کیا کہنا چاہتا ہے۔ کیا یہ جھوٹ ہے کہ تو نے خدا کا کہنا نہیں مانا؟“
”یہ بھی ٹھیک ہے میرے بھائی!“ شیطان نے کہا۔ ”لیکن تم نے یہ بھی غور کیا کہ میں ایک بڑا فرشتہ تھا۔ آخر میں نے خدا کا حکم ماننے سے کیوں انکار کیا آخر اس کی کوئی وجہ تو ضرور ہوگی؟“

طاؤس دخل دیتے ہوئے بولا۔ ”اے ابلیس! ہمارا وقت ضائع نہ کر جو کہنا ہے مختصر الفاظ میں کہہ ڈال۔“
چالاک شیطان نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر بند مٹھی باہر نکالی۔ اس نے مٹھی سانپ کے سامنے کھولی۔ مٹھی میں تھوڑی سی خاک تھی۔

”خدا کو“ دونوں نے ایک ساتھ جواب دیا۔

شیطان نے بڑے معصومانہ انداز میں کہا۔ ”اور تمہارے خدا نے مجھ سے کہا کہ خدا کو سجدہ کرنے کی بجائے خاک کو سجدہ کرو۔ میں نے خاک کو سجدہ کرنے سے اسی لئے انکار کر دیا کہ خاک کی تو کوڑی بھر قیمت نہیں ہوتی۔“

طاؤس اور سانپ پر شیطان کا جادو چل گیا تھا لیکن طاؤس کچھ سمجھ دار تھا۔ اس نے کہا۔ ”لیکن ہم نے تو سنا ہے کہ تو نے حضرت آدمؑ کو سجدے سے انکار کیا تھا اس لئے مردود کیا گیا۔“

سے کوئی شکوہ اور گلہ نہیں۔ مجھے تو آدم نے برابر کیا ہے اور میں آدم کو (نعوذ باللہ) برباد کرنا چاہتا ہوں۔ ان سے بدلہ لینا چاہتا ہوں۔“

”لیکن کس طرح اور ہم تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں؟“ سانپ نے پوچھا۔
شیطان نے ان کے قدموں سے سراٹھا کر کہا۔ ”میں تم لوگوں کو تکلیف نہیں دیتا چاہتا۔ تم بس اتنا کرو کہ مجھے بہشت میں پہنچا دو۔ باقی کام میں خود کر لوں گا۔“
”لیکن ہم تمہیں کس طرح لے جا سکتے ہیں؟“ سانپ نے کہا۔ ”جنت کا داروغہ رضوان تمہیں پہچان لے گا اور اندر نہیں جانے دے گا۔“

”میں تمہارے منہ میں بیٹھ جاؤں گا۔“ شیطان نے کہا۔ ”اور تم طاؤس کے پردوں پر بیٹھ جاؤ گے۔ یہ تمہیں اڑا کر جنت میں لے جائے گا اور جنت میں تم مجھے اپنے منہ سے نکال دینا۔“

طاؤس اور سانپ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر آپس میں صلح و مشورہ کیا اور جنت میں شیطان کو پہنچانے کا وعدہ کر لیا

طاؤس اور سانپ کی مدد سے شیطان مردود جنت میں داخل ہو گیا۔ اس وقت حضرت حوا اور حضرت آدم حسب معمول عبادت الہی سے فارغ ہوئے تھے اور جنت کی سیر کو روانہ ہونے والے تھے۔

شیطان آہستہ آہستہ ان کے قریب پہنچا پھر ایک دلدوز چیخ بلند کی اور رونے لگا۔ حضرت حوا اور حضرت آدم اس آہ و زاری کو سن کر اس کے قریب آ گئے۔ مگر شیطان اسی طرح دباڑیں مار مار کر رونے میں مصروف رہا۔

حضرت حوا کو شیطان پر بڑا ترس آیا۔ انہوں نے شیطان سے بات کرنے کی کوشش کی مگر اس کے آنسو تھننے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ اس کی چیخوں نے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا۔

جب اس نے محسوس کیا کہ حضرت حوا اور حضرت آدم رونے دھونے سے کافی متاثر ہو گئے ہیں تو اس نے آنسو پونچھ ڈالے اور حسرت آمیز نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔

شیطان نے ایک مہیب قہقہہ لگایا اور بولا ”غضب تو یہی ہے کہ تمہیں پوری بات نہیں معلوم اور تم نے مجھے مردود کہہ دیا۔ اصل بات یہ ہے کہ خدا نے ایک مٹھی خاک سے آدم کا پتلا بنایا پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ اس خاک کے پتلے کو سجدہ کرو میں نے کہا۔ اے خدا! میں تجھ کو سجدہ کرتا ہوں۔ اس مٹی کے پتلے کو سجدہ نہیں کر سکتا۔ میں نوری ہوں پھر میں خاکی کو سجدہ کیوں کروں اب تم ہی انصاف کرو۔ میں نے کیا برا کیا؟“

شیطان نے ان دونوں کو لچھے دار باتوں سے اپنے فریب کے جال میں جکڑ لیا۔ اس نے طاؤس اور سانپ کو یہ نہیں بتایا کہ سجدہ آدم کو نہیں، اس نور کو کرنا تھا جس کا حامل آدم کو بنایا گیا تھا اس طرح شیطان ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

طاؤس نے کہا۔ ”بھائی ابلیس! ہمیں تم سے پوری ہمدردی ہے۔“

”ہاں، بھائی! تم پر تو واقعی ظلم ہوا ہے۔“ سانپ بولا۔

وہ دونوں راہ مستقیم سے ہٹ گئے اور شیطان کے ہمدرد بن گئے۔

شیطان حرف مدعا زبان پر لایا۔ ”میں آدم کی وجہ سے مردود ہوا ہوں۔ اسی کی وجہ سے فرشتے سے شیطان بنایا گیا آدم جنت میں عیش کر رہے ہیں اور میں در در کی خاک چھان رہا ہوں۔“

”مگر ہم تمہارے لئے کیا کر سکتے ہیں؟“ سانپ نے پوچھا۔

”اگر تم مجھے واقعی مظلوم سمجھتے ہو تو بس تھوڑی سی میری مدد کرو“ شیطان نے عاجزانہ انداز میں کہا۔

”لیکن ہم اپنے خدا کے خلاف تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔“ طاؤس نے گھبراتے ہوئے کہا۔ ”تم جو کہتے ہو وہ ٹھیک ہے لیکن کیا پتہ آدم کو سجدہ کرانے میں بھی کوئی مصلحت ہو۔“

شیطان نے دیکھا کہ بنا بنایا کام بگڑا جا رہا ہے تو وہ فوراً ان کے پیروں میں گر پڑا اور گڑ گڑا کر بولا۔ ”میں کب کہتا ہوں کہ تم خدا کے خلاف میری مدد کرو۔ مجھے خدا

انہاز میں بولا۔ ”ٹھیک ہے کہ تمہیں خدا نے ہر نعمت سے سرفراز کیا ہے اور ہر آرام دیا ہے لیکن تمہیں یہ نہیں معلوم کہ یہ تمام سامان عیش و عشرت اور نعمتوں کی فراوانی بالکل عارضی ہیں اور اب تم ان سے محروم ہونے والے ہو۔“

حضرت حواؑ یہ سن کر پریشان ہو گئیں لیکن حضرت آدمؑ نے شیطان سے اس کی وضاحت طلب کی۔ انہوں نے شیطان سے دریافت کیا۔ ”اے بندہ خدا! تو پھر ابھی ابھی باتیں کر رہا ہے تو کس طرح کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ عارضی ہے اور ہم اس سے محروم ہو جائیں گے؟“

شیطان نے زمین سے ایک خشک پتہ اٹھایا اور حضرت آدمؑ کو دکھا کر بولا۔ ”یہ پتہ کل تک شاخ پر ہرا بھرا تھا لیکن آج خشک ہو کر رہ گیا ہے۔ تم دونوں کا بھی یہی حال ہونے والا ہے۔ تمہیں بھی بہت جلد موت آ جائے گی اور تم دونوں جنت کی ان نعمتوں سے محروم کر دیے جاؤ گے۔“

حضرت آدمؑ نے اپنے علمِ یلغ سے اس مسئلے کا جواب طلب کیا پھر بولے۔ ”میرا علم کہتا ہے کہ جس چیز کا آغاز ہوتا ہے اس کا انجام بھی ہوتا ہے۔ اگر تم اسے موت کہتے ہو تو میں تسلیم کرتا ہوں۔۔۔۔۔ ہر چیز کو اپنے انجام تک تو پہنچنا ہی ہے پھر اس کا غم کرنے سے کیا حاصل؟“

شیطان گفتگو کو اسی رخ پر لانا چاہتا تھا۔ اس نے فوراً کہا۔ ”اے آدمؑ! آپ کے علمِ یلغ نے جو جواب دیا وہ بالکل درست ہے۔۔۔۔۔ لیکن کیا آپ کو یہ نہیں معلوم کہ انجام کو ٹالا بھی جا سکتا ہے اور اس سے محفوظ بھی رہا جا سکتا ہے۔۔۔۔۔ چونکہ آپ اس راز سے واقف نہیں اس لئے آپ کا موت سے دوچار ہونا لازمی ہے۔ حالانکہ اگر آپ چاہیں تو موت کو ٹال سکتے ہیں اور ابدی زندگی حاصل کر کے ان نعمتوں کو ہمیشہ کے لئے اپنا سکتے ہیں۔“

حضرت آدمؑ نے پہلے حیرت سے شیطان کو دیکھا پھر حضرت حواؑ پر نظر ڈالی جو موت کے تصور سے پریشان ہو رہی تھیں۔ اس دوران شیطان ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا لیکن وہ ان کے معصوم دلوں میں ایسے وسوسے پیدا کر گیا جس نے ان کی

حضرت حواؑ نے اس سے پوچھا۔ ”اے بندہ خدا! تجھ پر کیا افتاد پڑی کہ تو اس طرح زار زار رو رہا ہے اپنی تکلیف بیان کرتا کہ ہم تیری مدد کریں اور تجھے اس مصیبت سے نجات دلائیں۔“

چالاک شیطان نے ایک بار پھر ایک فلک شگاف چیخ ماری اور بولا۔ ”اے خوبصورت انسانو! تمہاری ہمدردی کا شکریہ! تم نے واقعی درد مند دل پایا ہے۔ میں بھی تمہاری طرح کسی کو پریشان نہیں دیکھ سکتا اور دوسروں کی مصیبت پر میرا دل بھی تمہاری طرح کڑھتا ہے۔“

حضرت آدمؑ پر بھی شیطان کا بڑا اثر ہوا۔ انہوں نے کہا۔ ”اے بندے! دوسروں کے درد و غم میں شریک ہونا اور مصائب کو دور کرنا تو عین نیکی ہے۔ اب تو ہمیں بتا کہ تو کس مصیبت میں گرفتار ہے اور اس رونے دھونے کا سبب کیا ہے؟“

شیطان خبیث نے بڑی مکاری سے کہا۔ ”اے انسانو! میری پریشانی اور آہ و زاری خود میری کسی مصیبت کی وجہ سے نہیں ہے۔۔۔۔۔ کیونکہ مجھے خود کوئی تکلیف یا غم نہیں۔۔۔۔۔ اللہ کا دیا سب کچھ موجود ہے۔ میں تو تم دونوں کا حال دیکھ کر غم زدہ ہو گیا ہوں اور میرا دل تمہارے حال زار پر رو رہا ہے۔“

”تو کیا کہہ رہا ہے اے بندے؟“ حضرت حواؑ نے فوراً سوال کیا۔ ”اللہ تعالیٰ کی وہ کون سی نعمت ہے جو ہمیں میسر نہیں۔ غم اور تکلیف کیا ہوتی ہے ہم تو اس سے واقف بھی نہیں پھر تو ہمارے غم میں کیوں گھلا جا رہا ہے؟“

شیطان نے پھر دو چار موٹے موٹے آنسو بہائے اور بولا۔ ”اے بی بی حوا! مجھے یہی تو غم ہے کہ تم اپنے غموں سے واقف نہیں۔ تمہیں معلوم نہیں کہ کل تم پر مصیبت کا کتنا بڑا پہاڑ ٹوٹنے والا ہے۔“

”اے بندہ ہمدرد!“ حضرت آدمؑ شیطان سے مخاطب ہوئے ”اگر ہم پر کوئی مصیبت آنے والی ہے تو ہمیں اس سے آگاہ کر۔ اس طرح معمول میں بات نہ کر اور جو کچھ ہونے والا ہے اسے صاف صاف بیان کر۔“

”مجھے تم سے ہمدردی نہ ہوتی تو یوں آنسو کیوں بہاتا؟“ شیطان اسی طرح پرفریب

”بی بی حوا! مجھے، آپ سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے حقیقت
 حال بیان کر دی ہے۔ اچھا برا آپ کو سمجھا دیا۔ سوچنا سمجھنا اور عمل کرنا آپ کا کام

پوچھا۔ ”تھارا اشارہ‘ شجر خلد‘ خوشہ گندم کی طرف تو نہیں؟“
 ”جی ہاں۔۔۔۔۔ اس درخت کا پھل ابدی زندگی اور بادشاہت عطا کرتا ہے۔“
 شیطان نے تصدیق کی۔

”بھڑا میں اس درخت کا پھل نہیں کھا سکتا۔ فرشتوں نے مجھے منع کیا ہے اور میں نے خدا سے اس بات کا وعدہ کیا ہے۔۔۔۔۔“ حضرت آدمؑ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ”میں اپنا عہد نہیں توڑ سکتا۔۔۔۔۔ خواہ اس کا پھل کھانے سے مجھے تمام عالموں کی بادشاہت ہی کیوں نہ ملے لیکن میں فرشتوں کی تنبیہ کو نہیں بھول سکتا۔۔۔۔۔ اور وعدہ خلافی کر کے خود کو ہلاکت میں نہیں ڈال سکتا۔“

حضرت حواؑ حضرت آدمؑ کے اس دو ٹوک جواب سے بڑی دل گرفتہ ہوئیں۔ انہوں نے افسردگی سے کہا۔ ”جب فرشتوں نے اس کا پھل نہ کھانے کی تاکید کی تھی تو آپ کو اس کی وجہ ضرور پوچھنا چاہئے تھی۔“

”نہیں“ میں نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔“ حضرت آدمؑ نے جواب دیا۔ ”کیونکہ یہ حکم خداوندی تھا اور بندے کو احکام الہی کے بارے میں جرح اور بحث کی اجازت نہیں۔۔۔۔۔ پھر جب خدا نے مجھے اتنی نعمتیں عطا کر دیں اور صرف ایک درخت کا پھل نہ کھانے کا حکم دیا تو مجھے کیا ضرورت تھی کہ میں اس کے خلاف احتجاج کرتا یا بحث میں الجھتا۔ اس کی مصلحت وہی بہتر جانتا ہے۔۔۔۔۔ بندے پر اس کے حکم کی بجا آوری فرض ہے۔“

حضرت حواؑ حضرت آدمؑ کی ان باتوں سے اور دل برداشتہ ہوئیں۔ ان کے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ انہوں نے شیطان کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔

لیکن شیطان اپنے منصوبے کو کسی طرح ناکام نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ اس نے فوراً حضرت حواؑ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”بی بی حواؑ! میں آپ لوگوں کو مجبور نہیں کرتا لیکن جو سوال آپ نے حضرت آدمؑ سے کیا تھا اگر اجازت ہو تو میں اس کا جواب دے دوں؟“

”کون سا سوال؟“ حضرت حواؑ غمزہ لہجے میں بولیں۔

ہے۔“ شیطان نے جال پھیلانا شروع کر دیا۔

حضرت حواؑ کے دل میں ایک آرزو نے کروٹ لی اور انہوں نے دلچسپی سے پوچھا۔ ”اچھا اے ہمدرد! ذرا وہ تدبیر تو بتاؤ جس پر عمل کر کے ہم ہمیشہ زندہ رہ سکیں؟“

شیطان ہسکرایا اور بولا۔ ”بی بی حواؑ! آپ صرف ہمیشہ زندہ نہیں رہیں گی بلکہ حضرت آدمؑ جنت کے بادشاہ اور آپ ان کی ملکہ بن جائیں گی اور پھر نہ کوئی آپ کا مار سکے گا اور نہ بادشاہت چھین سکے گا۔“

”تو پھر جلد بتاؤ وہ تدبیر۔۔۔۔۔ ہم اس پر ضرور عمل کریں گے۔“ حضرت حواؑ نے بے صبری کا مظاہرہ کیا۔

حضرت آدمؑ اب تک خاموش تھے۔ شیطان کو اپنی کامیابی پر شبہ ہونے لگا اس نے فوراً کہا۔ ”میں تدبیر کیا بتاؤں۔ آپ دونوں تو مجھ پر اعتبار ہی نہیں کرتے۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ابو البشر حضرت آدمؑ کو ہمیشہ زندہ رہنے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اسی لئے وہ خاموش ہیں۔“ یہ کہہ کر شیطان نے حضرت آدمؑ کو دیکھا۔

حضرت آدمؑ کچھ جواب دینا چاہتے تھے لیکن حضرت حواؑ نے انہیں موقع ہی نہ دیا اور خود بول پڑیں۔ ”تم ان کی فکر نہ کرو۔ انہیں میں خود سمجھا لوں گی۔ تم تدبیر بیان کرو؟“

اب شیطان نے محسوس کیا کہ لوہا گرم ہے۔ فوراً ”چوٹ لگانی چاہئے۔ اس نے کہا۔ ”اے“ بی بی حواؑ! بہشت میں ایک ایسا شجر ہے کہ جو بھی اس کا پھل کھائے گا جنت کا بادشاہ بن جائے گا اور اسے کبھی موت نہ آئے گی۔“

حضرت آدمؑ کے کان کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے فوراً پوچھا۔ ”کون سا شجر۔۔۔۔۔ کہاں ہے وہ درخت؟“

شیطان نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اُدھر ہے۔۔۔۔۔ چلئے میں اس کی شناخت آپ کو کرادوں۔“

شیطان نے جس طرف اشارہ کیا تھا۔ حضرت آدمؑ نے اس طرف دیکھتے ہوئے

”یہی کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو شجر خلد کا پھل کھانے سے کیوں منع کیا۔۔۔۔۔؟“

حضرت حواؑ نے خالی خالی نظروں سے پہلے حضرت آدمؑ کی طرف دیکھا پھر شیطان سے گویا ہوئیں۔ ”اگر تم اس کی وجہ جانتے ہو تو ضرور بیان کرو تاکہ بات پوری طرح صاف ہو جائے اور تصویر کے دونوں رخ سامنے آجائیں۔“

”اے بی بی حوا! میں بھی اسی خدا کا بندہ ہوں جس نے آپ دونوں کی تخلیق کی ہے۔ پس میں اسی خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حضرت آدمؑ کو اس درخت کا پھل کھانے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اگر حضرت آدمؑ نے یہ پھل کھا لیا تو یہ خود بادشاہ بن جائیں گے اور خدا ان کو نہ تو مار سکے گا اور نہ بادشاہت سے ہٹا سکے گا۔ خدا نہیں چاہتا کہ اس کی طرح کوئی اور بھی بادشاہ ہو جائے اور وہ اس کی برابری کر کے ہمیشہ زندہ رہے۔“

حضرت آدمؑ کو شیطان کی یہ بات بہت ناگوار گزری مگر وہ حضرت حواؑ کا منعموم چہرہ دیکھ کر خاموش رہے۔ حضرت حواؑ کے دل پر شیطان کے اس اظہار کا پورا اثر ہوا۔ ان کے دل میں ہمیشہ زندہ رہنے کی زبردست خواہش پیدا ہوئی لیکن وہ اس وقت مصلحتاً خاموش رہیں۔

شیطان نے اب وہاں ٹھہرنا مناسب خیال نہ کیا کیونکہ وہ اپنی منزل کی طرف بڑی کامیابی سے قدم بہ قدم بڑھ رہا تھا۔ اس نے حضرت حواؑ کے دل میں ابدی زندگی کی خواہش بیدار کر کے انہیں اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ اسے صرف حضرت آدمؑ کو رام کرنا تھا۔ اس بڑے قلعے کو سر کرنے کے لئے اس نے صرف حضرت حواؑ ہی سے کام لینا مناسب خیال کیا۔

شیطان اس وقت تو وہاں سے غائب ہو گیا مگر موقع تلاش کرتا رہا کہ کہیں حضرت حواؑ اسے تنہائی میں مل جائیں تو ان پر اپنا جادو چلائے۔ آخر اسے یہ موقع میسر آ گیا۔ اس نے حضرت حواؑ کو تنہا پایا تو ان کے پاس پہنچ گیا۔ بڑے ادب سے سلام کر کے مزاج پر سی کی۔۔۔۔۔ پھر باتیں کرتا ہوا انہیں شجر منوعہ کی طرف لے چلا۔ اس وقت

اس نے حضرت حواؑ سے اتنی پر فریب باتیں کیں کہ حضرت حواؑ بالکل مسحور ہو گئیں۔ پہلے اس نے بہشت کا ذکر چھیڑا۔ بہشت کے حسین اور دل فریب نظارے، باغات، نہریں، مہلات، چرند و پرند اور اشجار۔۔۔۔۔ غرض ایک ایک چیز کی اس قدر تعریف کی کہ حضرت حواؑ کو ان چیزوں سے اور زیادہ محبت ہو گئی۔

پھر شیطان ایک دم بات کا رخ پلٹ کر بولا۔ ”لیکن اے بی بی حوا! مجھے آپ دونوں کے حسن و جوانی کو دیکھ کر افسوس ہوتا ہے اور میرا دل خون کے آنسو روتا ہے کہ آپ کی جس خاک سے تخلیق ہوئی ہے، موت، آپ کو اسی خاک میں تبدیل کر دے گی۔“

اس وقت وہ دونوں شجر منوعہ کے قریب پہنچ چکے تھے۔۔۔۔۔ شیطان نے درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”دیکھئے تو یہ درخت کس قدر شاداب اور سرسبز ہے۔ کوئی درخت اس کی شادابی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔“ یہ کہتے ہوئے شیطان نے شجر منوعہ سے ایک پھول توڑا اور حضرت حواؑ کی طرف بڑھا دیا۔ ”بی بی! ذرا اس کا حسن ملاحظہ ہو۔ ذرا سو گھمٹے تو کیسی بھینی بھینی سی خوشبو اس میں سے آ رہی ہے۔ رنگ و روپ میں یہ پھل اپنا جواب نہیں رکھتا اور اس کا مزہ، مزے کا بھی جواب نہیں۔ اس کا مزہ ہی تو اصل جو ہر ہے۔ جس نے یہ پھل چکھا وہ امر ہو گیا، اسے کبھی موت نہ آئے گی۔“

یہ کہتے ہوئے شیطان نے پھل توڑ کر حضرت حواؑ کو دے دیا۔ حضرت حواؑ شیطان کی لچھے دار باتوں سے پہلے ہی متاثر ہو چکی تھیں ان پر ایک عالم محویت طاری تھا۔ شاید وہ ابدی زندگی کے تصور میں کھوئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے شیطان کے ہاتھ سے پھل لے لیا۔

”یہ درخت او یہ پھل ہی تو اس بہشت کے سر تاج ہیں۔ اس پھل میں مٹھاس بھی ہے اور سوندھا پن بھی۔ کھا کر دیکھئے کس قدر۔۔۔۔۔ خوش ذائقہ ہے۔ نہ زیادہ مٹھاس، نہ زیادہ کھٹاس۔ ایک ذائقے میں ہزار ذائقے۔“ شیطان پھل کی تعریف کر رہا تھا اور حضرت حواؑ کا وہ ہاتھ جس میں پھل تھا آہستہ آہستہ دہن مبارک کی طرف

اے کھا لیجئے تاکہ آپ کو بھی ابدی زندگی مل جائے۔ آپ بادشاہ بن جائیں۔“
حضرت حوا کے پیہم اصرار پر حضرت آدمؑ فریب میں آگئے۔ اور خود اپنی
چیتی پیوی کے ذریعے فریب کھایا۔ حضرت آدمؑ نے پھل منہ میں رکھ لیا۔

شیطان نے درخت کی آڑ سے نکل کر ایک میب ققمہ لگایا۔ اس وقت شیطان
اپنی اصلی صورت میں ان کے سامنے آیا تھا۔ اس کا مکروہ چہرہ دیکھ کر حضرت آدمؑ کے
منہ سے بے ساختہ ابلیس مردود نکلا۔ حضرت حواؑ پریشان ہو گئیں۔ شیطان نے
ایک اور زوردار ققمہ لگایا اور بولا۔ ”ہاں میں ابلیس مردود ہوں۔ اے آدمؑ! تو نے
مجھے مردود کر کے آسمانوں سے نکلویا۔ اب میں تجھے جنت سے نکلوا رہا ہوں لیکن میں
دنیا میں بھی تیرا پیچھا نہیں چھوڑوں گا“ میں تیری اولاد کو برکادوں گا۔ انہیں آپس میں
لڑاؤں گا، قتل کراؤں گا اور طرح طرح کے جیہوں میں گرفتار کرا کے تیرے خدا کی
خدائی کا (نعوذ باللہ) مضحکہ اڑاؤں گا۔“

حضرت آدمؑ نے جلدی سے لاحول ولا قوۃ پڑھا۔ شیطان تو اس کلام کو سنتے ہی
بھاگ کھڑا ہوا مگر اسی لمحے حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ نے دیکھا کہ ان کا جنتی لباس
ان کے جسموں سے علیحدہ ہو کر زمین پر گر گیا۔
دونوں شرما کر اور گھبرا کر درختوں اور شاخوں کی آڑ ڈھونڈنے لگے۔ درخت کے
پتوں نے انہیں نفرت سے دیکھ کر اپنا رخ بدل لیا۔

تاریخ طبری بروایت دہب ابن نبیؑ میں ہے کہ حضرت آدمؑ جب ایک درخت کی
آڑ میں چھپنے لگے تو آواز غیبی بلند ہوئی۔
”آدمؑ! تم کہاں ہو؟“

”اے رب! میں حاضر ہوں اور یہاں ہوں۔“ حضرت آدمؑ نے جواب دیا۔
”درخت کی آڑ سے باہر کیوں نہیں آتے؟“ صدائے غیب نے سوال کیا۔
”یا رب! مجھے شرم آتی ہے۔“

”آدمؑ! جس زمین کی خاک سے تو پیدا کیا گیا ہے وہ زمین اس وقت تک قابل
نفرت رہے گی جب تک اس کے پھل کاٹنے نہ بن جائیں۔“ پیشانی قدرت پر بل آگیا

بڑھ رہا تھا اور شیطان دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔ پھر حضرت حواؑ سے پہلا
گناہ سرزد ہوا۔ انہوں نے پھل کھا لیا اور حکم خداوندی سے سرتابی کی۔
شیطان اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے حضرت حواؑ کو برکا کردہ پھل کھلا دیا
تھا۔ اب اے حضرت آدمؑ کو برکانے کی ضرورت نہ تھی۔

شیطان نے پوچھا۔ ”کسے“ کیا خوشبودار اور خوش ذائقہ پھل ہے فرشتوں نے تو
خواخواہ آپ کو وہم میں مبتلا کر دیا تھا۔ آپ نے پھل کھا لیا۔ آپ کو تو کوئی نقصان
نہیں پہنچا۔ کوئی قمر نازل نہیں ہوا۔“

حضرت حواؑ جن کے دل و دماغ پر شیطان قابض ہو چکا تھا وہ پھل کھا کر بہت
خوش ہوئیں اور دوڑ کر حضرت آدمؑ کو اس درخت کے پاس لے آئیں۔ شیطان انہیں
آتے دیکھ کر چھپ گیا۔

حضرت آدمؑ کو شجر ممنوعہ دکھاتے ہوئے حضرت حواؑ نے کہا۔ ”آپ اس درخت
کی سرسبزی اور شادابی ملاحظہ کیجئے۔ کس قدر لاجواب درخت ہے۔ اس کا ثانی بہشت
میں موجود نہیں۔“

پھر انہوں نے اس شجر ممنوعہ کا ایک پھل توڑ کر حضرت آدمؑ کی طرف بڑھایا اور
بولیں۔ ”اس پھل کا رنگ و روپ اور بلنکین کسی دوسرے پھل کو میسر نہیں۔ لیجئے نا
کھائیے آپ بھی۔“

حضرت حواؑ نے حضرت آدمؑ کو پھل کھانے کے لئے بالکل اسی انداز کی باتیں
کیں جو انہوں نے شیطان سے سنی تھیں۔ دراصل اس وقت شیطان حضرت حواؑ کے
دل میں بیٹھا بول رہا تھا۔ حضرت حواؑ اس کے برکائے میں آچکی تھیں۔ اب وہ ان
سے جس طرح چاہتا کام لے سکتا تھا۔

حضرت آدمؑ نے جھجکتے ہوئے پھل حضرت حواؑ کے ہاتھ سے لے لیا۔
”کھائیے نا۔ بے حد خوش ذائقہ ہے یہ پھل۔“ حضرت حواؑ انہیں برکا رہی
تھیں۔ ”آپ ڈرتے کیوں ہیں۔ اس کے کھانے سے کچھ نہیں ہو گا۔ مجھے دیکھئے میں
نے بھی تو کھایا ہے۔ کیا قیامت آگئی۔ کون سا قہر ٹوٹ پڑا۔ میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔“

تھا۔۔۔۔۔ اور یہ حضرت آدمؑ پر پہلا اظہارِ جلال تھا۔

پھر ندائے عرش نے حضرت حواؑ کو مخاطب فرمایا۔ ”اے حوا! تو نے میرے بندے آدمؑ کو دھوکا دیا۔ ہم نے تجھے سخت گرائی اور آلودگی میں مبتلا کیا۔ ایسی گرائی اور آلودگی جس کی تکلیف موت سے زیادہ سخت اور ناگوار ہوگی۔“

حضرت حواؑ ندامت سے سر جھکائے کھڑی تھیں۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا رواں تھا۔ انہوں نے شیطان سے دھوکہ کھایا اور پھر آدمؑ کو دھوکہ دیا۔ ان کا گناہ آدمؑ سے زیادہ عظیم تر تھا۔

جلالِ خداوندی میں شدت پیدا ہوتی جا رہی تھی۔۔۔۔۔ ندا بلند ہوئی۔ ”آدمؑ و حوا! کیا ہم نے تمہیں اس ورخت کا پھل کھانے سے منع نہیں کیا تھا۔ ہم نے یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تمہارا پکا دشمن ہے؟“

حضرت آدمؑ نے انتہائی شرمساری سے کہا۔ ”اے رب! میں نے حواؑ کے بے حد اصرار کرنے پر یہ خطا کی۔“

اسی وقت حکمِ خداوندی نے سانپ اور طاؤس کو بھی اس جگہ حاضر ہونے کا حکم دیا۔ کیونکہ ان دونوں ہی کی مدد سے شیطان مردودِ جنت میں داخل ہوا تھا۔

ندائے خداوندی نے سانپ کو مخاطب کیا۔ ”تو اپنے منہ میں شیطان ملعون کو لے کر جنت میں داخل ہوا اور میرے بندوں کو دھوکہ دیا۔ تو بھی ملعون ہے۔ جا تیرے چاروں ہاتھ پھیر توڑ دیئے گئے۔۔۔۔۔ اور اب خاک و دھول کے سوا تری اور کچھ غذا نہ ہوگی اور اولادِ آدمؑ ہمیشہ تیری دشمن رہے گی۔ ایسی سخت دشمنی کہ تجھے جہاں دیکھے گی تیرا سر پچل ڈالے گی۔ مور (طاؤس) کی بھی غلطی ہے۔ اسے صرف پیروں کے حسن سے محروم کیا جاتا ہے۔ اس کے پیر اس قدر مکروہ ہوں گے کہ ان کی بد صورتی ضربِ اللشل بن جائے گی۔ تم سب ایک دوسرے کے دشمن قرار دیئے گئے۔ اب تم سب جنت سے نکل جاؤ۔“

اعلانِ الہی ہوتے ہی سانپ کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے۔ اس کا چوپائے کا خوبصورت پیکر چھن گیا اور اسے وہ مکروہ شکل ملی جس میں آج وہ ہمارے سامنے ہے۔ ابنِ آدمؑ

اس دن سے اب تک اس کا دشمن ہے۔

طاؤس پر اللہ تعالیٰ نے کرم فرماتے ہوئے صرف اس کے پیروں کا حسن چھیننے پر اکتفا کیا۔ اس کے پیر اب بد صورت ہیں۔ جب طاؤس مستی کے عالم میں رقص کرتے ہوئے اپنے پیروں کی طرف دیکھتا ہے تو شرما کر رقص ختم کر دیتا ہے۔

شیطان پہلے بھی مردود تھا اور اب بھی آسمانوں کی حدود میں اس کا داخلہ ہمیشہ کے لئے بند ہے۔

حکمِ الہی کے تحت، طاؤس۔۔۔۔۔ سانپ اور شیطان کو اسی وقت زمین پر پھینک دیا گیا۔ شیطان کو سیتان میں، سانپ کو اصفہان میں اور طاؤس کو کابل میں پھینکا گیا۔۔۔۔۔ وہ غروبِ آفتاب سے قبل کا وقت اور جمعۃ المبارک کا دن تھا۔

حضرت آدمؑ اور حواؑ صرف پانچ گھنٹے جنت میں رہ سکے۔ جنت کی تمام مراعات ان سے لے لی گئیں اور وہ دونوں بھی زمین کی طرف ڈھکیل دیئے گئے۔

حضرت آدمؑ کوہِ نو یعنی کوہِ راون پر گرے جسے جزیرہ سراندیپ لکایا سیلون کہتے ہیں (کوہِ نو آگے چل کر کوہِ آدمؑ کے نام سے مشہور ہوا اور آج بھی بھارت کی پرانی اٹلس میں کوہِ آدمؑ کا نام موجود ہے)۔

حضرت حواؑ جس مقام پر آکر گریں۔ وہ جزیرہ عرب کا بحرِ قلزم کے ساحل پر مشہور شرجہ ہے۔

ہندوستان کو جنت سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ ممکن ہے۔ اس کی وجہ یہاں حضرت آدمؑ کی آمد ہو۔ کیونکہ ہندوستان کو انسان اور اسلام کا اصل اور پہلا وارِ السلطنت ہونے کا فخر حاصل ہے۔ یہاں ہی سے تمام دنیا پھیلی اور آباو ہوئی اور بیس سے حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کی اولاد شروع ہوئی۔

حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ اپنی غلطی پر اس قدر ناوم تھے کہ شرم سے ان کی گردنیں نہ اٹھتیں۔ ان کا لباس چھن گیا تھا اور برہنگی کی وجہ سے خود کو چھپاتے پھرتے۔ آخر انجیر اور عود کے پتوں نے ان کی ستر پوشی کی۔ ایک روایت کے مطابق انجیر اور عود کے پتوں نے بہشت میں بھی ان کے لئے لباس کا کام دیا تھا۔

اس طویل جدائی نے دونوں کو مایوس سا کر دیا تھا اور ان کو خیال پیدا ہو رہا تھا کہ خدا ان کی خطا معاف نہ کرے گا مگر رحمت حق سے مایوس ہونا گناہ ہے۔ خدا نے انہیں معاف کر کے پھر ملا دیا اور انہیں دنیا میں نئے سرے سے زندگی بسر کرنے کے طریقے سکھائے۔

بعض کا خیال ہے کہ انجیر، عود اور بالوں کا لباس، ان دونوں کو جنت میں عطا ہوا تھا جو جنت سے نکالے جانے کے وقت چھ گنا تھا۔۔۔۔۔ پھر جب یہ دنیا میں آئے تو ان کی بزرگزیگی اور بزرگی کے باوجود انہیں دنیا میں دو سو سال تک عالم برہنگی میں سزا کے طور پر گزارنے پڑے۔۔۔۔۔ پھر جب ان کی خطا معاف ہوئی تو پھر ایک دن غیب سے ندا آئی۔

”اے، آدم و حوا! ایک مینڈھا ذبح کرو۔“

حضرت آدمؑ نے فوراً ”مینڈھا ذبح کیا اور عالم بالا سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ”اے رب! میں تیرا حکم بجالایا۔“

جواب میں حکم باری نازل ہوا۔ ”اے حوا! اس کے صوف (بالوں) کا خوب صاف کر کے سوت بناؤ۔“

حضرت حواؑ نے صوف کو صاف کر کے سوت بنایا اور آسمان کی طرف منہ کر کے عرض کیا ”اے باری تعالیٰ! میں نے تیرے فرمان کی تعمیل کر دی اب تیرا کیا حکم ہے؟“

پھر ندائے حق بلند ہوئی۔ ”اے حوا! آدمؑ سے کہو کہ وہ اس سوت سے کپڑا بنے۔ اس کپڑے سے اپنے لئے جبہ اور تمہارے لئے اوڑھنی (دوپٹہ) اور ازار (تہم) تیار کرے۔“

اللہ، اللہ! کہ اللہ کو خاتون اول حضرت حواؑ کا شگے سر رہنا گوارا نہ تھا۔ ان کے لئے دوپٹہ تیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس طرح پہلا دوپٹہ سوت سے بنا گیا۔

بالوں کے سوت کے اس پہلے لباس کے کچھ عرصے بعد اللہ جل شانہ نے اپنے دو فرشتوں کو حضرت حواؑ اور حضرت آدمؑ کے پاس بھیجا جنہوں نے انہیں جانور کی کھان

حضرت آدمؑ جب جنت سے نکالے گئے تو وہ اپنے ساتھ لکڑی کا ایک خوبصورت مسواک کا ٹکڑا لائے تھے جو ہشتہا پست تک ان کے خاندان میں چلتا رہا اور حضرت موسیٰؑ کے پاس پہنچ کر عصائے موسیٰؑ کہلایا۔ حضرت موسیٰؑ جب بھی اسے زمین پر ڈالتے، وہ سانپ بن کر رینگنے لگتا تھا۔

زمین پر آنے کے بعد حضرت آدمؑ تین سو سال تک گریہ و زاری میں مصروف رہے۔ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی نہریں جاری ہو گئیں۔ روایت ہے کہ اشکوں کی نہروں کے کنارے یا جن نہروں میں یہ اشک شامل ہوئے تھے، ان کے کنارے کنارے خرما، لونگ اور جاقفل پیدا ہوا۔

دوسری طرف حضرت حواؑ اپنی غلطی پر نادم اور شرمندہ تھیں۔۔۔۔۔ وہ جدہ میں دن رات آہ و بکا اور گریہ و زاری کرتی تھیں۔ چونکہ ان کی آنکھوں سے اشک ندامت ٹپکتے تھے اس لئے جب وہ قطرات۔۔۔۔۔ بحر قلزم میں شامل ہوتے تو شان خداوندی سے موتی بن جاتے۔ واللہ اعلم بالصواب!

۔۔۔۔۔ اور پھر حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ اپنے اپنے مستقر سے ایک دوسرے کی تلاش میں روانہ ہوئے حضرت آدمؑ نے کوہ نود کو خیر باد کہہ دیا اور حواؑ آدمؑ کی تلاش میں جدہ سے مکہ معلّمہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ اللہ بڑی بخشش کرنے والا اور خطائیں معاف کرنے والا ہے۔ آخر ان دونوں کی یہ گریہ و زاری نے دریائے رحمت کو موجزن ہونے پر مجبور کر دیا اور آدمؑ و حواؑ کی خطا معاف ہو گئی۔

حکم باری ہوتے ہی حضرت حواؑ اور حضرت آدمؑ ایک دوسرے کو ڈھونڈتے ہوئے عرب کے ایک مقام پر پہنچے۔ اس مقام پر پہنچ کر پہلے حضرت حواؑ کی نظر حضرت آدمؑ پر پڑی جو دور سے انہی کی طرف آتے دکھائی دے رہے تھے۔ جس مقام پر حضرت حواؑ نے حضرت آدمؑ کو پہچانا اور دوڑ کر ان کی طرف بڑھیں اس مقام کا نام ”مزلّفہ“ ہے۔۔۔۔۔ پھر جس جگہ حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ بے تابانہ اور خوشی سے مخمور ہو کر ایک دوسرے سے ملے، اس مقام کا نام ”عرفات“ ہے۔

سے لباس بنانے کا طریقہ سکھایا۔ بعض کے قول کے مطابق حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ دنیا میں درخت کے پتوں ہی سے سترپوشی کرتے تھے۔ کھال کا لباس حضرت آدمؑ کی بجائے اولاد آدمؑ کی ایجاد ہے۔

دنیا میں پہنچنے کے بعد سب سے پہلے حضرت حواؑ اور حضرت آدمؑ کو خانہ کعبہ کی تعمیر کا حکم دیا گیا۔ خانہ کعبہ، اللہ جل شانہ، کا دنیا میں پہلا گھر ہے۔ جس کی طرف منہ کر کے عالم اسلام نماز ادا کرتا ہے۔ چونکہ خانہ کعبہ کی پاکیزگی اور طہارت، خدا کو رذر اول ہی سے مقصود تھی۔ اس لئے۔۔۔۔۔ حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کو ایک دوسرے کی قربت سے دور رکھا گیا اور یہ سلسلہ تقریباً سو سال تک جاری رہا۔ خانہ کعبہ کی تعمیر میں حضرت جبرائیلؑ نے بھی حضرت آدمؑ کا ہاتھ بنایا اور جب کعبہ مبارک تیار ہو گیا تو حضرت حواؑ اور حضرت آدمؑ اس میں حاضر ہو کر سرسجود ہوئے اور اپنے گناہ پر اظہارِ ندامت کیا۔ خدا کا غیظ و غضب آہستہ آہستہ رحمتوں کے پردے میں چھپتا رہا اور دو سو سال کی عبادت اور استغفار کے بعد دنیا کے اس پہلے جوڑے کے گناہ معاف کر دیئے گئے۔

پھر خدائے بزرگ و برتر نے انہیں کب معاش کے طریقے تعلیم کئے۔ کیونکہ انہی طریقوں پر اولاد آدمؑ کو چلنا تھا۔ حضرت حواؑ کی شکل و صورت کے لئے حسین رفتیٰ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں یعنی حضرت حواؑ بہت خوبصورت اور جاذبِ نظر خاتون تھیں۔ آپ نہایت نیک، سادہ مزاج اور سخت محنتی عورت تھیں۔ حضرت حواؑ نے اپنے ہاتھ سے امور خانہ داری کے وہ تمام کام خود انجام دیئے جن کی ایک انسان اول کے لئے ضرورت تھی۔ آپ سوت کاتیں، کپڑا بناتیں تھیں حضرت حواؑ نے سب سے پہلے آٹا پیسا اور گوندھ کر روٹی پکائی۔ وہ حضرت آدمؑ کا ہاتھ بٹاتیں اور ان کے ہر کام میں عملی طور پر برابر کا حصہ لیتیں۔ عبادت و ریاضت اور شوہر کی اطاعت ان کا شعار تھا۔

شہاب الدین قلیوبی کی حکایات کتاب النور، میں مرقوم ہے کہ حضرت حواؑ اور حضرت آدمؑ نے شجر ممنوعہ کا پھل کھا کر دس ایسے نقصانات اٹھائے جن کی تلافی کسی

صورت ممکن نہیں ہو سکتی۔ ان میں سے ہر نقصان اپنی جگہ ایک بلائے بے درماں ہے۔

ان نقصانات میں سب سے بڑا نقصان عتاب الہی تھا۔۔۔۔۔ سورہ اعراف میں آیا ہے۔ ”کیا ہم نے تم دونوں کو اس درخت کا پھل کھانے سے منع نہیں کیا تھا اور جتنا نہیں دیا تھا کہ شیطان تمہارا صریح دشمن ہے۔“

دوسرا نقصان، لباس جنت کا جسموں سے گر جانا تھا۔ تیسرا نور فردوسی کا چھن جانا تھا۔ چوتھا، دونوں کا جنت سے نکالا جانا۔ پانچواں، سو سال تک فراق باہمی۔ چھٹا، گناہ پر دونوں کی ندامت۔ ساتواں، آدمؑ اور شیطان کی تاقیامت دشمنی۔ آٹھواں، اولاد آدمؑ کے نفس پر شیطان کا تسلط۔ نواں، اولاد مومنین کے لئے دنیا کا قیدخانہ ہو جانا اور دسواں، طلب معاش کی فکر اور تکلیف میں گرفتار ہونا۔

سو سال کا طویل عرصہ جو حضرت حواؑ اور حضرت آدمؑ نے ساتھ ساتھ رہتے ہوئے بھی الگ الگ گزارا وہ جذبات پر قابو رکھنے کی علیہم النظمیٰ مثال ہے۔ حضرت حواؑ نے وہ زمانہ نہایت صبر و سکون سے گزارا۔ وہ دن بھر دنیا کے کاموں میں حضرت آدمؑ کا ہاتھ بٹاتیں اور رات کی تنہائیوں کو ذکر الہی سے منور اور منزہ رکھتیں۔

شیطان مردود نے انہیں کئی بار درغلانے اور بہکانے کی کوشش کی مگر حضرت حواؑ کی استقامت کے سامنے اس کی ایک نہ چلی اور ہر بار اسے منہ کی کھانا پڑی۔ حضرت حواؑ راضی بہ رضا ہو کر زندگی گزارتی رہیں۔

آخر اللہ تعالیٰ نے انہیں نسل انسانی کی افزائش کا حکم فرمایا اور اولاد آدمؑ کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت حواؑ کے بطن سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ایک ساتھ پیدا ہوتے اور پھر جب دوسری بار اسی طرح لڑکا لڑکی پیدا ہوتے تو ان کا اور ان کا عقد کر دیا جاتا۔ جڑواں بہن سے بھائی کا عقد جائز نہ تھا۔ اسی طرح اولاد آدمؑ بڑھی اور پھلتی پھولتی رہی۔



شیطان مردود، اولاد آدمؑ کو پھلتا پھولتا دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتا اور بیچ تاب

کہتے ہیں کہ عشق اور مشک چھپا نہیں کرتے قاتیل کے عشق کا حال کسی طرح ہاتیل کو معلوم ہو گیا۔ اسے قاتیل پر سخت غصہ آیا۔۔۔۔۔ اقلیمہ پر اس کا حق تھا۔ وہ کیسے برداشت کر لیتا کہ قاتیل، اقلیمہ کو حاصل کر لے۔

اس کی بھنک شیطان کے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔ اس کے کان تو کوئی ایسی ہی بات سننے کے لئے ہر وقت اولاد آدم کی طرف لگے رہتے تھے۔۔۔۔۔ وہ فوراً ہی متین صورت بنائے قاتیل کے سامنے نمودار ہوا۔ قاتیل اپنے کام میں مشغول تھا اس نے ایک بزرگ صورت کو اپنے سامنے پایا تو کام چھوڑ دیا۔

شیطان بڑے غور سے قاتیل کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

”اے بزرگ! آپ مجھے اس قدر غور سے کیوں دیکھ رہے ہوں؟“ قاتیل نے پریشان ہو کر پوچھا۔

شیطان نے مکاری اختیار کی اور ایک سرو آہ بھر کر بولا۔ ”اے جوان! میں اپنے دل سے مجبور ہوں۔ خدا نے مجھے ایسا دل دیا ہے جو کسی کو مصیبت یا پریشانی میں نہیں دیکھ سکتا۔“

قاتیل کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ اس نے کہا ”بابا! اگر آپ کی مراد میری کسی پریشانی سے ہے تو یہ خیال خام ہے۔ میں بہت خوش ہوں۔ مجھے کسی طرح کی پریشانی نہیں۔“

”تو بھی ٹھیک کتا ہے، بیٹا!“ شیطان نے کہا۔ ”جوان بچے اپنی قوت ارادی کے زور پر اپنی دلی پریشانیاں دبائے لیتے ہیں لیکن جب یہ پریشانی بڑھ جاتی ہے اور تیرے کمان سے نکل جاتا ہے تو افسوس کرتے ہیں۔ تو اپنے دل کا حال مجھے نہیں بتانا چاہتا تو نہ بتا لیکن تیرا چہرہ صاف کہہ رہا ہے کہ تیرے دل کو ایسا روگ لگا ہے کہ اگر فوراً اس کا علاج نہ کیا گیا تو عمر بھر پچھتائے گا۔“

ایسی سحر انگیز باتوں کا قاتیل پر اثر تو ہوتا تھا۔ وہ اتنا متاثر ہوا کہ شیطان کا جادو اسکے سرچڑھ کر بولنے لگا۔ قاتیل نے کہا۔ ”اے بزرگ! آپ مجھے معاف فرمائیے۔ میں نے پہلے جو کہا وہ غلط تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے دل کا وہی حال ہے جس کا

کہتا اب تک تو اس کے دشمن صرف حضرت حوا اور حضرت آدم تھے۔۔۔۔۔ مگر اب اس کے دشمنوں کی تعداد اولاد آدم کے روپ میں دن بدن بڑھ رہی تھی۔

حضرت آدم اور حضرت حوا بہت محتاط زندگی گزار رہے تھے۔ وہ شیطان کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دیتے حضرت حوا اور زیادہ محتاط تھیں وہ پھونک پھونک کر قدم اٹھاتیں۔ انہیں معلوم تھا کہ اگر اب کوئی اور غلطی ہو گئی تو پھر نہ جانے کیا قیامت برپا ہوگی۔ وہ کسی شیطانی خیال یا وسوسے کو دل میں جگہ نہیں دیتی تھیں اور جس بات یا کام میں ذرا سا بھی شبہ یا خدا کی نافرمانی کا خیال پیدا ہوتا، اس سے فوراً دست کش ہو کر استغفار فرماتیں۔

شیطان نے دیکھا کہ حضرت حوا اور حضرت آدم پر اس کا کوئی واؤ نہیں چلتا تو اس نے ان دونوں کی طرف سے مایوس ہو کر اپنی پوری توجہ اولاد آدم کی طرف مبذول کر دی۔ وہ ہر دم اولاد آدم کے گرد چکر کاٹتا رہتا اور انہیں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کرتا لیکن حضرت حوا نے اپنے بچوں کو اچھی طرح پکا کر دیا تھا کہ وہ شیطان کے پھندے میں نہ پھنسیں۔

حضرت حوا اور حضرت آدم خوش تھے کہ انہوں نے شیطان کو شکست دے دی ہے اور اب وہ ان کے یا ان کی اولاد کو بھگانے سے معذور ہو گیا ہے۔۔۔۔۔ لیکن شیطان نے ہار نہ مانی تھی۔۔۔۔۔ پھر آخر شیطان کو کھل کھیلنے کا ایک موقع ہاتھ آ ہی گیا۔

حضرت بی بی حوا کے بطن سے ایک لڑکے اور لڑکی کی ولادت ہوئی۔ لڑکے کا نام قاتیل اور لڑکی کا نام اقلیمہ رکھا گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں جڑواں بہن بھائی تھے۔ اس لئے ان کا آپس میں عقد جائز نہ تھا۔ قاتیل کا ایک اور بھائی تھا، ہاتیل۔۔۔۔۔ وہ بھی جڑواں بہن کے ساتھ پیدا ہوا تھا۔ حکم خداوندی اور قاعدے اصول اور دستور کے مطابق قاتیل کی شادی، ہاتیل کی جڑواں بہن سے اور ہاتیل کی شادی، قاتیل کی جڑواں بہن اقلیمہ سے ہونی تھی۔۔۔۔۔ لیکن قاتیل کو اپنی جڑواں بہن اقلیمہ سے عشق ہو گیا اور وہ چپکے چپکے اس سے محبت کرنے لگا۔

پاس آیا اور بڑی نرمی سے پوچھا۔ ”اے بزرگ! تم کس مصیبت میں گرفتار ہو۔ میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔“

شیطان نے حسب عادت ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ ”اے بیٹے! تو نے میرا حال پوچھا۔ میں تیرا شکر گزار ہوں۔ میں نے تیری شرافت اور انسان دوستی کی جو تعریف سنی تھی تو اس سے بڑھ کر ہے۔ یہ تیری شرافت ہی ہے جو تو نے ایک اجنبی کو غم زدہ دیکھ کر دس قدم چلنے اور میرا حال پوچھنے کی ضرورت محسوس کی۔ لیکن میرے بیٹے میرا غم میرا نہیں بلکہ کسی اور کا ہے؟“

ہائیل نے اپنی تعریف سنی تو دل میں بہت خوش ہوا اور بولا۔ ”میرے بزرگ! غم کسی کا بھی ہو آخر غم ہی تو ہے۔ میں خود بھی غم زدہ ہوں اس لئے دوسرے کو افسردہ دیکھ کر میرا دل بھر آتا ہے۔ آپ غم بیان کریں، آپ سے ہر طرح کا تعاون کروں گا۔“

”اے ہائیل! اگر میں یہ کہوں کہ میرے دل پر تیری پریشانی کا بوجھ ہے تو تو کیا جواب دے گا۔“ شیطانی نے جال پھینکنا شروع کیا۔

”میں آپ کا شکر گزار ہوں۔“ ہائیل نے اوب سے کہا۔ ”لیکن آپ تو پہلے ہی کسی اور کے لئے پریشان ہیں۔ اپنا غم بیان کر کے آپ کے دل پر زیادہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔“

”ہائیل! تو بیان کرے یا نہ کرے۔۔۔۔۔“ شیطانی نے براہ راست حملہ کیا۔ ”لیکن تیرے چہرے نے تیرے دکھ کی پوری غمازی کر دی ہے۔۔۔۔۔ تیری سلیقہ مندی اور انسان دوستی ہی مجھے تیرے بھائی قاتیل کے پاس لے گئی تھی۔“

قاتیل کے نام پر ہائیل چونکا۔ شیطانی مصلحتاً ”خاموش ہو گیا۔ ہائیل نے ذرا دیر انتظار کیا پھر بڑی بے صبری سے پوچھا۔ ”آپ نے فرمایا ہے کہ آپ قاتیل بھائی کے پاس گئے تھے۔ اگر آپ کے اور قاتیل بھائی کے درمیان میرے بارے میں کوئی گفتگو ہوئی ہو تو مجھے اس سے آگاہ کریں تاکہ میرے دل کو سکون حاصل ہو جائے۔“

شیطان نے ایک چیخ ماری اور عورتوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ہائیل

اس کا یہ حال دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ اس نے شیطان مردود کو بڑی تسلیاں دے دے کر خاموش کرایا۔

”میں نے آپ سے ایک بات پوچھی تھی اور آپ رونے لگے۔ کیا میں یہ سمجھوں کہ آپ کو میری بات پر رونا آیا تھا؟“

شیطان نے بڑے تعجب سے ہائیل کو دیکھا اور کہا۔ ”اے ہائیل! اب تک تو مجھے شریف اور نیک دل سمجھتا تھا لیکن وہ تو کتنا متین زیرک اور عقلمند ہے۔۔۔۔۔ مگر بیٹے! میں کیا کروں۔ میں نے بہت سراما۔۔۔۔۔ سمجھاتے سمجھاتے تھک گیا مگر تیرا بھائی قاتیل میری ایک نہیں سنتا۔ وہ یہ نہیں سوچتا کہ تو بھی اس کا بھائی ہے۔۔۔۔۔ پھر اقلیم پر تیرا دینی اور دنیاوی دونوں طرح کا حق ہے۔۔۔۔۔ مگر اس کا تو بس ایک جواب ہے کہ اسے اقلیم سے محبت ہے اور محبت سب سے بڑا حق ہے وہ کم بخت یہ بھی نہیں سوچتا کہ اقلیم اس کی جڑواں بہن ہے اور اس سے عقد کسی طرح جائز نہیں۔ دراصل اسے اپنی طاقت پر گھمنڈ ہے۔ بات بات پر آنکھیں لال پیلی کرتا ہے۔ کتا ہے کہ میں اپنا حق طاقت سے حاصل کروں گا۔۔۔۔۔ میرا دل تو اسی بات پر دکھا ہے۔“

شیطان کے ظلم نے ہائیل کو پوری طرح گھیر لیا۔ وہ غصے سے آگ بگولہ ہو گیا اور کڑک کر بولا ”اگر اسے اپنی طاقت پر غور ہے تو میں اس سے کس بات میں کم ہوں۔ وہ میرے منہ لگے گا تو میں اینٹ کا جواب پتھر سے دوں گا۔“

شیطان کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور چلتے ہوئے بولا۔ ”بیٹے ہائیل! میں اسی لئے تمہارے پاس آیا تھا۔۔۔۔۔ قاتیل سے بات کرتے ہوئے ہوشیار رہنا۔ اس کے تیور مجھے کچھ ایسے معلوم نہیں ہوتے۔“

”آپ فکر نہ کریں۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے قاتیل کے ارادوں سے باخبر کر دیا۔ اب آنے دیجئے اسے ایسا مزہ چکھاؤں گا کہ عمر بھر یاد کرے گا۔“ یہ کہہ کر ہائیل نے شیطان کے ہاتھ پر بڑی عقیدت سے بوسہ دیا۔

”قاتیل آج ہی تم سے ملنے آئے گا۔ اب تم جانو اور تمہارا کام۔ میں نے اپنا

فرض ادا کر دیا۔“

----- اور پھر شیطان نے یہ فرض یوں ادا کیا کہ ابن آدمؑ آج تک اس کا شکار ہے۔ شیطان کی مکاری نے جو فتنہ پیدا کیا وہ اولاد آدمؑ کے لئے وبال جان ہے۔ شیطان کو گئے ہوئے ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ قاتیل کسی مست ہاتھی کی طرح جھومتا ہوا ہاتیل کے پاس پہنچا۔ اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ ہاتیل نے اسے آتے دیکھا تو وہ بھی ایک آہنی عزم لئے اس کی طرف بڑھا۔

قاتیل اور ہاتیل ایک دوسرے کے سامنے پہنچ کر رک گئے۔----- قاتیل نے ہاتیل کو یوں مخاطب کیا جیسے ایک آقا اپنے غلام سے مخاطب ہوتا ہے۔ اس نے کہا۔ ”ہاتیل! میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے حق سے دستبردار ہو جاؤ۔“

”یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔“ ہاتیل نے فوراً جواب دیا۔ ”اقلیما میری ہے۔ رسم دنیا، دستور اور حکم خداوندی سب کے سب میرا حق تسلیم کرتے ہیں۔“

”اور میرا حق، عشق اور محبت کا ہے۔ یہ حق تمام حقوق سے برتر اور عظیم ہے۔“ قاتیل کی آواز میں گرج پیدا ہو گئی۔

”قاتیل-----“ ہاتیل کو غصہ آ گیا۔ ”تجھے شرم نہیں آتی کہ میری شرعی سنگتیر کے ساتھ اپنی محبت کا رشتہ اتنی ڈھٹائی کے ساتھ جوڑ رہا ہے؟“

”ہاتیل-----“ قاتیل بھی گرجا۔ ”میری راہ سے ہٹ جا۔ اقلیما، میری ہے اور میری ہو کر رہے گی۔ مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔“

”قاتیل! کان کھول کر سن لے۔ میں اقلیما کی طرف اٹھنے والے ہاتھ اور بوہنے والے پاؤں توڑ کر رکھ دوں گا۔“

قاتیل تو فیصلہ کر کے آیا تھا۔ ہاتیل بھی پوری طرح تیار تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔----- وہ گھونسوں، لاتوں اور طمانچوں سے ایک دوسرے کو مار رہے تھے۔ زخمی ہو رہے تھے۔ وہ لڑتے لڑتے گر جاتے اور پھر اٹھ کر لڑنے لگتے۔ ان کے چہرے لہولہان ہو گئے۔ جسم پر خراشیں آ گئیں مگر دونوں میں سے کوئی بھی ہار ماننے کو تیار نہ تھا۔

کئی گھنٹوں کی لڑائی نے انہیں بے دم اور شدید زخمی کر دیا۔----- ہاتھ پیروں سے لڑنے کے ساتھ ساتھ اب انہوں نے پتھروں اور لکڑی کے ڈنڈوں کا بھی سہارا لے لیا تھا۔ لڑائی کو آخر ختم ہونا ہی تھا۔ ہاتیل اگرچہ کمزور نہیں تھا مگر قاتیل نے اسے گرا لیا اور پھر لکڑیوں اور پتھروں سے اتنا مارا کہ ہاتیل زخموں کی تاب نہ لا سکا اور جاں بحق ہو گیا۔

شیطان نے ایک فاتحانہ قہقہہ لگایا۔----- اس نے ابن آدمؑ کے درمیان فتنے کی بنیاد رکھ کر انہیں قتل و خون کا پہلا سبق پڑھا دیا تھا۔----- ہاتیل کا یہ پہلا قتل، آنے والے زمانوں کے کروڑوں قتلوں کا پیش خیمہ بن گیا۔----- اور جب تک یہ دنیا قائم ہے، قاتیل و ہاتیل کا یہ خونی ڈراما دہرایا جاتا رہے گا۔

ایک بیٹے کی دوسرے بیٹے کے ہاتھوں مارے جانے کی خبر جب حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کو ملی تو ان پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ حضرت حواؑ بیٹے کی لاش پر بچھاڑیں کھانے لگیں۔ اولاد کا یہ پہلا صدمہ ان کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ حضرت آدمؑ انہیں تسلیاں دیتے لیکن حضرت حواؑ کے آنسو تھمنے کا نام نہیں لیتے تھے۔

اولاد آدمؑ کے سامنے یہ پہلا قتل تھا۔ ہر شخص حیران اور ششدر تھا۔ حضرت آدمؑ کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ہاتیل کی لاش کو کیا کریں۔ کہاں پھینکیں۔ کہاں رکھیں؟

روایت ہے کہ اس وقت حکم خداوندی سے ایک کوا بچوں میں اپنے مردہ بچے کی نعش دبائے ہوئے فضاؤں سے زمین پر اترا اور ہاتیل کی لاش سے ذرا فاصلے پر آکر بیٹھ گیا اس نے اپنے مردہ بچے کو الگ رکھا اور کانیں کانیں کر کے سب کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

حضرت آدمؑ کو علم بلغ سے فوراً معلوم ہو گیا کہ یہ غیبی اشارہ ہے۔ انہوں نے سب لوگوں کو کوئے کی حرکات و سکنات دیکھنے کا حکم دیا۔ حضرت حواؑ بھی کوئے کی بے وقت آمد اور کانیں کانیں سے گھبرا کر اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

کوئے نے اپنے بچوں سے زمین کھودنا شروع کی اور ایک گڑھا بنا لیا۔----- پھر

لوکیاں بتید حیات تھیں۔ نواسوں اور پوتوں کو اگر اس میں شامل کیا جائے تو آپ کی وفات کے وقت ابن آدم کی تعداد چالیس ہزار ہو گئی تھی۔

حضرت شیث اس وقت پیدا ہوئے تھے جب حضرت حوا کی عمر دو سو سال تھی۔ آپ کے قد کی لمبائی معلوم نہیں ہو سکی لیکن آپ کی قبر ایک سو ہاتھ کی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا قدر سوا سو ڈیڑھ سو فٹ کے قریب تھا۔ حضرت حوا کو بھی جبل ابو قہیس کے غار میں، حضرت آدم کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

جس وقت طوفان نوح آیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے حضرت آدم اور حضرت حوا کی لاشیں نکالیں اور ایک مضبوط تابوت میں رکھ کر اپنی کشتی میں محفوظ کر لی تھیں۔ طوفان کے اختتام پر حضرت نوح نے اس تابوت کو پھر اسی مقام پر دفن کر دیا جان سے لاشیں نکالی گئی تھیں۔ جبل ابو قہیس کا غار، بیت المقدس میں ہے۔



اس نے اپنے مردہ بچے کو چونچ میں دبا کر اس گڑھے میں رکھ دیا اور اس گڑھے میں سے نکلی ہوئی مٹی ڈالنے لگا۔ اس طرح گڑھا بند ہو گیا پھر کوئے نے پر پھڑپھڑائے اور اڑ گیا۔

حضرت آدم نے یہ اشارہ پا کر ہاتیل کو اسی طرح قبر بنا کر دفن کر دیا۔ حضرت حوا نے دنیا کی لذتوں سے بڑی حد تک منہ موڑ لیا۔ ہاتیل کی موت نے ان کے اعضا مضطرب کر دیئے تھے۔

پھر تو اس قتل کے بعد، ابن آدم نے قتل و خون کو اپنا وطیرہ بنا لیا۔ وہ معمولی معمولی سی بات پر مشتعل ہو کر ایک دوسرے کو قتل کر دیتے اس سے حضرت حوا کا دل اور بھی ٹوٹ گیا۔

قتل ہاتیل کے بعد پچاس سال تک حضرت حوا کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ پھر حضرت شیث پیدا ہوئے تو والدین کا غم کچھ ہلکا ہوا۔ ایک روایت ہے کہ حضرت شیث اکیلے پیدا ہوئے تھے۔ لیکن ابن عباس کا قول ہے کہ حضرت شیث کے ساتھ ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی تھی۔

حضرت آدم اور حضرت حوا کی اولاد کی صحیح تعداد کا اب تک کسی کو علم نہ ہو سکا۔ حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار زبانوں کے بولنے اور سمجھنے کے علم سے سرفراز فرمایا۔ آپ پر اکیس صحیفہ آسمانی نازل ہوئے۔ آپ کا قد مبارک ایک سو اسی فٹ تھا اور آپ نے ہزار سال کی عمر پا کر اس دنیا سے کوچ کیا۔ حضرت آدم کو جبل ابو قہیس کے ایک غار میں دفن کیا گیا۔

حضرت حوا پیارے بیٹے ہاتیل کی موت اور اس کے بعد اولاد آدم میں فتنہ و فساد کے واقعات سے پہلے ہی سخت دل برداشتہ تھیں۔ اب شوہر نے ساتھ چھوڑا تو انہیں دنیا سے سخت نفرت ہو گئی۔ غموں نے انہیں ایسا گھلایا کہ حضرت آدم کی وفات کے بعد بہ مشکل ایک سال زندہ رہ سکیں اور اس طرح ام البشر، دنیا کی خاتون اول نے ۹۶ سال زندہ رہ کر اپنی جان، جان آفریں کے حوالے کر دی۔

حضرت حوا نے جس وقت وفات پائی۔ اس وقت ان کے اکیس لڑکے اور بیس

”ایک ہزار۔۔۔۔۔“ دوسری آواز بلند ہوئی۔

”نہیں۔۔۔۔۔“ مالک بن زغر منہ بنا کر بولا۔

حضرت یوسفؑ نے دل میں سوچا کہ مالک بن زغر انکار کر کے۔۔۔۔۔ غلطی کر رہا ہے۔ اس نے تو مجھے میرے بھائیوں سے صرف نو درہم میں خریدا ہے۔ اب اتنی زیادہ قیمت قبول کیوں نہیں کرتا۔

وہ سوچ ہی رہے تھے کہ جیسے ندائے ربی ان کے کانوں میں گونجی۔ ”اے یوسفؑ اس وقت کو یاد کر جب ایک دن تو نے آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر اپنے حسن و جمال پر غور کیا تھا اور اپنے آپ کو بہت قیمتی سمجھا تھا۔ اس فخر و غرور کا انجام ہوا کہ تو صرف نو درہم میں فروخت ہوا۔۔۔۔۔ آج تو نے عجز و انکسار سے کام لیا ہے اور اپنی قیمت کم سمجھی ہے۔ اب دیکھ تو کتنا قیمتی ہے اور تجھ پر کیا فضل و کرم ہوتا ہے۔“

”دس ہزار۔۔۔۔۔“ یہ تیسری بولی تھی۔

مالک بن زغر نے جھلا کر کہا۔ ”نہیں، نہیں۔ یہ حسن، یہ ذہانت، یہ حیا، یہ فرمانبرداری، دس ہزار میں نہیں بیچی جاسکتی۔ یہ قیمت تو اس کی ایک صفت و خوبی کی بھی نہیں۔“

ایک خریدار نے آگے بڑھ کر کہا۔ ”اے مالک بن زغر! پھر تو ہی اس لعل بے بہا کی قیمت بتا؟“

مالک بن زغر بولا۔ ”میں اس لعل بے بہا کی منہ مانگی قیمت لوں گا۔“

اسی وقت ہٹو بچو کی آوازیں بلند ہوئیں۔ مجمع پھٹ گیا اور ایک سن رسیدہ سوار جس کے چہرے سے جاہ و حشم نکلتا تھا، سامنے آیا۔ اس کے گھوڑے کو چاروں طرف سے زریں کمر غلام گھیرے ہوئے تھے۔ یہ مصر کا وزیر اعظم اور مختار کل تھا۔

مالک بن زغر نے بڑھ کر اس کا استقبال کیا اور دیبائے رومی کے فرش پر ایک پر تکلف اور زرنگار مسند پر لا کر اسے عزت و احترام سے بٹھایا۔ عزیز مصر نے حضرت یوسفؑ پر نظر ڈالی۔ حضرت یوسفؑ بھی اس مالدار خریدار کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ عزیز مصر نے کہا۔ ”اے ابن زغر! تو نے اس غلام کی اتنی تشہیر

دامن یوسف

بازار مصر میں کنیزوں کی خرید و فروخت جاری تھی۔ ایک دلال نے آواز لگائی۔ ”میں وہ غلام بیچتا ہوں جو حسن میں لاثانی، خوش خلقی اور دانائی میں یکتا اور فرمانبرداری و حیا میں بے نظیر ہے۔ ہے کوئی صاحب نظر جو اس کی قیمت لگائے؟“

بازار مصر میں بکنے والا یہ ایک دس سالہ بچہ تھا جو لباس فاخرہ پہنے، سر پر تاج زریں سجائے، ایک کرسی پر سر جھکائے خاموش بیٹھا ہوا تھا۔

بچہ اپنے دلال کی آواز پر چونکا اور قریب کھڑے ہوئے ایک دلال سے کہا۔ ”مالک سے کہو کہ وہ یوں آواز لگائے کہ میں وہ غلام بیچتا ہوں جو اپنی مظلومیت اور بے کسی میں بے نظیر ہے۔“

دلال نے یوسفؑ کو کوئی جواب نہ دیا اور ان کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا ہو گیا۔ یوسفؑ کے دلال مالک بن زغر کی آواز پھر سنائی دی۔ اس نے کہا۔ ”مصر میں کوئی صاحب دل اور اہل ثروت نہیں جو اس ہیرے کو خرید سکے۔“

”پچاس درہم۔۔۔۔۔“ کسی نے پہلی بولی دی۔

مہمان آیا ہے۔“
لوندی بھاگتی ہوئی آئی تھی۔ اس کی سانس پھول رہی تھی زلیخا کو ہنسی آگئی۔ اس نے کہا۔

”تو اس قدر گھبرا کیوں رہی ہے۔ میرے محل میں ہزار مہمان بھی آجائیں تو ان کی خاطر مدارات میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ تو ایک مہمان کی خبر سے اتنی پریشان کیوں ہو گئی؟“

”بی بی! چلئے تو۔“ لوندی اسی گھبراہٹ سے بولی۔ ”یہ ایک مہمان، ہزار مہمانوں پر بھاری ہے۔“

زلیخا اٹھتے ہوئے بولی۔ ”کوئی شہزادہ آگیا ہے کیا یا بادشاہ سلامت تشریف لائے ہیں؟“

لوندی ساتھ چلتے ہوئے بولی۔ ”شہزادے اور بادشاہ تو اس کے پیر کی دھوون بھی نہیں، بی بی! وہ تو فرشتہ ہے، ننھا فرشتہ، جیسے ابھی ابھی آسمان سے اترا ہو۔“
زلیخا کمرے سے نکل کر راہداری میں آئی۔ آکے دیکھا تو نظریں ٹھٹھک کر رہ گئیں۔ قدموں کو زمین نے پکڑ لیا۔ منہ حیرت سے کھل گیا۔

حسن کا ایک پیکر تھا کہ جمال کا شعلہ جو یوسفؑ کے چہرے سے اٹھا اور زلیخا کے پیکر کو خاکستر کرتا ہوا اس کے دل میں اتر گیا۔

آگے آگے حضرت یوسفؑ ان کے جلو میں دست بستہ لوندیاں اور غلام۔ عزیز مصران کے قدم سے قدم ملا کر چل رہے تھے۔ یہ ایک زر خرید غلام کی آمد تھی کہ کسی شہنشاہ کی سواری۔

لوندی نے آہستہ سے کہا۔ ”اے بی بی! ہوش میں آئیے عزیز مصر نے یہ غلام آپ کی خدمت کے لئے خرید لیا ہے۔“

زلیخا پہلی ہی نظر میں اپنا دل یوسفؑ پر نچھاور کر چکی تھی۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور دل ہی دل میں کہا۔ ”اس غلام کی غلامی مجھے حاصل ہو جائے تو یہ میری خوش قسمتی ہوگی۔“

ہمیں بھی اس کو دیکھنے کا شوق ہوا اور ہم بے چین ہو کر یہاں چلے آئے۔“
مالک بن زغر خوشامد سے بولا۔ ”اے نائب سلطنت! کیا میں نے غلط اعلان کرایا تھا۔ آپ نے اسے کیا پایا؟“

عزیز مصر نے مسکرا کر کہا۔ ”لاریب ابن زغر! تیرے ہاتھ لاجواب ہیرا لگا ہے۔ اب تک اس کی کیا قیمت لگ چکی؟“

مالک بن زغر غور سے اکر گیا۔ اس نے کہا۔ ”اے نائب سلطنت! اس کی قیمت کوئی کچھ بھی لگائے میں تو اس کی منہ مانگی قیمت مانگتا ہوں۔“
”ہم بھی تو سنیں، کیا قیمت مقرر کی ہے تو نے اس کی؟“ وزیر اعظم نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

”ایک ہزار بدرے۔“ مالک بن زغر نے بڑے فخر سے کہا۔ ”میں اس قیمت سے ایک درہم بھی کم نہ لوں گا۔“

بدرہ تھیلی کو کہتے ہیں جس میں ایک ہزار درہم ہوتے ہیں۔ اس طرح ابن زغر نے حضرت یوسفؑ کی دس لاکھ درہم قیمت مانگی تھی۔

عزیز مصر نے ایک لمحہ توقف کر کے کہا ”اے ابن زغر! بے شک یہ لعل اس قیمت میں بھی ارزاں ہے۔ ہم نے قبول کیا۔ بولی ختم کر۔ یہ حسین بچہ ہمارا ہوا۔“
مجمع پر سناٹا چھا گیا۔ خریداروں پر اس پر زخمی۔

روایت ہے کہ عزیز مصر نے وہی قیمت ادا کر کے حضرت یوسفؑ کو خرید لیا۔ شاید حضرت یوسفؑ کو بھی اس قیمت کا اندازہ نہ تھا۔ ندائے ربی حقیقت بن کر ان کے سامنے آگئی۔ ایک جہاندیدہ کہہ رہا تھا۔ ”یہ حسن ارضی نہیں یہ تو فرشتوں کا حسن ہے۔“

یعقوبؑ کی آنکھوں کا نور، کنعان کا ماہتاب، مصر کے افق پر چمکا بازار میں فروخت ہوا اور عزیز مصر کے محل میں پہنچ گیا۔ قصر عزیز میں بھگدڑ مچ گئی۔ لوندیاں، غلام ادھر ادھر بھاگنے لگے۔

ایک لوندی نے زلیخا کو اطلاع دی۔ ”اے بی بی! اٹھئے دیکھئے آپ کے گھر کون

سال کے اندر ہی عدم آباد کو سدھار گئیں۔ حضرت یوسفؑ پھر اپنے گھر آ گئے۔
حضرت یعقوب بیٹے کو پا کر نمال ہو گئے۔ ان کا التفات حضرت یوسفؑ کی طرف
بڑھا تو تمام بڑے بھائی ان کے خلاف ہو گئے اور انہیں راستے سے ہٹانے کی تدبیریں
کرنے لگے۔

ایک صبح نیند سے بیدار ہو کر حضرت یوسفؑ باپ کے پاس پہنچے۔ باپ نے
انہیں پریشان دیکھا تو کلیجہ دھڑکنے لگا۔ محبت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر پوچھا۔
”اے جان پدر! کیا بات ہے۔ یہ پھول جیسا چہرہ کھلایا ہوا کیوں ہے؟“
حضرت یوسفؑ بولے۔ ”ابا جان! رات مجھے ایک عجیب خواب نظر آیا ہے۔
اسی کی وجہ سے دل پریشان ہے۔“

حضرت یعقوب نے انہیں تسلی دی۔ گوہ میں بٹھایا اور کہا۔ ”جان پدر! خواب
سے پریشان نہیں ہوا کرتے۔ تم معصوم ہو اور تمہارا خواب بھی معصوم ہی ہو گا۔ ذرا
ہمیں بھی تو سناؤ اپنا خواب۔“

حضرت یوسفؑ نے کہا۔ (قرآن) ”اے ابا جان! میں نے خواب میں دیکھا ہے
کہ شب کو گیارہ ستاروں، سورج اور چاند نے مجھے سجدہ کیا۔“

حضرت یعقوب خواب سن کر سناٹے میں آ گئے۔ خواب کی تعبیر فوراً ان کے
ذہن میں آ گئی۔ حضرت یعقوب نے کہا۔ (قرآن) ”اے میرے بیٹے! مت بیان کر
خواب اپنے بھائیوں سے کیونکہ اس خواب کو سن کر وہ تیرے واسطے البتہ کچھ فریب
بنائیں گے اور شیطان، انسان کا کھلا دشمن ہے۔“

حضرت یعقوب کو معلوم تھا کہ اگر حضرت یوسفؑ نے اپنا خواب بھائیوں سے
بیان کیا تو وہ خواب کے اشاروں سے سمجھ جائیں گے کہ گیارہ ستاروں سے مراد
یوسفؑ کے گیارہ بھائی، اور چاند، سورج کا اشارہ ماں باپ کی طرف ہے۔

پھر حضرت یعقوبؑ نے خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے کہا۔ (قرآن) ”اور اسی طرح
نوازے گا تیرا رب اور بناوے گا تجھ کو ٹھیک اور درست یعنی تعبیر خوابوں کی اور پورا
کے گا اپنا انعام تجھ پر اور حضرت یعقوب پر جیسا کہ پورا کیا تیرے دو باپوں پر جو تجھ

حضرت یعقوبؑ کسی طرح رضامند نہ ہوئے۔ لیکن جب بہن نے بہت مجبور کیا تو
وہ اپنے نور نظر کو نظروں سے دور کرنے پر آمادہ ہو گئے اور بہن، حضرت یوسفؑ کو
لے کر روانہ ہوئیں اور حضرت یعقوبؑ کی حالت غیر ہونے لگی۔ نہ دن کو چیز نہ رات
کو قرار۔ آخر بہن کو کھلا بھیجا کہ یوسفؑ کے بغیر میری زندگی ویران ہو رہی ہے۔

بہن بھی اس چاند کے ٹکڑے کی محبت میں گرفتار تھیں۔ کھلا بھیجا کہ میں بھی
یوسفؑ کو جدا نہیں کر سکتی۔۔۔۔۔ پھر تدبیر یہ ٹھہری کہ یوسفؑ ایک ہفتہ پھوپھی کے گھر
اور ایک ہفتہ باپ کے گھر رہیں۔۔۔۔۔ لیکن وہ جو کہا ہے کہ ماں سے بڑھ کر چاہے
پھاپھا کتنی کھلائے۔ پھوپھی نے باپ سے زیادہ محبت جتائی۔ حضرت یوسفؑ نے ایک ہفتہ
پھوپھی کے گھر گزارا۔ واپسی کا دن آیا تو پھوپھی کے دل میں کھوٹ پڑ گئی۔ سوچا کہ
کوئی ایسی تدبیر کروں کہ یوسفؑ سدا میرے گھر رہیں۔

سوچتے سوچتے ایک ترکیب ذہن میں آئی۔ ان کے گھر میں باپ و اما کی میراث کا
وہ ازار بند رکھا تھا جس سے حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمعیلؑ کے ہاتھ پاؤں بوقت
قربانی باندھے تھے۔ پھوپھی نے جھٹ ازار بند نکالا اور چپکے سے حضرت یوسفؑ کی کمر
کے گرو لپیٹ دیا اور اس پر کرتہ پہنا کر انہیں رخصت کر دیا۔ حضرت یعقوب کے آدمی
جو یوسفؑ کو لینے آئے تھے خوشی خوشی اس لعل بے بہا کو لے کر چلے گئے۔

حضرت یوسفؑ گھر پہنچ کر باپ کے گلے ملے ہی تھے کہ پھوپھی مع چار آدمیوں کے
آؤ ہمیں اور الزام لگایا کہ ان کی میراث کا ازار بند حضرت یعقوب کے فرستادہ آدمی
چرا لائے ہیں۔ حضرت یعقوب گھبرا گئے۔۔۔۔۔ بہن نے آدمیوں کی تلاشی لی۔ ان کی
جامہ تلاشی تو محض ایک بہانہ تھا۔۔۔۔۔ ازار بند تو یوسفؑ کی کمر میں تھا۔ پھوپھی نے
جھنجھے کو چور بنا دیا۔

حضرت یعقوب ششدر رہ گئے۔ اس وقت شریعت کے مطابق چور کو مالک کا
غلام بنا دیا جاتا تھا۔ پس پھوپھی کی اس حیلہ سازی نے۔۔۔۔۔ حضرت یوسفؑ کو پھوپھی
کا غلام بنا دیا اور حضرت یعقوب ان کی فرقت میں آنسو بہانے لگے۔
پھوپھی کی یہ حیلہ سازی قدرت کو ناگوار گزری اور وہ اس گناہ کا بوجھ لئے دو

ہم خدا سے معافی مانگ لیں گے اور باپ کی خدمت کریں گے تاکہ ہمارا گناہ معاف ہو جائے۔

اس مشورے کے بعد حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے یوسفؑ کے ساتھ بہت زیادہ محبت اور التفات کا اظہار کرنا شروع کر دیا تاکہ یوسفؑ کا ان پر اعتماد بڑھتا ہو جائے اور اس کے دل میں کسی قسم کا شک و شبہ پیدا نہ ہونے پائے۔

کچھ دن بعد برادران یوسفؑ نے اپنے باپ سے کہا کہ ہم لوگ میدان میں کھیلنے جا رہے ہیں۔ آپ یوسفؑ کو ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دیں۔ حضرت یعقوبؑ کو اپنے بیٹوں پر اعتبار نہ تھا اور وہ جانتے تھے کہ یہ حضرت یوسفؑ سے حسد کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے صاف انکار کر دیا اور یوسفؑ کو ساتھ لے جانے کی اجازت نہ دی۔

باپ کی طرف سے نا امید ہونے کے بعد برادران یوسفؑ نے یوسفؑ کو بھلانا پھسلانا شروع کر دیا اور ان کے دل میں میدان کی سیر کا شوق پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بھائیوں نے یوسفؑ کو یہ بھی لالچ دیا کہ میدان کی سیر کرنے کے بعد بکریوں کا دودھ بھی پیئیں گے۔

حضرت یوسفؑ پھر بچہ ہی تھے۔ آخر بھائیوں کے برکانے میں آگئے اور ان کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئے۔ بھائیوں نے انہیں سمجھایا کہ باپ سے خود ہی اجازت حاصل کرو۔

حضرت یوسفؑ کے دل میں سیر کا شوق گھر کر گیا تھا اس لئے وہ باپ کے سر ہو گئے اور ضد کر کے اجازت حاصل کر لی۔ برادران یوسفؑ انہیں کنعان سے چھ کوس دور لے گئے اور اپنے منصوبے کے مطابق ان کے ہاتھ پیر باندھ کر ایک کنویں میں پھینک دیا۔ باندھنے سے پہلے بھائیوں نے یوسفؑ کے کپڑے بھی اتار لئے تھے۔ حضرت یوسفؑ بہت روئے پیٹے دہائی دی لیکن برادران یوسفؑ کو رحم نہ آیا اور انہیں کنویں میں پھینک کر چلے گئے۔

مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اسی وقت ادھر سے ایک قافلہ گزرا جس نے اسی کنویں کے پاس قیام کیا۔ اس قافلے کا مالک مالک بن

سے پہلے تھے یعنی وہ دادے۔۔۔۔۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ اور البتہ تیرا رب بہت خبر والا ہے اور حکمت والا ہے۔

حضرت یعقوبؑ نے بہت احتیاط کی کہ یوسفؑ کا خواب اور اس کی تعبیر ان کے دوسرے بھائیوں کو نہ معلوم ہو لیکن انہیں کسی نہ کسی طرح اس کی خبر ہو گئی اور وہ حضرت یوسفؑ سے اور زیادہ حسد کرنے لگے۔

پھر حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے کہا۔ (قرآن) ”اور جب کہنے لگے ان کے بھائی، البتہ یوسفؑ اور اس کا بھائی بیامین زیادہ پیارا ہے، باپ کو، ہم سے۔۔۔۔۔ اور کہنے لگے کہ ہم لوگ قوت والے ہیں اور ہمارا باپ اپنی اولاد کے بارے میں صریح غلطی پر ہے۔“

برادران یوسفؑ دیر تک اس مسئلے پر صلاح مشورے کرتے رہے ان کا کہنا تھا کہ وقت پڑنے پر تو ہم اپنے باپ کے کام آتے ہیں کیونکہ ہم بڑے اور طاقتور ہیں لیکن باپ کو محبت ہمارے بجائے یوسفؑ جیسے کمزور بچے (حضرت یوسفؑ کی عمر اس وقت تقریباً دس سال تھی) اور اس شیر خوار۔۔۔۔۔ بھائی بیامین سے ہے۔

بہت بحث و مباحثہ کے بعد بھائیوں نے آپس میں صلاح کی۔ (قرآن) ”پس یوسفؑ کو کسی طرح مار ڈالو یا کسی ایسی جگہ پھینک دو جہاں سے وہ نہ آسکے۔ وہ کسی دوسرے ملک میں اکیلا رہے تاکہ والد محترم کی پوری توجہ تمہاری طرف رہے۔“

لیکن ایک بھائی نے اس کی مخالفت کی۔ اس نے کہا (قرآن) ”ایک بولا بولنے والا کہ مت مارو یوسفؑ کو اور پھینک دو اس کو ایک گمنام کنوئیں میں کہ اٹھالے جائے، اس کو کوئی مسافر۔“

حضرت یوسفؑ کے تمام بھائیوں میں یہود اور شمعون بہت بااثر تھے اور دوسرے بھائی ان کی فرمانبرداری کرتے تھے۔ یہود نے حضرت یوسفؑ کے قتل کرنے کی مخالفت کی تھی اور کہا تھا کہ قتل بڑا گناہ ہے جس کی معافی نہیں ہوگی۔ اگر یوسفؑ کو قتل کرنے کے بجائے کنویں میں ڈال دیا جائے تو مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ اپنی اس غلطی کی

ہوں۔ اس تکلیف سے مجھے نجات دلا۔“

روایت ہے کہ حضرت یوسفؑ کی یہ فریاد درگاہ ایزدی میں مستجاب ہوئی اور ایک لکھ ابر، مگر جتا، چمکتا نمودار ہوا بادل کے اس ٹکڑے میں اتنی گھن گرج تھی کہ قافلے والوں کے دل دہل گئے۔ پھر ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ ہر طرف جل تھل ہو گیا۔ بجلی کڑک کڑک کر قافلے والوں کی طرف لپکتی۔ قافلے والوں میں داویلا مچ گیا۔ لوگ پکارنے لگے کہ ضرور کسی نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے یا کسی پر ظلم ڈھایا ہے۔ وہ ایک دوسرے سے پوچھتے پھرتے کہ کس نے کس پر ظلم کیا ہے۔ کون گناہ کا مرتکب ہوا۔ انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ بجلی لپکتی ہوئی، اس کے سر پر آتی ہے اور لوٹ جاتی ہے وہ خوف و دہشت سے کانپ رہا تھا۔ وہ قافلے والوں کو دیکھ کر چلایا۔ ”مجھے بچاؤ میں گنہگار ہوں ظالم ہوں۔ میں نے ایک بچے کو طمانچہ مارا ہے۔“

پھر وہ قافلے والوں کو ساتھ لے کر حضرت یوسفؑ کے پاس آیا۔ ایک اونٹ حضرت یوسفؑ پر سائباں بنائے کھڑا تھا۔ وہ ظالم حضرت یوسفؑ کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گیا اور گزرگرا کر معافی مانگنے لگا۔ قافلے والے بھی حضرت یوسفؑ سے رو کر معافی مانگتے تھے۔

حضرت یوسفؑ کو ان پر ترس آ گیا۔ آپ نے بارگاہ الہی میں ان کے لئے دعا فرمائی۔ ان کی یہ دعا بھی قبول ہوئی۔ فوراً ہی مطلع صاف ہو گیا۔ اب نہ بجلی تھی نہ بادل۔ کھلا ہوا نیلا آسمان ان کے سروں پر تن گیا۔

اس قافلے کے مصر پہنچنے سے پہلے ہی حضرت یوسفؑ کے حسن کا چرچا پورے مصر میں پھیل گیا تھا۔ ہر ایک انہیں دیکھنے کے لئے بے چین تھا۔ جب مالک بن زغرؑ حضرت یوسفؑ کو لے کر مصر میں داخل ہوا تو انہیں دیکھنے کے لئے خلعت ٹوٹ پڑی۔ کیا عورت کیا مو کیا بوڑھا کیا بچہ جو حضرت یوسفؑ کو دیکھتا صانع قدرت کی تعریف کرتا۔ تمام مصر کیا تمام عالم میں اس حسن کا جواب نہ تھا۔

برادران یوسفؑ اپنے بے گناہ اور بے قصور بھائی کو مالک بن زغر کے ہاتھ بیچ کر گھر کی طرف چلے تو اس بات سے فکر مند تھے کہ باپ کو کیا جواب دیں گے۔ چلتے چلتے

زغر تھا جو مصر جا رہا تھا اور راستہ بھول کر ادھر نکل آیا تھا۔

اس کے ایک نوکر نے پانی کے لئے کنویں میں ڈول ڈالا تو ڈول میں پانی بجائے حضرت یوسفؑ بیٹھ کر اوپر آ گئے۔ نوکر اس بچے کا حسن دیکھ کر حیران رہ گیا اس نے مالک کو خبر کی۔ مالک بن زغر بھاگا ہوا آیا۔ وہ بھی بچے کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ براور ان یوسفؑ دور چھپے کھڑے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ وہ بھاگ کر کنویں پاس آئے اور کہا کہ یہ ان کا غلام ہے جو بھاگ آیا ہے۔ مالک حضرت یوسفؑ کو واپس کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ آخر براور ان یوسفؑ نے صرف نو درہم میں اپنے بھائی کو مالک بن زغر بروہ فروش کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ جیسا کہ حق سبحانہ نے فرمایا ہے۔ ”اور بیچ آئے“ اس کو ناقص مول میں (یعنی کنتی کی چونیوں میں) اور وہ یوسفؑ سے بیزار ہو رہے تھے۔“

برادران یوسفؑ نے مالک بن زغر کو قبائلہ لکھ کر دے دیا کہ انہوں نے یوسفؑ اٹھارہ درہم مصری جو کہ نو درہم کنعانی کے برابر ہوتے ہیں، کے عوض فروخت کیا ہے۔ قبائلہ پر قافلے کے معتبر لوگوں کی گواہی شہادت بھی لکھی گئی۔ ہر طرف سے اطمینان ہو جانے کے بعد مالک بن زغر نے یوسفؑ کے پیروں میں بیڑیاں ڈال دیں اور موٹا پشیمہ اوپر سے اوڑھا کر انہیں اونٹ پر سوار کر دیا۔

اس وقت کی حضرت یوسفؑ کی آہ و زاری اور برادران یوسفؑ کی سنگدلی کا اگر نقشہ کھینچا جائے تو دفتر کے دفتر بھر جائیں۔ حضرت یوسفؑ۔۔۔۔۔ دہاڑیں مار مار کر روتے تھے لیکن ظالم بھائیوں کو ذرا بھی رحم نہ آیا۔ قافلہ وہاں سے چل پڑا۔ راستے میں بی بی راحیل، مادر یوسفؑ کی قبر پڑتی تھی۔ حضرت یوسفؑ قبر دیکھ کر اور بے چین ہو گئے۔ اونٹ روک کر اترے اور قبر سے لپٹ کر چیخیں مارنے لگے۔ قافلے کے ایک آدمی کی نظر ان پر پڑ گئی۔ وہ دوڑ کر قریب آیا اور اتنے زور کا طمانچہ مارا کہ آپ کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔

آپ نے بڑی بے کسی کے عالم میں آسمان کی طرف دیکھا اور عرض کیا۔ ”اے خدا! ان ظالموں کے ہاتھوں سے مجھے محفوظ رکھ۔ تو جانتا ہے کہ میں بے قصور

وہ سب ایک جگہ ٹھہر گئے اور مشورہ کرنے لگے۔ آخر ایک بھائی نے کہا۔

”جو کچھ ہوتا تھا وہ تو ہو چکا۔ اب پچھتانے اور پریشان ہونے سے کیا فائدہ۔ ہمارے پاس یوسفؑ کا کرتہ موجود ہے اسے بکری کے خون میں بھگو کر پیش کر دیں گے کہ یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا۔“

اس رائے سے سب نے اتفاق کیا۔ ایک بکری ذبح کی اور پیراہن یوسفؑ کو اس میں ڈبو کر روتے پینٹے باپ کے پاس پہنچے۔

قرآن حکیم میں فرمایا گیا۔ ”اور آئے اپنے باپ کے پاس“ اندھیرا ہونے پر۔۔۔۔۔ اور بہت ہی روتے ہوئے سب کے سب اور نہایت ہی عاجزی سے کہنے لگے اے میرے باپ! کہ ہم سب دوڑنے لگے۔ ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش میں لگ گئے اور یوسفؑ کو سامان کے پاس چھوڑ دیا اور ہم لوگ ان کی طرف سے کچھ دیر غفلت میں پڑ گئے۔ اتنے میں کوئی بھیڑیا ان کی طرف آ نکلا اور یوسفؑ کو بچہ سمجھ کر حملہ کیا اور کھا گیا۔۔۔۔۔ اور ہم لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ آپ ہمارے کئے ہوئے کو باور نہیں کریں گے اگرچہ ہم سب سچ کہہ رہے ہیں۔“

حضرت یعقوبؑ کا اس وقت کیا حال ہوا، اس کے بیان کرنے کے لئے قلم میں طاقت نہیں۔ وہ بیٹا جسے وہ جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔۔۔۔۔ ایک لمحے کو آنکھوں سے ادھل نہ ہونے دیتے تھے اس کے مرنے کی خبر انہیں سنائی گئی۔ ان کی دنیا اندھیر ہو گئی۔ کلیجہ شق ہو گیا، آنکھوں سے سیلاب اشک رواں ہو گیا۔ ایک ایک کا منہ دیکھتے اور کہتے کہ ہائے، میں نے کیا کیا، ان کے ساتھ اپنے لخت جگر کو کیوں بھیجا۔ نہ میں اسے جانے کی اجازت دیتا نہ آج یہ روز دیکھنا پڑتا۔ آپ یوسفؑ کے پراہن کو بار بار آنکھوں سے لگاتے اور زار زار روتے تھے۔ انہیں کسی طرح یقین نہ آتا تھا کہ ان کا یوسفؑ ان سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا۔

کہتے ہیں کہ یعقوبؑ کو بیٹوں کی بات کا یقین نہ آیا۔ انہوں نے پیراہن یوسفؑ کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پیراہن صرف خون آلود تھا۔ کہیں سے نچا، کھچا یا پھٹا ہوا نہ تھا۔ اس سے انہیں اور شبہ پیدا ہوا انہوں نے پیراہن یوسفؑ کو سونگھا اور بیٹوں سے

فرمایا۔

(قرآن) ”اور کہا حضرت یعقوبؑ نے کہ کوئی بھی ٹھیک بات تم نے ہم کو نہیں بتائی جس پر تمہارے دل خود گواہ ہیں۔ لہذا میں صبر جمیل اور اللہ تعالیٰ کی مدد مانگتا ہوں۔ اس بات پر جو تم مجھے آکر بتاتے ہو۔“

بیٹوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ ”ابا جان! جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس میں ذرہ بھر جھوٹ نہیں ہے۔“

حضرت یعقوبؑ نے فرمایا۔ ”میں یوسفؑ کے پسینے کی خوشبو سے واقف ہوں۔۔۔۔۔ پھر اسکے اور اپنے خون کی خوشبو کیوں نہ جانوں۔ اس پیراہن سے یوسفؑ کے خون کی خوشبو نہیں آتی۔ تم لوگ ضرور غلط بیانی کر رہے ہو۔“

ردایت ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں سے کہا۔ ”اگر تم سچے ہو تو اس بھیڑیے کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ جو یوسفؑ کو کھا گیا ہے؟“

بھائیوں نے اس کی حامی بھری اور صبح کو جنگل میں جا کر۔۔۔۔۔ ایک بھیڑیا کسی نہ کسی طرح پکڑ لائے۔ حضرت یعقوبؑ کے سامنے پیش کرنے سے قبل برادران یوسفؑ نے بھیڑیے کے منہ پر بھی بکری کا خون لگا دیا تھا۔

حضرت یعقوبؑ نبی خدا تھے اور معجزات کے حامل تھے۔ انہوں نے بھیڑیے سے پوچھا۔ ”اے مخلوق خدا! تجھے میرے یوسفؑ سے کیا دشمنی تھی کیا عداوت تھی۔ تو نے میرے بڑھاپے پر بھی رحم نہ کیا اور میری زندگی کا سراپہ مجھ سے چھین لیا؟“

بھیڑیے نے حکم خداوندی سے جواب دیا۔ ”اے نبی خدا! مجھ میں کیا ہمت اور کی مجال کہ حضرت یوسفؑ کی طرف نگاہ بھی اٹھا سکوں۔۔۔۔۔ یوں بھی انبیاء اور صلحا کا گوشت پوست ہم درندوں پر حرام ہے۔ میں تو خود مصیبت کا مارا تین دن سے بھوکا پیاسا اپنے گمشدہ بھائی کی تلاش میں بھٹکتا پھر رہا ہوں۔ آپ کے بیٹے تو زہرستی مجھے پکڑ لائے ہیں اور میرے منہ پر بکری کا خون لگا دیا ہے۔“

اب تو حضرت یعقوبؑ کو پورا پورا یقین ہو گیا کہ ان کے بیٹوں نے ان کے ساتھ فریب کیا ہے اور یوسفؑ کو مار کر کہیں پھینک دیا ہے یا ایسا غائب کیا ہے کہ اس کی خبر

ملنا مشکل ہے۔ لیکن سوائے صبر کے اور چارہ بھی کیا تھا۔ انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ ان کا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا اور بیٹے کا غم لئے ایک کونے میں جا بیٹھے اور یاد خدا میں مشغول ہو گئے۔

○

قبیلہ راسیل کی بیوی زلیخا بڑی صاحب جمال خاتون تھیں۔ مصر کی حسین ترین عورتوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ان کے باپ، شاہ طموس بیان کئے گئے ہیں۔ زلیخا کے شوہر کا نام قطمیر تھا۔ یہ شہر غازن ملک مصر کے نامی گرامی دزیر تھے۔ تاریخ مصر میں یہ عزیز مصر کے نام سے مشہور ہوئے۔ جس زمانے کا یہ قصہ ہے اس وقت مصر کا بادشاہ ریان ابن الولید تھا اور عزیز مصر اسی کے وزیر بادبیر تھے۔

جس وقت عزیز مصر نے حضرت یوسفؑ کو زلیخا کے حوالے کیا تھا تو کہا تھا۔

(قرآن) ”اور کہا جس نے خرید کیا اس کو مصر سے اپنی عورت کو آبرو سے رکھ اس کو شاید یہ ہمارے کام آوے یا اس کو ہم اپنا بیٹا بنالیں۔“

بی بی زلیخا نے حضرت یوسفؑ کے حسن کا چرچا پہلے ہی سن رکھا تھا کیونکہ ان کی خوبصورتی اور جمال جہاں آرا کی خبریں، ان کے مصر پہنچنے سے پہلے ہی پہنچ چکی تھیں لیکن اثراتی خبروں اور افواہوں پر انہوں نے پہلے دھیان نہ دیا۔ ہاں ان کو دیکھنے کی آرزو دل میں ضرور پیدا ہو چکی تھی۔

اب جو حضرت یوسفؑ کو اپنے سامنے پایا تو دل کے ہاتھوں مجبور ہو گئیں۔ عقل و خرد کو بالائے طاق رکھا اور محبت بیک نظر کا شکار ہو گئیں۔ شوہر نے فرزند بنانے کا خیال ظاہر کیا تھا مگر یہ حضرت یوسفؑ کو اپنے دل کا مالک بنا بیٹھیں۔

اب حضرت یوسفؑ تھے اور زلیخا کی بے تابیاں تھیں زلیخا ان کی پھول کے مانند نگہداشت کرتیں۔ محل میں صد ہا لونڈیاں اور غلام موجود تھے مگر کسی کو یوسفؑ کے پاس نہ پھٹکنے دیتیں۔ خود ہی نہلاتیں، دھلاتیں، لباس تبدیل کراتیں، سنوارتیں۔ لباس تو اتنا قیمتی پہنا تیں کہ شاید شہزادوں کو بھی نصیب نہ ہو۔ زلیخا نے یوسفؑ کے لئے ایک مرصع زریں تاج بنوایا تھا جو حضرت یوسفؑ ہر وقت پہنے رہتے۔ کہنے کو تو وہ

زر خرید غلام تھے لیکن ان کی حکومت پورے محل پر تھی۔ وہ ہاتھ میں ایک طلائی عصا لئے محل بھر میں کھیلتے پھرتے۔

حضرت یوسفؑ کو زلیخا کے محل میں رہتے ہوئے اسی طرح سات سال گزر گئے اور یہ ہلال کنعانی، ماہ کنعان بن گیا۔ جوں جوں حضرت یوسفؑ جوانی کی میڑھیوں پر قدم رکھتے، زلیخا کی آرزوؤں اور تمنائوں پر بھی شباب آتا گیا۔ ایک طرف اضطراب دوسری طرف اجتناب، ایک دل محبت سے لبریز دوسرا دل سراپا گریز۔ زلیخا نے پہلے اشاروں کنایوں کا سارا لیا پھر مدعائے دل حروف و الفاظ میں ڈھل گیا۔ زلیخا حضرت یوسفؑ کو طرح طرح کی ترکیبوں سے گھیرتی اور وہ مچھلی کی طرح پھسل کر اس کے جال سے نکل جاتے۔

زلیخا نے پہلے سوچا تھا کہ یوسفؑ کا عہد طفلی ہے۔ شباب میں قدم رکھیں گے تو ضرور ڈگدگائیں گے مگر یوسفؑ طفلی اور جوانی دونوں ہی میں ثابت قدم رہے۔ زلیخا کا کوئی زور نہ چلا۔ وہ اپنے مقصد میں ناکام ہوئی تو دل کو دھچکا سا لگا۔ اداس اداس رہنے لگی۔ ہر دم نڈھال، چہرہ اترا ہوا، رنگ زرد زرد۔ حضرت یوسفؑ زلیخا کو دیکھتے مگر ان کے پاس اس کا علاج نہ تھا اور اگر علاج تھا تو وہ ان کی حرمت اور تقدس کی موت تھی۔

زلیخا کے پڑوس میں ایک بڑی بی رہتی تھیں۔ زلیخا کے محل میں ان کا آنا جانا تھا لیکن وہ ہوا کے جھوکے کی طرح آتیں اور چلی جاتیں۔ انہیں کیا خبر کہ زلیخا کے محل میں کیا قیامت کروٹیں لے رہی ہے۔ زلیخا نے تو یوسفؑ کو سات پردوں میں چھپا رکھا تھا۔ کسی کو کان کان خبر نہ ہونے دیتی تھی۔

ایک دن بڑی بی محل میں آئیں۔ زلیخا کو دیکھا تو دنگ رہ گئیں۔ نہ پہلے جیسا رنگ و روپ، نہ جوانی کی انکھیلیاں، بجھی بجھی، پیلی رنگت بے سدھ بستر میں پڑی تھی۔

بڑی بی پانچ بیٹھیں اور پیر دباتے ہوئے بولیں۔ ”اے صدقے جاؤں چندا کے۔ کیا ہوا میری بچی کو۔ نہ کنگھا، نہ چوٹی، سر جھاڑ، منہ پھاڑ۔ کیا حال بنا رکھا ہے اپنا؟“

زلیخا نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔ ”کیا بتاؤں اماں۔۔۔ عجب مصیبت
 ٹوٹی ہے مجھ پر سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں؟“

بڑی بی بی بگڑ کر بولیں۔ ”اے ہے۔ ہوا کیا۔ میری بیٹی کو۔ کس نے میری بیٹی کا
 دل دکھایا ہے۔ میں کلیجہ نہ فوج لوں۔ اس کا۔“

زلیخا نے جلدی سے بڑی بی بی کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”نہ اماں۔۔۔ اے ز
 کو سو۔ وہ کئے تو میں اپنا کلیجہ نکال کر رکھ دوں۔“

بڑی بی بی زلیخا کے قریب کھٹکتے ہوئے بولیں۔ ”ہوں۔ تو میں جانوں یہ دل کا روگ
 لگا ہے میری بیٹی کو۔ کون ہے وہ خوش قسمت جس کی نظریں اتنے اونچے محل پر
 پڑیں؟“

”ایک عبرانی غلام ہے اماں!“ زلیخا افسردگی سے بولی۔ ”سات سال سے اس کی
 غلامی کر رہی ہوں مگر وہ ہے کہ سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتا۔“

”کیا کہا بیٹی! وہ عبرانی غلام ہے“ بڑی بی بی نے حیرت سے پوچھا۔ ”غلام کی اتنی
 ہمت؟“

زلیخا نے پھر سسکی بھری اور کہا۔ ”اماں! وہ ہے تو غلام مگر جو اسے دیکھے اسکی
 غلامی کی آرزو کرے۔ میں تو خوشامد کرتے کرتے تھک ہار گئی مگر وہ ہے کہ لٹ سے
 مس نہیں ہوتا۔ میری جوانی تو رو رو کر کٹ رہی ہے۔“

”عجیب مرو زاد ہے“ بڑی بی بی کو تعجب ہوا۔ ”مرو تو عورت کو دیکھتے ہی ریشہ خطنی
 ہو جاتا ہے میں تو کموں۔ اس کے دل میں ضرور کوئی کھوٹ ہے۔ کہیں اور دل لگا ہو گا
 ورنہ میری چندا کا جادو تو سرچڑھ کے بولتا ہے۔“

زلیخا نے بڑی بی بی کو اتنا ہمدرد پایا تو اس کے آنے سے اب تک کی تمام رام کہانی
 کہہ سنائی۔

بڑھیا بڑی مرگ باراں دیدہ تھی۔ تمام اونچ نیچ پر غور کرنے کے بعد بولی۔ ”نکر
 نہ کر بیٹی! میں بھی اسے ایسی مار دوں گی کہ اگر تیرے آگے ہاتھ نہ جوڑے تو نام بدل
 دیتا۔“

زلیخا کو ذرا ڈھارس ہوئی تو خوشامد کرنے لگی۔ ”اماں! میرا یہ کام ہو جائے تو
 تمہارا منہ موتیوں سے بھر دوں گی۔ تمام عمر احسان نہ بھولوں گی تمہارا بس ایسی ترکیب
 ہو کہ اس کا سارا غرور ٹوٹ کر رہ جائے۔“

”کام تو ہو جائے گا لیکن۔۔۔۔۔“ بڑی بی بی سوچتے ہوئے بولیں۔
 ”لیکن کیا اماں؟“ زلیخا نے جلدی سے پوچھا۔ ”میں تمہاری ہر شرط پوری کر دوں
 گی۔“

”نہ بیٹی یہ کیا کہا تم نے؟“ بڑی بی بی بولیں۔ ”تم کوئی غیر تھوڑی ہو۔ کام تو ہو کر
 رہے گا بس ذرا سا خرچ زیادہ ہے۔“

زلیخا نے جھٹ خزانے کی کنجیاں بڑی بی بی کے آگے ڈال دیں۔ ”جس قدر رقم کی
 ضرورت ہو اس میں سے لے لو۔ اگر اور ضرورت ہو تو اس کا بھی انتظام کر دوں
 گی۔“

پس بڑی بی بی کی زیر ہدایت ایک نگار خانہ تیار ہونا شروع ہوا۔ مصر کے تمام ماہر
 تعمیرات نے اس کی تکمیل میں حصہ لیا۔ اس کا نقشہ ایک ہفت خانے کے طرز پر بنا
 تھا۔ جب یہ بن کر تیار ہوا تو دیکھنے والوں نے حیرت سے دانتوں میں انگلیاں دبائیں۔
 بڑی بی بی اور زلیخا نے اس کی آرائش و زیبائش میں اپنے دماغ کی بہترین صلاحیتیں
 صرف کر دیں۔ دبا، حریر، زربفت، نقش، مکمل، مرصع کیا کیا نفائیس اور نزاکتیں،
 اس کی سجاوٹ میں استعمال نہ کی گئی تھیں۔ ہفت خانے کے اندر ہی اندر سات کمرے
 بنائے گئے تھے۔ ہر کمرے کی زیبائش نئے طرز کی تھی۔ ہر کمرے کو دیکھ کر بے ساختہ
 سبحان اللہ، سبحان اللہ زبان پر آ جاتا تھا۔ سب سے آخری کمرے کے درمیان ایک
 شاہی مسند لگائی گئی تھی۔ غرض یہ کہ اس ہفت خانے کو دیکھ کر دل کو فرحت حاصل
 ہوتی اور آنکھوں میں سرور آ جاتا۔

ہفت خانے کی آرائش کے آخری مرحلے کو سب سے پوشیدہ رکھا گیا تھا۔ اس
 موقع پر سوائے زلیخا اور بڑی بی بی کے ہفت خانے میں اور کوئی نہ تھا۔ اب بڑی بی بی نے
 ان صندوقوں کو کھولا جو خاص طور پر اس ہفت خانے کے لئے منگوائے گئے تھے۔ ان

صندوقوں میں تصویریں ہی تصویریں بھری تھیں۔ یہ تمام تصویریں زلیخا اور حضرت یوسفؑ کی تھیں۔ تمام تصاویر مصور کا نادر نمونہ تھیں اور رقم کثیر خرچ کر کے تیار کرائی گئی تھیں۔

کچھ تصویروں میں زلیخا اور یوسفؑ کو ایک ساتھ دکھایا گیا تھا اور کچھ تصویریں الگ الگ تھیں جنہیں باہم کر کے ایک ساتھ دیواروں پر آویزاں کیا گیا تھا۔ تصویریں اس قدر کثیر تعداد تھیں کہ ساتوں کمروں کی دیواریں ان سے بھر گئیں۔ ان تصویروں کی خاص بات یہ تھی کہ حیا دار دیکھے تو شرم سے گردن جھکا لے اور بے حیا کی نظریں پڑیں تو دیکھتا ہی رہے۔

حضرت یوسفؑ ان تمام باتوں سے بے خبر تھے۔ ان کے دن رات عبادت الہی میں گزرتے تھے اور ہر وقت وہ خدا سے دعا کرتے تھے کہ انہیں شیطان کے شر سے محفوظ رکھے۔ جب ہفت خانہ جو دراصل ایک مہکتا لہکتا عشرت کدہ بن گیا تھا ہر طرح سے مکمل ہو گیا تو ایک دن زلیخا نے حضرت یوسفؑ کو اس نئی عمارت کی سیر کی دعوت دی۔ حضرت یوسفؑ کو یہ تو معلوم تھا کہ زلیخا ایک خوبصورت ہفت خانہ تیار کرا رہی ہے لیکن وہ کیسا ہے اس کا مقصد کیا ہے اس سے وہ قطعی بے خبر تھے۔

زلیخا نے اتنی لجاجت اور خوشامد سے سیر کرنے کی درخواست کی تھی کہ حضرت یوسفؑ انکار نہ کر سکے اور شیطان کو پہلے قدم پر کامیاب حاصل ہوئی۔ حضرت یوسفؑ جب اپنے محل یا کمرے سے باہر نکلتے تو زلیخا کے حکم پر اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیا کرتے تھے۔

حضرت یوسفؑ اور زلیخا ہفت خانے کے پہلے کمرے میں داخل ہوئے۔ کمرے کے حسن و خوبصورتی کو دیکھ کر حضرت یوسفؑ کا دل بہت خوش ہوا۔ کمرے کی آرائش میں بڑی نفاست سے کام لیا گیا تھا۔ فرش، پردوں اور زیبائشی سامان کو دیکھ کر آنکھوں میں ٹھنڈک آ جاتی تھی۔ معا" حضرت یوسفؑ کی نظر دیواروں پر نقش و نگار کے درمیان آویزاں اپنی اور زلیخا کی تصاویر پر پڑی۔ حضرت یوسفؑ کو یہ بات سخت ناگوار گزری لیکن وہ زلیخا کا بے حد احترام کرتے تھے۔ اس لئے وہ اس کی خاطر خاموش

رہے لیکن انہوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔

زلیخا نے ان کی خوشامد شروع کر دی اور پورے ہفت خانے کی سیر کی التجا کی۔ حضرت یوسفؑ کو آگے جانا قطعی پسند نہ تھا لیکن وہ زلیخا کے احسانمند تھے اور ایک طرح سے ان کے غلام تھے کیونکہ زلیخا کے شوہر عزیز مصر نے انہیں منہ مانگی قیمت پر مالک بن زغر سے خریدا تھا۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ دوسرے کمرے میں داخل ہوئے۔

یہ کمرہ پہلے سے بھی زیادہ آراستہ و پیراستہ تھا۔ پورا کمرہ خوشبو میں بسا ہوا تھا اور معطر ہواؤں کے ہلکے ہلکے جھونکوں سے آنکھیں بند ہوئی جاتی تھیں۔ اس پر دیواروں کے منقش مناظر یا شیطانی پھندے، قدم قدم پر پکڑتے تھے لیکن حضرت یوسفؑ کے لبوں پر تو کلام اللہ تھا اور محبت حقیقی کا ایک تار فرش سے عرش تک پھیلا ہوا تھا۔ پس جس کے لب ذکر الہی میں مصروف ہوں اس پر نہ تو کیف و سرور اثر کرتا ہے اور نہ شیطان کا زور چلتا ہے۔ حضرت یوسفؑ اس عشرت کدے کی سخت منزل کو بھی باسانی پار کر گئے اور شیطان اپنا منہ پیٹتا رہ گیا۔

اسی طرح حضرت یوسفؑ یاد خدا کو دل سے لگائے، شیطانی مناظر سے نگاہیں بچاتے، ہفت خانے کے آخری کمرے میں پہنچے۔ یہ کمرہ کیف و سرور سے پر تھا۔ پر ٹکلف مسند، منقش در دیوار، عود و عنبر کی لپٹیں، دیواروں پر آویزاں یوسفؑ و زلیخا کی تصویریں۔ مختلف انداز اور مختلف زاویوں سے۔ تنہائی، خوابیدہ ماحول، بھرپور جوانیوں کا آسنا سامنا۔ کمرے کی ہر چیز چیخ چیخ کر دعوت عیش دے رہی تھی۔ زلیخا کا والہانہ انداز اور مہمور آنکھوں میں خود سپردگی کے سائے لیکن وہ مرد خدا یعقوب کا بیٹا، کنعان کا چاند، حسن و جوانی کا مرقع، اپنی جگہ پہاڑ کی طرح اٹل تھا۔

پھر زلیخا کے حکم پر ہفت خانے کے ساتوں دروازے باہر سے مقفل کر دیئے گئے اور اس کی کچھ خبر حضرت یوسفؑ کو نہ ہو سکی۔ حضرت یوسفؑ مسند پر سر جھکا کر بیٹھ گئے۔

زلیخا نے انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے آواز دی۔ انہوں نے زلیخا کی طرف نظر نہ کی اور آسمان کی طرف دیکھا لیکن یہ کمرہ چاروں طرف سے بند تھا۔

پرستش کرتی تھی۔ جب ہفت خانہ تیار ہوا تو اس بت کو جسے وہ خدا سمجھتی تھی (نعوذ باللہ) ہفت خانے کے آخری کمرے میں ایک کونے میں منگوا کر رکھ دیا تھا تاکہ اس کی برکت سے زلیخا کی مراد پوری ہو۔ باتیں کرتے کرتے زلیخا کی نظر کونے پر پڑی۔ وہ بھاگ کر بت کے پاس گئی اور اس پر پردہ کھینچ کر اسے ڈھانپ دیا۔

حضرت یوسفؑ نے پوچھا۔ ”اے زلیخا! یہ کون سی چیز ہے جسے تو نے ڈھانپ دیا ہے اور تجھے اس سے شرم محسوس ہو رہی ہے؟“

زلیخا نے شرم سے سر جھکا کر کہا۔ ”اے یوسف! یہ میرا مالک اور خدا ہے یہی میری آرزوئیں پوری کرتا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ یہ میری بزمِ عشرت کو دیکھے۔ مجھے اس سے شرم آتی ہے۔“

حضرت یوسفؑ کا جسم خوف سے کانپنے لگا۔ انہیں یوں محسوس ہوا جیسے یہ ایک آسمانی اشارہ ہے۔ انہوں نے فوراً کہا۔ ”اے زلیخا! تو ہاتھ سے بنائے ہوئے اس بت سے شرم کرتی ہے جو نہ دیکھ سکتا ہے نہ سن سکتا ہے۔۔۔۔۔ پھر میں اپنے خدا سے کیوں نہ شرم کروں جو تمام عالم کو دیکھتا ہے اور ہر ایک کی بات سنتا ہے۔ مجھے اپنے خدا کا خوف اور محسن عزیز مصر کا خیال ہے۔ میں اس کی امانت میں خیانت کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔“

زلیخا بولی۔ ”یوسف! تو عزیز مصر کا ذکر بیکار کرتا ہے۔ اسے تو میں زہر دے کر مار ڈالوں گی اور اس کا رتبہ، مرتبہ اور مال و دولت سب تیرے حوالے کر دوں گی اور جہاں تک تیرے خدا کا معاملہ ہے تو تو نے مجھے بتایا ہے کہ وہ بڑا رحیم اور کریم ہے اور گنہگاروں کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ میں اپنی تمام دولت تیرے خدا کے نام پر فقیروں۔۔۔۔۔ اور مسکینوں میں تقسیم کر دوں گی پھر تو تیرا خدا خوش ہو جائے گا اور تیرا گناہ معاف کر دے گا؟“

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ ”زلیخا تو کیسی ناوانی کی باتیں کرتی ہے۔ عزیز مصر نے ہمیشہ مجھے اپنی اولاد سمجھا ہے۔ میں اس کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتا اور میرا خدا ایسا نہیں ہے کہ وہ رشوت قبول کرے۔ بے شک وہ غفور الرحیم ہے اور گناہ معاف

کھڑکیوں پر گمرے پر دے پڑے تھے اوپر چھت میں یوسفؑ اور زلیخا کی تصویریں منقش تھیں۔ آسمان نظر نہ آیا تو چاروں طرف نظر دوڑائی۔۔۔۔۔ مگر ہر طرف حضرت یوسفؑ کو اپنی اور زلیخا کی تصویر ساتھ ساتھ نظر آئی۔

اس دوران زلیخا، مسند پر ان کے برابر آ بیٹھی۔ آپ نے پھر بھی کوئی توجہ نہ کی اور پیروں میں آ بیٹھی اور بڑے ملتجانہ انداز میں بولی۔

”اے ماہِ کنعان! میری طرف نظر کر۔ آتشِ فراق سے میرا سینہ جل رہا ہے۔ سوزِ عشق میرے بدن کو پھونکے دے رہا ہے۔ اپنی موہنی صورت میری طرف کر اور آنکھوں سے آنکھیں ملا۔“

حضرت یوسفؑ نے زلیخا پر توجہ دیئے بغیر کہا۔ ”اے زلیخا! تو مخلوق سے محبت کرتی ہے اور خالق کو دیکھنے کی تمنا نہیں کرتی۔ تصویر پر جان نچھاور کر رہی ہے اور مصور پر نظر نہیں ڈالتی؟“

زلیخا بولی۔ ”یوسف! ان لمحات کو غنیمت جان اور میری زلفوں سے اپنی کاکلیں ملا دے۔“

حضرت یوسفؑ نے جواب دیا۔ ”زلیخا! اس وقت سے ڈر جب یہ زلفیں اور کاکلیں دونوں خاک میں مل جائیں گی۔ تو دقیقِ عیش کو دعوت دیتی ہے اور میں دائمی عشرت کو آسمان کی بلندیوں پر دیکھ رہا ہوں۔“

روایت ہے کہ زلیخا کا جوش و خروش اور اضطراب بڑھ کر جنون میں تبدیل ہو گیا۔ اس نے بگڑ کر کہا۔ ”یوسف! تو کتنا احسان فراموش ہے۔ میں سات سال سے لونڈی کی طرح تیری خدمت کر رہی ہوں۔۔۔۔۔ لیکن تجھے میرا کوئی خیال نہیں۔ میری محبت کی تجھے قدر نہیں۔“

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ ”زلیخا! کاش! تو نے سات سال اس سے محبت کی ہوئی جس نے مجھے یہ دو روزہ جمال بخشا ہے۔ تو نے اس سے عشق کیا ہوتا تو آج فرشتے تیری قسم کھاتے۔“

بیان کیا گیا ہے کہ زلیخا نے ایک بت بنوا کر اپنے کمرے میں رکھا تھا اور اس کی

کرتا ہے لیکن صرف ایسے گناہوں کی معافی ہے جو لاعلمی اور بے خبری میں انسان سے سرزد ہو جائیں۔“

زلیخا پوری طرح شیطان کے قبضے میں تھی اور اس کا ہر قدم شیطان کے اشارے پر اٹھ رہا تھا۔ زلیخا نے یوسفؑ کی مدلل باتوں کا قطعی خیال نہ کیا اور جذبات سے مغلوب ہو کر دست درازی شروع کر دی۔ اور پھر ہفت خانے کے اس مقل کمرے میں نیکی اور بدی کی وہ جنگ شروع ہوئی جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ زلیخا کی سبقت اور یوسفؑ کی مدافعت ایک دوسرے کے مقابل تھیں۔ حق باطل، گناہ و ثواب کا ایک عظیم معرکہ شروع ہو گیا۔ بھاگ دوڑ اور پکڑ دھکڑیل حضرت یوسفؑ کے سر کا تاج اتر گیا اور بال پر آگندہ ہو گئے۔ زلیخا کی چہرہ کیسے پڑی۔

محققین اور مفسرین نے اس موقع کی دو روایتیں بیان کی ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت جبریلؑ بحکم خداوند تعالیٰ تشریف لائے اور انہوں نے حضرت یوسفؑ کی پشت پر ایک خط کھینچا۔۔۔۔۔ دوسری روایت یہ ہے کہ غیب سے صدا آئی کہ اے یوسفؑ! اس کے مکرو فریب میں نہ آنا اور اس کی طرف کوئی توجہ نہ کرنا۔ اگر تو توجہ کی تو اس جرم کی پاداش میں خدا تیرا نام انبیاء کے دفتر سے خارج کر دے گا۔ یہ صدا کان میں آنا تھی کہ حضرت یوسفؑ کے دل میں زلیخا کی خدمت اور احسان کے جو خیالات تھے، آپ نے ان سب سے یکسر منہ پھیر لیا۔۔۔۔۔ اور زلیخا پوری قوت سے دھکا دے کر خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرایا اور بے تحاشہ دروازے کی طرف بھاگے۔

زلیخا کی مدد پر شیطان تھا۔ وہ بھلا حضرت یوسفؑ کو کیسے نکل جانے دیتی۔۔۔۔۔ پھر اسے معلوم تھا کہ یوسفؑ کی کوشش بے کار ہے کیونکہ تمام دروازے مقفل ہیں زلیخا نے ایک شیطانی قلعہ بلند کیا اور کہا۔ ”اے یوسفؑ! آج مجھ سے بھاگ کر نہ جا سکتا۔ سات دروازوں پر سات قفل پڑے ہیں اور وہ سب باہر سے بند ہیں۔ تیرا آواز بھی باہر نہیں جاسکتا۔ بھاگنے کی کوشش نہ کر میرے پاس واپس آ جا۔“

حضرت یوسفؑ نے زلیخا کی طرف پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔۔۔۔۔ اور دروازے کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے ابھی دروازے کو ہاتھ بھی نہ لگایا تھا کہ دروازہ حکم خداوندی سے خود بخود کھل گیا۔

زلیخا نے جو یہ دیکھا تو بھاگ کر حضرت یوسفؑ کے پاس آئی۔ حضرت یوسفؑ دروازے سے نکل چکے تھے۔ زلیخا نے بڑھ کر ان کا پچھلا دامن پکڑ لیا اور انہیں اپنی طرف کھینچا چاہا۔ حضرت یوسفؑ نے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ اس کھینچا تانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت یوسفؑ کا پچھلا دامن پھٹ کر زلیخا کے ہاتھ میں رہ گیا اور حضرت یوسفؑ بھاگ کر دوسرے دروازے پر پہنچ گئے۔

زلیخا بھری ہوئی شیرینی کی طرح حضرت یوسفؑ کے پیچھے دوڑی مگر دوسرا دروازہ بھی حکم خداوندی سے کھل گیا اور حضرت یوسفؑ اس سے باہر نکل گئے۔

گیرو گریز کا یہ کھیل ہوتا رہا۔ حضرت یوسفؑ آگے ہی آگے بھاگ رہے تھے۔ زلیخا انہیں پکڑنے کے لئے دوڑ رہی تھی۔ دروازے خود بخود کھلتے جا رہے تھے۔ یوسفؑ زلیخا کے ہاتھ تو نہ آ سکے لیکن گیرو گریز کی اس یاوہگار کے طور پر ان کا دامن اس کے ہاتھ میں رہ گیا۔

ادھر عزیز مصر کو کسی نے اطلاع کر دی تھی یا وہ خود ہی ہفت خانے کی سیر کو ادھر آ نکلا تھا۔ جب حضرت یوسفؑ ساتویں دروازے سے نکل کر باہر آئے تو عزیز مصر ان کے سامنے موجود تھا۔ ایک ہی لمحے بعد زلیخا بھی بھاگتی ہوئی وہاں پہنچ گئی۔

عزیز مصر نے حیرت اور نفرت سے دونوں کو دیکھا۔۔۔۔۔ اور دونوں اپنے بچاؤ کی صورتوں پر غور کرنے لگے۔ زلیخا کا رہبر شیطان تھا۔ اس نے زلیخا کو مشورہ دیا کہ یوسفؑ پر الزام لگا کر اپنا دامن بچالے۔ زلیخا سکاری بھرتے ہوئے مکاری سے بولی۔ ”اے میرے سر تاج! دیکھو تو تمہارے اس غلام نے میرا کیا حال بنایا ہے۔ میرے بال فوج ڈالے، لباس تار کر دیا لیکن میں نے تیری عزت پر آنچ نہیں آنے دی۔ اس احسان فراموش کو سزا دے اور اسے قید میں ڈال۔“

قرآن حکیم فرماتا ہے۔ ”اور دونوں بھاگے دروازے کی طرف اور عورت نے چیر

اور بولے۔ ”اے یوسف! کیوں اس کا پردہ فاش کرتے ہو۔ حالانکہ اس نے تمہاری محبت کا سچا دعویٰ کیا ہے۔ بزرگوں اور عقلمندوں کا یہ شیوہ نہیں ہوا کرتا کہ محبوب اپنے عاشق کا راز فاش کر دے۔“

حضرت یوسفؑ نے کہا۔ ”لیکن میں کیا کروں۔ عزیز مصر مجھے ناحق عذاب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے؟“

جبریلؑ نے انہیں سمجھایا۔ ”اے، حضرت یوسفؑ! تم نہیں جانتے کہ دوست کی دوستی میں تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھانا پڑتی ہیں۔“

بعض متحققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خداوند تعالیٰ یہ نہیں چاہتا تھا کہ حضرت یوسفؑ زلیخا کا عیب کھولیں۔ اگرچہ زلیخا اس وقت کافرہ تھی اور بت پرستی کیا کرتی تھی۔ اس میں یہ نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ اپنے بندوں کے عیبوں پر پردہ ڈالتا ہے۔۔۔۔۔ اور بندوں سے بھی یہی چاہتا ہے کہ وہ دوسرے کے عیبوں پر پردہ ڈالیں۔ ذات باری تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ”ستار العیوب“ بھی ہے یعنی وہ عیب پوشی کرتا ہے۔

حضرت یوسفؑ اپنی صفائی پیش کرنا چاہتے تھے اور حضرت جبریلؑ انہیں بحکم خداوندیؑ زلیخا کے عیب کھولنے سے منع فرما رہے تھے۔ حضرت یوسفؑ کو فوراً خیال گزرا کہ جب اللہ کی اس میں مصلحت ہے کہ میں زلیخا کو الزام نہ دوں تو اس نے میری صفائی اور بریت کی کوئی صورت بھی نکالی ہو گی۔

حضرت یوسفؑ نے حضرت جبریلؑ سے دریافت کیا۔ ”اے جبریلؑ! مجھے زلیخا کی عیب پوشی کا حکم ہوا ہے۔ اب میری صفائی اور خلاصی کی بھی تو صورت بتائیے۔“ حضرت جبریلؑ نے فرمایا۔ ”اے یوسفؑ! عزیز مصر گواہ اور دلیل مانگتا ہے۔ دلیل پیش کرو۔ اللہ اپنا کرم کرے گا۔“

حضرت جبریلؑ یہ کہہ کر نظروں سے غائب ہو گئے۔ حضرت جبریلؑ اور حضرت یوسفؑ کی گفتگو ایک لمحے سے بھی کم وقفے میں ہو گئی تھی۔ ادھر عزیز مصر جواب کا انتظار کر رہا تھا۔

ڈالا اس کا کرتہ پیچھے سے اور دونوں لمبے عورت کے خاند سے، دروازے میں۔ زلیخا بولی۔ اور کچھ نہیں، ایسے شخص کو جو چاہے تیرے گھر میں برائی، یہی کہ قید میں پڑے یا دکھ کی مار۔“

عزیز مصر نے دونوں کی حالت دیکھی۔ بھاگتے بھاگتے دونوں۔۔۔۔۔ پسینے میں شرابور تھے۔ ان کے بال الجھے اور پر اگندہ تھے۔ لباس تار تار ہو رہے تھے۔ نہ یوسفؑ کے سر پر تاج تھا اور نہ زلیخا کے سر پر اوڑھنی۔ عزیز مصر نے دل میں خیال کہ زلیخا سچ کہہ رہی ہے اور ضرور یوسفؑ نے اس کے ساتھ زیادتی کی کوشش کی ہے۔

اس نے حضرت یوسفؑ سے کہا۔ ”اے یوسفؑ! میں نے تجھے اپنا بیٹا بنایا اور اپنے گھر کا امین سمجھا مگر تو نے میرے احسانوں کا بدلہ یہ دیا کہ میرے ہی گھر پر نظربند ڈالی؟“

حضرت یوسفؑ پہلے ہی بہت پریشان تھا۔ زلیخا نے ان پر کھلا ہوا الزام لگایا تو وہ اور زیادہ پریشان ہو گئے۔ انہوں نے سوچا زلیخا، عزیز مصر کی بیوی ہے، اس کے مقابلے میں وہ میری بات نہ سنے گا اور مجھ ہی کو مجرم گردانے کا پھر بھی انہوں نے بڑے حوصلے سے کہا۔

”اے عزیز مصر! آپ نے مجھے بیٹا بنایا۔ ذرا سوچنے میں نے آج تک آپ سے کبھی کوئی جھوٹی بات کہی یا غلط بیانی کی۔ اس کے علاوہ میں نے کبھی کسی چیز میں خیانت نہیں کی۔ اگر میں اب تک سچا اور امین رہا ہوں تو پھر اب اس سے کیسے پھر سکتا ہوں؟“

عزیز مصر سوچ میں پڑ گیا۔ حضرت یوسفؑ واقعی امین اور صادق تھے۔ عزیز مصر کو ان سے اب تک کوئی شکایت نہ ہوئی تھی۔ عزیز مصر بولا۔ ”اے یوسفؑ! یہ ٹھیک ہے کہ تم سچے اور امین رہ چکے ہو لیکن اس وقت تم جو کچھ کہو گے اس کے لئے تمہیں دلیل اور گواہ پیش کرنا ہوں گے۔“

حضرت یوسفؑ نے کہا۔ (قرآن) ”اس نے خواہش کی مجھ سے اور میں اپنے دل کو قابو کئے ہوئے تھا۔۔۔۔۔“

حضرت یوسفؑ کی زبان سے اتنا ہی نکلا تھا کہ فوراً ”حضرت جبریلؑ تشریف لائے“

مہی۔ باہر والوں کو تو خبر نہ ہونے پائی مگر گھر کا بھیدی لٹکا ڈھائے کے مصداق ان عورتوں کے کانوں میں اس کی بھٹک پڑ گئی جو ہر وقت زلیخا کے ارد گرد رہتی تھیں اور خاص اس کی خدمت گزاری پر مامور تھیں۔

کہتے ہیں کہ یہ بات محل کی پانچ عورتوں نے سنی۔ یہ تمام عورتیں زلیخا کی ہم نوا، ہم پیلا، دم ساز اور ہمراز تھیں۔ ان میں سے ایک عورت زلیخا کی ساتی مری کرتی یعنی اسے شراب پلاتی تھی۔ دوسری عورت باورچن تھی۔ تیسری خوان بردار، چوتھی چوہدرانی اور پانچویں زلیخا کی مشاطہ تھی۔

انہیں اس کی بھٹک پڑی تو وہ اس بات کو لے اڑیں۔ سب کی سب زلیخا کی منہ چڑھی تھیں۔ اس لئے ان کی زبان کو کوئی روک نہ سکتا تھا۔ وہ اتنی منہ پھٹ تھیں کہ جوجی میں آتا کبھی رہتیں اور زلیخا بیٹھی ہنستی رہتی۔

ان تمام باتوں کے باوجود زلیخا نے اپنا راز ان پر ظاہر نہ ہونے دیا تھا۔ اس لئے ان عورتوں کو اس بات کا بھی ملال تھا۔ جب انہیں یہ راز کسی طرح سے معلوم ہو گیا تو وہ ایک جگہ اکٹھا ہوئیں اور زلیخا کو چھیڑنے اور اس کا مذاق اڑانے کا پروگرام بنایا۔ زلیخا اپنی ناکامی کے بعد چپ چپ سی رہنے لگی اور بہت کم گفتگو کیا کرتی تھی۔

ایک دن ان پانچوں کنیزوں نے زلیخا کو گھیر لیا۔

ساتی اٹھلا کر بولی۔ ”بہنو! ذرا بتاؤ تو شراب سے زیادہ نشہ کس چیز میں ہے؟“

”یوسف“ میں۔ ”بقیہ چاروں نے یک زبان ہو کر جواب دیا اور پھر کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ زلیخا نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔ وہ سمجھ گئی کہ اس کا راز انہیں معلوم ہو چکا ہے۔

اب باورچن نے چھینٹا پھینکا۔ ”دنیا میں سب سے بھینی خوشبو کس چیز کی ہوتی ہے؟“

سب نے جواب دیا۔ ”یوسف“ کے پسینے کی خوشبو بے نظر ہے۔“

چوہدرانی بولی۔ ”تم اس وقت کسے بلانے کا حکم دیتی ہو؟“

”یوسف“ کو۔ ”سب نے مل کر جواب دیا۔

خوان بردار کنیز نے کہا۔ ”کون سی چیز اتنی ہلکی اور سبک ہے کہ میں اسے خوان

حضرت یوسفؑ نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد کہا۔ ”اے عزیز مصر۔۔۔۔۔ میں کو تو پیش نہیں کر سکتا لیکن اپنی صفائی میں دلیل دے سکتا ہوں۔“

عزیز مصر بولا۔ ”یوسفؑ تو صادق اور امین رہ چکا ہے۔ میں نے تجھے گواہ معاذ کیا۔ دلیل پیش کر؟“

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ ”اے عزیز مصر! حقیقت حال یہ ہے کہ جب زلیخا نے مجھے پکڑا تو میں دروازے کی طرف بھاگا۔ زلیخا کے ہاتھ میرے کرتے کا پچھلا دامن رہ گیا۔ وہ اس نے پھاڑ ڈالا میرا دامن دیکھا جائے اگر دامن پیچھے سے پھنسا ہے تو میں ہوں۔“

یہ دلیل ایسی تھی کہ عزیز مصر کو پسند آئی۔ اس نے پہلے اس پر غور کیا پھر حضرت یوسفؑ کا دامن دیکھا جو پیچھے سے پھنسا ہوا تھا۔

اس وقت عزیز مصر نے کہا۔ (قرآن) ”پھر جب دیکھا عزیز مصر نے کہ پیچھے سے پھنسا ہوا۔ کہا، بے شک یہ ایک فریب ہے تم عورتوں کا اور عورتوں کا بڑا فریب ہوا ہے۔“

عزیز مصر پر زلیخا کا فریب ظاہر ہو گیا۔ اسے اتنا غصہ آیا کہ اس نے زلیخا کو اس وقت مار ڈالنے کا ارادہ کیا اور حضرت یوسفؑ کو قید کرنا چاہا۔۔۔۔۔ حضرت یوسفؑ اس کی نظروں میں پاک دامن ثابت ہو چکے تھے۔ اس کے باوجود عزیز مصر نے انہیں اس وجہ سے قید میں رکھنا چاہا کہ بات پر پردہ پڑا رہے اور اس کا چرچا نہ ہو۔

روایت ہے کہ عزیز مصر کے لڑکے کو (غالباً) یہ لڑکا کسی دوسری بیوی سے ہوا باپ کے ارادے کا علم ہوا تو اس نے باپ کو سمجھایا کہ اگر زلیخا کو قتل کیا گیا تو وہ جہاں میں اس کی بدنامی ہوگی اور خود پر بدنامی کا داغ لگانا عقلمندوں کا کام نہیں۔ اس لئے نہ تو زلیخا کو قتل کیا جائے اور نہ ہی یوسف کو قید کیا جائے۔

پس قرآن حکیم میں آیا ہے۔ ”اے یوسف! جانے دے اس بات کو اور اپنی عورت سے کہا کہ تو بخشوا اپنے گناہ، یقین ہے کہ تو ہی گنہگار ہے۔“

زلیخا کو معافی مل گئی اور حضرت یوسفؑ قید ہوتے ہوتے بچ گئے۔ بات بظاہر

جبر میں کیسی غلط ہوتی ہے۔ گھائل کے دل کا حال گھائل ہی جان سکتا ہے۔ تم نے جو کچھ کہا ہے اس کا جواب میں دے سکتی ہوں لیکن ابھی نہیں۔ وقت آنے پر تم کو ایسا جواب دوں گی کہ تمہاری زبانیں ہمیشہ کے لئے بند ہو جائیں گی۔“

بادرچن بولی۔ ”نہ بی بی! ہم ایسے عشق و شوق سے باز آئے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ جگہ جگہ بدنامی ہو، ہر طرف سے انگلیاں اٹھائی جائیں۔“

مشاطہ ہنس کر بولی۔ ”بی بی! یہ لنگڑا لولا عشق تو ہم نے آج ہی سنا۔ تالی ہمیشہ دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ تم تو اس کے عشق۔۔۔۔۔ میں سودائی ہوئی جا رہی ہو اور وہ ہیں کہ سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتے۔۔۔۔۔ دماغ آسمان پر چڑھا ہوا ہے۔ میں تمہاری جگہ ہوتی تو ایسا سبق دیتی کہ وہ بھی یاد کرتے۔“

بات جب گھر سے نکلے تو باہر پھیلنے دیر نہیں لگتی۔ زلیخا کی کنیزوں نے چھپی ہوئی بات کو بانس پر چڑھا دیا۔۔۔۔۔ اور پھر ہر ایک کی زبان پر یوسف اور زلیخا کا عشق چڑھ گیا۔ زلیخا کی وہ سہیلیاں جو کبھی کبھار اس کے پاس آتی تھیں اب روز چکر لگانے لگی تھیں۔

زلیخا پر ہر طرف سے لعنت ملامت ہونے لگی۔ طعن و تشنیع کے اتنے تیر چلے کہ اس کا کلیجہ جھلنی ہونے لگا۔ وہ اکیلی کس کس کو سمجھاتی، کسے کسے اپنا دکھڑا سناٹی۔ اس عشق نے اسے کلی کلی کوپے کوپے رسوا کر دیا۔

پھر ایک دن زلیخا نے اپنی تمام سہیلیوں کو ایک خاص دعوت پر اپنے محل میں مدعو کیا۔ دعوت میں ان پانچ کنیزوں کو خصوصیت سے بلایا گیا جنہیں سب سے زیادہ اعتراض تھا۔

دعوت کے لئے ایک بڑے میدان میں تنبو، شامیانے لگائے گئے۔ تمام مہمان خواتین کے لئے الگ الگ تخت بچھائے گئے۔ ان پر قیمتی قالین اور تکتے لگائے گئے۔ ہر تخت پر کھانوں کے خوان الگ الگ رکھے گئے۔ کھانوں کے علاوہ انواع اقسام کے خشک و تر میوے اور اعلیٰ قسم کے مشروبات سے بھی ان کی تواضع کے لئے موجود تھے۔ زنان مصر ایک ایک کر کے آتی گئیں اور تختوں پر بیٹھتی گئیں۔ باہر تو یہ

میں رکھوں تو بوجھ نہ معلوم ہو؟“

سب نے جواب دیا۔ ”یوسف کا قصور۔“

مشاطہ ہاتھ ہلاتے ہوئے بولی۔ ”مجھے کس کی کا کلیں سنوارنے کی آرزو ہے؟“

”یوسف کی کا کلیں۔“ سب ٹھٹھے مار کر ہنس پڑیں۔

زلیخا بگڑ کر بولی۔ ”کبختو! کیوں میرا دل دکھاتی ہو۔ میں پہلے ہی کیا کم ستم رسید

ہوں؟“

ساتی نے اٹھلا کر کہا۔ ”اے واہ! بی بی! یہ کہاں کی یاری ہے کہ کٹھیا میں گڑ

پھوڑتی رہیں اور ہمیں کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔“

بادرچن نے طنز کیا۔ ”وہ کون سا ایسا لعل ہے جسے ہم سے بھی چھپا کر رکھا

ہے؟“

مشاطہ نے کہا ”اے بی بی! میں تو کہتی ہوں کہ وہ ضرور قسمت کا بیٹا ہے جو

تمہاری جیسی چندے آفتاب چندے ماہتاب کو دل میں جگہ نہیں دیتا۔“

چوہدرانی کو غصہ آگیا۔ اس نے کہا۔ ”بی بی! تم میں کیا کمی ہے۔۔۔۔۔ دلت

عزت، شہرت، صورت، شکل ایسی کہ مصر ہی کیا تمام دنیا میں تمہارا جواب نہ ہو گا۔ پر

تم ہو کہ اس کے لئے جان ہلکان کر رہی ہو۔ آخر اس میں ایسے کون سے لعل نکلے ہیں

کہ تم دیوانی ہو رہی ہو؟“

زلیخا خاموش بیٹھی سب کی باتیں سنتی اور مسکراتی رہی۔ اس کی کنیزیں، یوسف کی

برائی کر رہی تھیں لیکن وہ دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی کہ اس کے محبوب اور

جان بہار کا ذکر تو ہو رہا ہے خواہ برائی کے ساتھ ہی سہی۔ اب تک وہ تنہا، یوسف کے

بارے میں سوچتی تھی۔۔۔۔۔ لیکن اب اس کے ساتھ اس کی کنیزیں بھی اس ذکر میں

شامل ہو گئی تھیں۔

جب سب کنیزیں اپنی اپنی بولیاں بول کر خاموش ہو گئیں تو زلیخا نے سر دھ

بھرتے ہوئے کہا۔ ”تم جو چاہے کو لیکن میں اپنے دل سے مجبور ہوں۔ عشق کی لذت

تو وہی جانتا ہے جس نے کبھی عشق کیا ہو۔ تم کیا جانو کہ درد فراق کسے کہتے ہیں اور

کا ایک حصہ رہا ہے۔ بغیر لیمو کے کھانے کا لطف نہیں آتا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ یہ چھری آپ کو لیمو کاٹنے کے لئے دی گئی ہے۔۔۔۔۔ لیکن یہ لیمو آپ اس وقت کاٹیں گی جس وقت میں آپ کو آواز دے کر خود کھوں گی۔“

زنان مصر دل میں سوچنے لگیں کہ یہ عجیب دعوت ہے جس میں انہیں لیمو کاٹنا ہیں بعض کو خیال گزرا کہ شاید زلیخا پاگل ہو گئی ہے جو اس طرح کی الٹی سیدھی باتیں کر رہی ہے۔ بہر حال وہ اپنے اپنے تخت پر سنبھل کر بیٹھ گئیں اور زلیخا کی آواز کا انتظار کرنے لگیں۔

زلیخا نے چند لمحے توقف کے بعد کہا۔ ”اے زنان مصر! اب اس محفل میں ایک اور مہمان کو بلواتی ہوں۔ جسے خصوصیت کے ساتھ تم سے ملوانے کے لئے بڑی مشکل سے آمادہ کیا ہے لیکن ایک بات کا خیال رہے کہ آپ سب کو میری آواز کے ساتھ ہی لیمو تراشا ہے۔ اس بات کی تاکید رہے بلکہ اسے میرا حکم سمجھا جائے۔“

اس وقت، زلیخا کے حکم پر ایک مرصع تخت زنان مصر کے سامنے بچھایا گیا اور حضرت یوسفؑ جو کہ اپنے چہرے پر کئی نقائیں ڈالے ہوئے تھے لا کر بٹھائے گئے۔

زنان مصر نے لباس فاخرہ میں ملبوس مہمان کو دلچسپی سے دیکھا اور اپنے اپنے دل میں اندازے لگانے لگیں کہ آخر یہ کون ہو سکتا ہے جس کو اتنے اہتمام کے ساتھ اس مرصع تخت پر بٹھایا گیا ہے۔

زلیخا، حضرت یوسفؑ کے تخت کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی اور اس نے سرگوشی میں انہیں نقاب الٹنے کا حکم دیا۔ اس کے کہنے پر حضرت یوسفؑ نے اپنے چہرے سے نقائیں الٹ دیں۔

نقاب کا اٹھنا تھا کہ یوں معلوم ہوا جیسے ہزاروں بجلیاں ایک ساتھ چمک اٹھیں ہوں۔ نور کا ایک جھماکا سا ہوا اور زنان مصر کی آنکھیں خیرہ ہو کر رہ گئیں۔ ان پر کیف و سرور، خوابیدگی اور محویت کی کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ اپنے حواس تقریباً کھو بیٹھیں اور نیم بے ہوشی میں مبتلا ہو گئیں۔

اسی وقت زلیخا نے آواز دی۔ ”اے زنان مصر! اپنے اپنے لیمو کاٹو۔“

انتظامات تھے اور اندر یوسفؑ کو دلہا کی طرح آراستہ کیا جا رہا تھا۔ زلیخا نے اس محفل کے لئے حضرت یوسفؑ کا خاص لباس تیار کرایا تھا۔ ان کے کپڑے زینت کے تھے سر پر مرصع تاج تھا۔ حضرت یوسفؑ کو زلیخا نے خود اپنے ہاتھ سے بنا سنوار کر تیار کیا تھا۔

حضرت یوسفؑ کو تیار کرنے کے بعد زلیخا باہر آئی۔ تمام مہمان خواتین سے خوش دلی اور پیار و محبت سے ملی۔ اس کی سہیلیاں، اس محفل میں بھی اس پر طنز کرنے سے باز نہ آئیں۔ وہ جدھر جاتی طنز کے تیر کھاتی۔ مگر وہ آج بڑی خوش تھی۔ اسے کسی کے طعن و تشنیع کی کوئی پروا نہ تھی۔ کوئی کتنا ہی بڑا طعن دیتا وہ ہنس کر ٹال جاتی۔

جب سب خواتین اپنے اپنے تختوں پر بیٹھ گئیں تو محفل میں دو خوان لائے گئے جو لیمو اور چھریوں سے بھرے ہوئے تھے۔ زلیخا نے اپنی۔۔۔۔۔ کینڑوں کو حکم دیا کہ ہر عورت کو ایک ایک لیمو اور چھری پکڑا دی جائے۔ عورتوں میں آپس میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انہیں لیمو اور چھری کیوں دی گئی۔ اس کا کیا مقصد ہے۔ اگر لیمو اتنا ہی ضروری تھا تو اسے کھانے کے ساتھ خوان میں رکھا جاسکتا ہے۔ ہاتھ میں چھری کے ساتھ پکڑانے کی کیا ضرورت تھی؟“

زلیخا بڑی دلچسپی اور توجہ سے مہمان خواتین کی سرگوشیاں سن رہی تھیں اور ان کی بے چینی کا اندازہ لگا رہی تھی۔ آخر زلیخا نے مسکرا کر تمام خواتین کو مخاطب کیا۔ ”اے زنان مصر! میں ایک عرصے سے سوچ رہی تھی کہ تم سب کو اپنے محل میں مدعو کروں لیکن کچھ پریشانیوں کی وجہ سے ایسا نہ کر سکی۔۔۔۔۔ اب ایک موقع ساتھ مل بیٹھنے کا مل گیا ہے۔ آپ سب اس دعوت سے لطف اندوز ہوئیے۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد ہم سب بیٹھ کر باتیں کریں گے۔“

ایک عورت نے پوچھا۔ ”اے زلیخا! اتنے اچھے اچھے کھانوں کے ساتھ تم نے چھری اور لیمو کیوں ہمارے ہاتھوں میں پکڑا دیئے ہیں؟“

زلیخا نے ہنس کر کہا۔ ”بہنو! فکر کی ضرورت نہیں۔ لیمو تو ہمیشہ سے دعوت طعام

لیکن زنان مصر پر تو کوئی اور ہی کیفیت طاری تھی۔ ان کے کانوں میں زلیخا کی آواز اس طرح آئی جیسے کوئی دور سے بول رہا ہو۔ اسی محبت کے عالم میں جبکہ ان کی نظریں حضرت یوسفؑ پر جم کر رہ گئی تھیں اور ہوش کا دامن ان کے ہاتھوں سے چھوٹ چکا تھا، اسی حال میں زنان مصر نے لیو کاٹنا شروع کئے۔۔۔۔۔ لیکن ان کی چھریاں لیو کے بجائے اپنی اپنی انگلیاں تراش بیٹھیں اور انہیں اس کا ذرا بھی احساس نہ ہوا۔

قرآن حکیم نے اس منظر کو یوں بیان فرمایا۔ ”جب سنا تو قریب بلوایا ان کو۔ اور تیار کی ان کے واسطے ایک مجلس۔ اور وہی ان کو ہر ایک کے ہاتھ میں چھری اور لیو۔۔۔۔۔ اور ادھر حضرت یوسفؑ سے بولی اب نکلو سامنے سے۔“

زنان مصر، لیو کے بجائے اپنے اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں۔ ان کی انگلیاں لمبو لمبو ہو گئیں اور کپڑے خون آلود زلیخا کا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اس نے اپنے معترضین کو جواب دے دیا تھا۔ حسن یوسفؑ نے انہیں خود سے بیگانہ کر دیا۔ انہیں اپنے تن بدن اور ہوش نہ رہا اور اس حسن و پیکر کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئیں۔ وہ بولیں۔ ”بے شک یہ انسان نہیں فرشتہ ہے۔“

جیسا کہ قرآن حکیم بیان کرتا ہے۔ ”پھر جب دیکھا، حضرت یوسفؑ کو تو وہشت میں آگئیں اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ اور کسنے لگیں۔۔۔۔۔ ماشاء اللہ! یہ شخص آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ شاید بزرگ فرشتہ ہے۔“

جب زنان مصر ہوش میں آئیں۔ تو دیکھا ان کے کپڑے خون آلود ہیں اور لیو کے بجائے انگلیاں کٹ گئی ہیں تو وہ اپنے دل میں بہت شرمندہ ہوئیں۔ وہ زلیخا سے بھی شرمندہ تھیں اور ان کی نظریں اوپر کی طرف نہ اٹھتی تھیں۔

زلیخا نے ہنس کر کہا۔ ”اے زنان مصر! دیکھا، تم نے، میرے محبوب کو۔ یہ دنا شخص ہے جس کے لئے تم مجھے ملامت کرتی تھیں۔ اب اپنا حال دیکھو۔ ایک نظر دیکھتے ہی ایسی مدہوش ہوئیں کہ لیو کے بجائے انگلیاں تراش بیٹھیں۔ یہ محفل میں نے اسی لئے سجائی تھی تاکہ تمہارے طعنوں، شتموں کا جواب دوں۔“

ایک عورت نے شرمندگی سے کہا۔ ”بے شک زلیخا! تو واقعی بڑی ہمت والی ہے کہ اس کو دیکھتی ہے اور صبر کرتی ہے ورنہ دنیا میں کوئی عورت ایسی نہیں جو حضرت یوسفؑ کو دیکھے اور اپنے دل پر قابو رکھ سکے۔“

کہتے ہیں وہ تمام زنان مصر جو اس محفل میں شریک تھیں وہ حضرت یوسفؑ کو دیکھتے ہی ان پر عاشق ہو گئیں۔

ایک دوسری عورت نے زلیخا سے کہا۔ ”اے زلیخا! ہمیں معاف کر دے۔ ہم تجھے بے جا ملامت کرتے تھے۔ تو تو بڑی خوش قسمت ہے کہ تو نے اتنا حسین محبوب پایا لیکن بڑا تعجب ہے کہ تو نے اسے اتنے عرصے سے اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے لیکن تیرے حسن کا جادو اب تک اس پر نہ چل سکا۔ تو اب تک اس پر قابو کیوں نہ پاسکتی۔“

زلیخا افسروگی سے بولی۔ ”اے بہن کیا بتاؤں۔ میں نے بڑی کوشش کی اور اب بھی کوشش میں لگی ہوں لیکن یہ میرے قابو میں نہیں آتا اور میرا کما نہیں مانتا۔“

(قرآن) ”اور میں نے اس سے چاہا کہ جی بھریں مگر وہ اپنی جگہ اپنے ارادے پر برابر قائم رہا۔ اگر اب بھی نہ کرے گا جو میں کہتی ہوں البتہ قید خانے میں پڑے گا اور ہو گا بڑا بے عزت۔“

زلیخا نے زنان مصر کو یوسفؑ کی ایک جھلک دکھانے کے بعد محل میں واپس بھیج دیا تھا لیکن زنان مصر انہیں دیکھ کر ایسی بدحواس ہو رہی تھیں کہ ایک بار اور دیکھنے کی آرزو مند تھیں لیکن زلیخا سے کہتی ڈرتی تھیں کہ کہیں وہ انکار نہ کر دے۔ ان میں ایک عورت بہت چالاک تھی۔ اس نے زلیخا سے کہا۔

”اے زلیخا! تمہارا محبوب ہر چند کہ بڑا بددماغ معلوم ہوتا ہے لیکن اگر اس کی خوشامد کی جائے تو ممکن ہے اس کا دل پلج جائے اور راہ راست پر آجائے۔“

”نہیں بہن! میں تو تھک ہار چکی ہوں۔“ زلیخا مغموم آواز میں بولی۔

عورت نے کہا۔ ”تم تھک ہار چکی ہو لیکن ہم تو نہیں تھکے ہارے اگر ہم سب مل کر اس پر زور ڈالیں تو کیا عجب کہ اسے تم پر رحم آجائے ایک بار تم اسے ہمارے

اپنی لغزش پر افسوس کرتی لیکن اس میں اور زیادہ ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی پیدا ہو گئی اور وہ حضرت یوسفؑ کو ایذا پہنچانے کے نئے نئے طریقے سوچنے اور آزمانے لگی۔

زلخا کو اس بات کا اور زیادہ افسوس تھا کہ اس نے زنان مصر کو دعوت میں بلا کر حضرت یوسفؑ کا ویدار کرا دیا۔ اس سے یہ تو ہو گیا کہ اس پر لعنتیں پڑنا بند ہو گئیں لیکن اب تک تو صرف وہی حضرت یوسفؑ پر عاشق تھی لیکن اس دعوت کے بعد تو وہ تمام زنان مصر جو اس محفل میں شریک تھیں حضرت یوسفؑ پر عاشق ہو گئیں اور ان کے لئے آہیں بھرنے لگیں۔ زنان مصر کی اس حرکت نے زلخا کو زنان مصر سے حد درجہ بدظن کر دیا۔۔۔۔۔ اور وہ انہیں اپنا رقیب سمجھ کر ان سے جلنے لگی۔

اس دعوت خاص کے بعد یوسفؑ کے حسن و جمال کا پوری طرح تمام مصر میں چرچا ہو گیا اور ہر عورت ان کی صورت دیکھنے کے لئے بے چین ہو گئی۔ صبح سے شام تک زلخا کے قصر پر عورتوں کی بھیڑ لگی رہتی جو کسی نہ کسی بہانے ایک نظر حضرت یوسفؑ کو دیکھنا چاہتی تھیں۔

یہ صورتحال زلخا کے لئے پریشان کن بھی تھی اور تکلیف دہ بھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے محبوب پر کسی اور کی نظر پڑے لیکن اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس کا کیا علاج کرے اور ان ناویدہ عاشق عورتوں کو کس طرح اپنے محل پر آنے سے روکے۔

زلخا کا شوہر عزیز بھی اپنی جگہ کچھ کم پریشان نہ تھا۔ زلخا کی اس دعوت نے اسے پورے مصر میں بدنام کر دیا تھا اور جو بات اب تک ڈھکی چھپی رہی تھی وہ عام ہو گئی تھی۔ عزیز مصر اپنے ہم چشموں اور احباب میں شرمندہ شرمندہ سارہنے لگا۔ اسے ہر وقت فکر رہتی کہ کسی طرح حضرت یوسفؑ سے پیچھا چھڑایا جائے لیکن اسے زلخا کا بھی خیال تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے زلخا کی مرضی کے خلاف، یوسفؑ کو کوئی سخت سزا دی تو اس کے گھر کا سکون برباد ہو جائے گا۔

اسی ادھیڑ میں ایک رات عزیز مصر نے زلخا سے کہا۔ ”اے نیک بخت! تجھے معلوم ہے کہ تو نے اپنی اس دعوت سے مجھے اپنے دوستوں میں کس قدر ذلیل کر دیا

سامنے بلاؤ تو سی۔“

یہ تو سب عورتوں کے دل کی آواز تھی۔ سب نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور زلخا پر زور دیا کہ وہ حضرت یوسفؑ کو دوبارہ محفل میں بلائے۔ زلخا کے لئے سفارٹ کرنے کا تو بس ایک بہانہ تھا۔ تمام عورتیں دراصل حضرت یوسفؑ کو دوبارہ دیکھ کر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنا چاہتی تھیں۔

زلخا نے حضرت یوسفؑ کو دوبارہ بلوا بھیجا۔

حضرت یوسفؑ آئے تو ایک عورت نے کہا۔ ”اے یوسفؑ! تو واقعی بہت حسین ہے لیکن زلخا بھی کسی طرح سے کم نہیں۔ تجھے اس بے چاری پر رحم کیوں نہیں آتا؟“

دوسری بولی۔ ”اے“ اور کیا۔۔۔۔۔ اتنا غرور بھی اچھا نہیں۔۔۔۔۔ بات بگاڑنے سے کیا فائدہ۔ ہم تو بھلے کے لئے کہتے ہیں ہم نہیں چاہتے کہ تم دونوں میں دشمنی ہو اور تم کسی عذاب میں مبتلا ہو جاؤ اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔“

حضرت یوسفؑ نے عورتوں کی باتیں، ٹھنڈے دل اور تحمل سے سنیں پھر کہا۔ (قرآن) ”اے رب! مجھ کو قید پسند ہے، اس بات سے، جس طرف یہ مجھ کو بلاتی ہے۔“

زلخا کی یہ کوشش بھی ناکام ہوئی۔ کیونکہ ایک تو عورتیں۔۔۔۔۔ حضرت یوسفؑ کو ایک غلط کام کی ترغیب دے رہی تھیں۔ دوسرے یہ کہ ان کی اس ترغیب میں خلوص بھی نہ تھا۔ وہ تو حضرت یوسفؑ کو ایک بار اور دیکھنا چاہتی تھیں۔ اس مقصد میں وہ ضرور کامیاب ہو گئیں۔

زلخا کو اپنی مقصد براری میں جب پے در پے ناکامی ہوئی تو اسے حضرت یوسفؑ سے اور زیادہ کد اور دشمنی ہو گئی۔ عورت کو جب احساس شکست ہوتا ہے تو پھر وہ نسوانیت کی فطری زنجیریں بھی توڑ ڈالتی ہے۔

چاہئے تو یہ تھا کہ اس گیر و گریز میں ناکامی کے بعد زلخا اپنی جگہ پشیمان ہوتی اور

زلیخانے کہا۔ ”اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے۔ آپ اس کی طرف سے بے فکر رہیں۔ میں خود ہی انتظام کر کے اسے قید خانے بھیج دوں گی۔“

زلیخا کی ایک کینز، ناظم قید خانہ کو زلیخا کے پاس لے گئی۔۔۔۔۔ وہاں پہنچ کر کینز نے پہلے تو پہرے واروں اور ناظم کو ہزاروں گالیاں دے ڈالیں۔ ”دیکھو بی بی! اس

وہ جس طرح چاہیں اس عمارت میں رہیں۔ انہیں ہر بات کی اجازت ہے۔ ان کی ہر خواہش پوری کی جائے۔ سوائے اس کے کہ وہ باہر نہ جائیں۔“

ناظم قید خانہ اب کیا کہہ سکتا تھا۔ وہ منہ لٹا کر واپس چلا گیا۔

ناظم قید خانہ دروازے سے نکلنے لگا تو کنیز چمک کر بولی۔ ”بڑا آیا تھا۔ قانون بگھارنے۔ اب کیسا جا رہا ہے منہ لٹکائے ہوئے۔“

کلام پاک کا سچا قصہ عبرت انگیز بھی ہے اور ایمان افروز بھی۔ چنانچہ محققین نے حضرت یوسفؑ کو لباس فاخرہ کے ساتھ قید خانے بھیجے جانے کا ایک نہایت خوبصورت نکتہ پیش کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ جب کسی مومن کی موت آتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ اس مومن کے سر پر شہادت کا عمامہ سجایا جائے اور لباس معرفت پہنایا جائے۔۔۔۔۔ کمر میں خدمت کا کمر بند باندھا جائے اور پیروں کو اسلام کے موزوں سے ڈھانپا جائے۔ جب مومن کو اس طرح سجایا جاتا ہے تو موت کا فرشتہ عرض کرتا ہے کہ اے، باری تعالیٰ! اس لباس فاخرہ اور خصائل حمیدہ کے ساتھ اس بندہ مومن کی روح کس طرح قبض کی جائے گی۔۔۔۔۔ پھر وہ درخواست کرتا ہے کہ اگر حکم ہو تو اس کا یہ لباس اتار لیا جائے۔ تب حکم خداوندی ہوتا ہے۔۔۔۔۔ کہ یہ زندانی نہیں حصاری ہیں۔ ان کا لباس ایسے ہی رہنے والا رہے گا اور تم جان لو وہ میرا نیک بندہ ہے، بد نہیں۔



حضرت یوسفؑ مصر کے قیدخانے میں اپنے ون گزارنے لگے۔ ان کے لئے قیدخانے میں الگ عمارت تعمیر کی گئی تھی اور عیش و آرام کی تمام چیزیں مہیا کی گئی تھیں۔ لیکن آپ دن رات عبادت الہی میں مصروف رہتے اور عام قیدیوں کی طرح زندگی بسر کرتے۔ آپ قیدیوں میں گھل مل گئے تاکہ انہیں عبادت کی تلقین کر سکیں۔ تمام قیدی بھی آپ سے انتہائی بے تکلف ہو گئے اور ہر وقت آپ کو گھیرے رہتے۔ آپ قیدیوں کو اللہ کی پرستش کی تلقین فرماتے اور بت پرستی سے روکتے۔

حضرت یوسفؑ کے لئے زنجانے کھانے پینے کا اعلیٰ قسم کا انتظام کیا تھا۔ صبح و

کبخت کی اتنی ہمت ہے کہ کہتا ہے، 'قیدی کے کپڑے اترا دو۔' یہ کہتے ہوئے کینز نے ناظم قید خانہ کا گریبان پکڑ لیا۔ اگر زلخا "ہائیں ہائیں" نہ کرتی تو کینز ناظم کے چار ہاتھ ضرور جما دیتی۔

زینحانے ناظم سے پوچھا۔ ”ہاں“ تم بتاؤ یہ کیا جھگڑا ہے۔۔۔۔ اور تمہیں کیا اعتراض ہے؟“

ناظم قید خانہ کا تو پہلے ہی خون خشک ہو رہا تھا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ ”جی
اعتراض تو کوئی نہیں میں نے تو کینڑوں سے درخواست کی تھی کہ۔۔۔۔۔“

ناظم کو ساتھ لانے والی کینز کو پھر غصہ آگیا۔ اس نے بڑھ کر ناظم کا گریبان ہلکا لیا اور قبل اس کے زلخا اسے روکتی، کینز نے دؤ زور وار طمانچے اس کے منہ پر بڑا دیے اور چیخ کر بولی۔ ”کینز ہو گی تیری ماں، تیری بہن۔ ہم تو بی بی زلخا کی خوبصورت ہیں۔ تو ہمیں کینز کہے گا تو جوتیاں مار مار کر تیرا منہ لال کر دوں گی۔“

بے چارہ ناظم گال سہلا کر رہ گیا۔۔۔۔۔ پھر حوصلہ کر کے بولا۔ ”جی“ میری توبہ کہ اب اس لفظ کو منہ سے بھی نکالوں۔۔۔۔۔ تو جی میں نے یہ درخواست کی تھی کہ قیدی کو اس قدر شان و شوکت سے قید خانے میں نہیں بھیجا جاسکتا۔ اگر حکم عالی ہو تو ان کی پوشاک اتروالی جائے۔ بس اتنی سی بات تھی جس پر اتنا ہنگامہ ہوا۔ آپ کی معزز خواصوں نے تمام پہرے داروں اور نگہبانوں کو روکی کی طرح دھنک کر رکھ دیا۔“

زلخا کے بولنے سے پہلے ہی کنیز بول پڑی۔ ”لو“ یہ موا کہتا ہے کہ اتنی سی بات ہے۔ ارے تو ان کی پوشاک کو ہاتھ لگا کے تو دیکھ۔ میں تیرے ہاتھ کا سرمہ نہ بنا دوں تو نام بدل دینا۔“

زلیخا کو ہنسی آگئی۔ اس نے کنیز کو چپ رہنے کا اشارہ کیا اور ناظم سے بولی۔ ”تم جنہیں قیدی سمجھ رہے ہو، وہ قیدی نہیں بلکہ حصاری (نظر بند) ہیں۔ ہم نے انہیں وہاں اس لئے بھیجا ہے کہ انہیں کوئی نہ دیکھے اور وہ دوسروں کی نظروں سے محفوظ رہیں۔ خبردار! انہیں وہاں رتی بھر تکلیف نہ ہونے پائے۔ ورنہ تم لوگوں کی خیر نہیں۔“

شام ان کے لئے زلیخا کے مطبخ سے بہترین اور وافر مقدار میں کھانا آتا۔ زلیخا کی وہ پانچ کنیزیں جو حضرت یوسفؑ پر عاشق ہو گئی تھیں، وہ بھی گاہے بہ گاہے بہترین کھانے پکوا کر ان کے لئے بھجواتی رہتی تھیں۔ لیکن حضرت یوسفؑ کھانا بہت کم کھاتے تھے۔ اگر آپ کچھ بھی نہ کھاتے اور تمام کھانا قیدیوں میں تقسیم کر دیتے۔ قیدی ان کے حسن سلوک سے بڑے متاثر تھے۔

اسی زمانے میں مصر کے بادشاہ ریان ابن ولید کو زہر دینے کی کوشش کی گئی۔ سازش پکڑی گئی اور دو آدمی گرفتار ہوئے۔ ان میں ایک آدمی وہ تھا جو بادشاہ کے لئے شراب کشید کرتا تھا اور دوسرا شاہی خانساں تھا۔ ان دونوں کو شبہ میں پکڑ کر قید خانے میں بھیج دیا گیا اور تحقیقات شروع ہو گئیں۔

ایک رات ان دونوں قیدیوں میں سے ایک نے جو بادشاہ کے لئے شراب بنانا تھا، ایک عجیب طرح کا خواب دیکھا۔ خدا کا کرنا دیکھئے اسی رات، دوسرے قیدی خانساں نے بھی ایک ڈراؤنا سا خواب دیکھا۔

صبح کو شراب کشید کرنے والے نے خانساں سے کہا۔ ”بھائی! میں نے رات کو ایک عجیب سا خواب دیکھا ہے۔ تم سنو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔“ خانساں بولا۔ ”لیکن رات میں نے جو خواب دیکھا ہے وہ تمہارے خواب سے بھی عجیب ہے۔“

پہلے نے ہنس کر کہا۔ ”یہ اچھی رہی۔ ابھی تم نے میرا خواب سنا بھی نہیں اپنے خواب کو عجیب تر بتانے لگے۔ اچھا پہلے میرا خواب سن لو۔ میں نے رات کو دیکھا کہ میں بادشاہ سلامت کے لئے انگور کے خوشے نچوڑ رہا ہوں تاکہ شراب تیار کر سکوں۔ کتنی عجیب بات ہے کہ میں پڑا تو ہوں قید میں اور خواب دیکھ رہا ہوں بادشاہ سلامت کے لئے شراب کشید کرنے کا۔“

خانساں نے کہا۔ ”تمہارا خواب میں کوئی عجیب بات نہیں۔۔۔۔۔ تم بادشاہ کے لئے انگور نچوڑ کر شراب بناتے تھے۔ وہی بات تمہیں خواب میں نظر آگئی۔ اب ذرا میرا خواب سنو پھر فیصلہ کرو کہ کس کا خواب زیادہ عجیب اور حیرت انگیز ہے۔ تو بھائی!

میں نے دیکھا کہ میرے سر پر روٹی رکھی ہوئی ہے اور پرندے اس پر چو نہیں مار مار کر کھا رہے ہیں۔“

”ہاں، بھائی! تمہارا خواب واقعی بڑا عجیب ہے۔“ اس نے خانساں کا خواب سننے کے بعد کہا۔

”لیکن میرے خواب کی تعبیر کیا ہے؟“ خانساں نے پوچھا۔

اس نے مشورہ دیا۔ ”اس خواب کی تعبیر کوئی نیک اور عقلمند بندہ ہی بتا سکتا ہے۔ ایسا ایک آدمی اس قید خانے میں موجود ہے اور وہ ہے یوسفؑ نام کا نوجوان۔ اس کی نیکی اور پارسائی کی ہر ایک تعریف کرتا ہے۔“

خانساں نے ساتی کی رائے سے اتفاق کیا اور وہ دونوں حضرت یوسفؑ کے پاس پہنچے۔ حضرت یوسفؑ سے وہ پہلے بھی کی بار مل چکے تھے اور ان میں دیر تک گفتگو ہوتی رہی تھی۔ اس سے جہاں ان لوگوں کو حضرت یوسفؑ کی نیکی کا یقین ہو گیا تھا وہاں حضرت یوسفؑ نے بھی اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ دونوں بہت عقلمند اور ذہین ہیں۔

شراب کشید کرنے والے اور خانساں نے حضرت یوسفؑ سے اپنے اپنے خواب بیان کئے اور ان خوابوں کی تعبیر دریافت کی۔

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ ”میں تمہیں ان خوابوں کی تعبیر ضرور بتاؤں گا لیکن تمہیں ذرا انتظار کرنا ہو گا۔“

حضرت یوسفؑ انہیں اس خواب کی تعبیر فوراً بتا سکتے تھے لیکن انہیں انتظار کرنے کے لئے کہا۔ اس میں یہ راز پوشیدہ تھا کہ وہ بہت عقلمند تھے۔ حضرت یوسفؑ نے سوچا کہ اگر ان لوگوں کو پہلے اسلام کی دعوت دی جائے۔ اس کے بعد خواب کی تعبیر بیان کی جائے تو اس کا زیادہ اثر ہو گا۔ اسی لئے آپ نے تعبیر بیان کرنے میں تاثر فرمایا۔ جیسا کہ قرآن پاک کہتا ہے۔

”کننہ لگا ایک، ان میں سے کہ میں دیکھتا ہوں کہ میں نچوڑتا ہوں، شراب اور دوسرے نے کہا کہ میں اٹھا رہا ہوں، سر پر روٹی کہ پرندے کھاتے ہیں، اس میں سے۔ لہذا آپ دونوں کے خوابوں کی تعبیر بتائیں کیونکہ ہم آپ کو نیکی والا دیکھتے ہیں۔“

خانساں نے اپنے خیال میں بڑا اہم سوال کیا۔ ”آپ تو اپنے آپ کو پیغمبر زادہ کہتے ہیں پھر غلام کس طرح ہو گئے؟“

حضرت یوسفؑ نے کہا۔ ”میرے بھائی مجھ سے حسد کرتے تھے۔ انہوں نے مجھے دھوکہ دے کر بردہ فروش کے ہاتھ فروخت کر دیا۔“

پھر حضرت یوسفؑ نے انہیں الف سے لے کر یٰ تک اپنی پوری داستان سنائی۔ آپ کی داستان سن کر وہ دونوں بہت متاثر ہوئے۔

ساتی نے کہا۔ ”اب آپ فرمائیے۔ ہم کیا کریں۔ اپنے دین پر قائم رہیں یا اس سے بھر جائیں۔“

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ (قرآن) ”اے رفیقو! بھلا سوچو کہ کئی معبود جدا جدا بہتر ہیں یا ایک اللہ بہتر ہے؟“

پھر حضرت یوسفؑ نے ان سے دین حق پر بڑی تفصیل سے گفتگو کی۔ یہاں تک کہ وہ بتوں کی پرستش سے تائب ہو کر اسی وقت دین ابراہیمی میں داخل ہو گئے۔

ساتی نے کہا۔ ”اے اللہ کے نبی! ہم اپنے بتوں کی پرستش چھوڑ کر آپ کے باپ دادا کے دین پر ایمان لے آئے ہیں۔ اب آپ ہمارے خوابوں کی تعبیر سے ہمیں آگاہ کیجئے۔“

ابھی ان لوگوں کا روز کا کھانا قید خانے میں نہ پہنچا تھا۔ کہ حضرت یوسفؑ نے ان کے خوابوں کی تعبیر بیان کرنا شروع کی۔

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ ”اے رفیقو! تم میں سے جس نے خواب میں انگور نچوڑتے دیکھا ہے وہ کل اس قید خانے سے نجات پائے گا۔ یہی نہیں بلکہ خلعت حاصل کر کے بادشاہ کو حسب سابق شراب پلانے پر مامور ہو گا۔۔۔۔۔ اور جس شخص کے سر پر روٹی رکھی تھی اور پرندے چونچیں مار رہے ہیں اس کے خواب کی یہ تعبیر ہے کہ وہ اپنے جرم کی پاداش میں کل سولی پر چڑھے گا اور اڑتے جانور اس کا مغز نوچ نوچ کر کھائیں گے۔“

حضرت یوسفؑ نے تعبیر بیان کی تو وہ شخص جس کو سولی پر چڑھنا بتایا گیا تھا، وہ تو

حضرت یوسفؑ نے کہا کہ ”نہ آنے پائے گا“ تم کو کھانا جو ہر روز تم کو ملتا ہے کمر میں بتاؤں گا، تم کو تعبیر اس کے آنے سے پہلے۔ یہ علم ہے سکھایا۔ مجھ کو میرا رب نے اور میں نے چھوڑا دین، اس قوم کا یقین نہیں رکھتے اللہ پر اور آخرت سے بھی وہ منکر ہیں۔“

حضرت یوسفؑ نے انہیں یقین دلایا کہ ان کے خوابوں کی تعبیر انہیں روز کا کھانا آنے سے پہلے بتا دی جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہ کہہ کر ”یہ علم سکھایا ہے مجھے“ میرے رب نے“ انہیں اسلام کی دعوت دی۔

ساتی نے پوچھا۔ ”بھلا بتائیے تو“ آپ کا رب کون ہے؟“

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ ”میرا رب وہی ہے جو سارے جہان کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہی ہر ایک کو روزی دیتا ہے وہی پیدا کرتا ہے اور وہی مارتا ہے۔“

دوسرا سوال خانساں نے کیا۔ ”آپ بتائیے آپ کا دین کون سا ہے جو آپ ہمارے بتوں سے بیزار نظر آتے ہیں؟“

حضرت یوسفؑ نے فوراً جواب دیا۔ ”میرا دن کوئی نیا نہیں ہے۔ میں تو اپنے باپ دادا کے دین کا پیروکار ہوں۔“

اس نے پھر سوال کیا۔ ”آپ کے باپ دادا کون ہیں؟“

حضرت یوسفؑ نے ارشاد فرمایا۔ ”میرے باپ حضرت یعقوبؑ بن اسحاقؑ بن ابراہیمؑ خلیل اللہؑ ہیں۔“

قرآن میں یوں ارشاد ہوا ہے۔ ”اور پکڑا میں نے دین، باپ دادوں کا۔ ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا اور ہمارا کام نہیں کہ شریک کریں اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کو۔ یہ فضل ہے ہم پر اور سب لوگوں پر لیکن بہت لوگ شکر نہیں کرتے۔“

ان دونوں نے جرح کا انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ”ہم اگر بتوں کو پوجتے ہیں تو آپ کو کیا اعتراض ہے؟“

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ ”اعتراض یہ ہے کہ تم ایسی چیز کو پوجتے ہو جو خدائی کے لائق نہیں۔“

لیکن وہ اس کا گلہ کس سے کرتے۔ وہ پھر خداوند تعالیٰ کی عبادت اور ریاضت میں لگ گئے اور اپنے فرصت کے اوقات میں تبلیغ کرنے لگے۔

ایک دن جبریلؑ حضرت یوسفؑ کے پاس تشریف لائے اور بولے۔ ”اے یوسفؑ! تم نے اپنی نجات کے لئے اپنے اللہ سے رجوع کیوں نہ کیا۔ اس کے بجائے مصر کے بادشاہ سے تم نے اپنی نجات کی امید باندھی۔ اسی کی سزا ہے کہ تم اب تک قید میں ہو اور ابھی اسی طرح سات برس اور گزارنا پڑیں گے۔“

ایک روایت ہے کہ جب جبریلؑ قید خانے میں تشریف لائے تو حضرت یوسفؑ نے ان سے سوال کیا۔ ”اے‘ مقرب بارگاہ عالی! اللہ تعالیٰ نے مجھے کس گناہ کی پاداش میں اس قید خانے میں ڈالا ہے اور اپنی رحمت و شفقت کے بجائے اس ذلت و خواری میں رکھا ہے؟“

حضرت جبریلؑ نے جواب دیا۔ ”اے یوسفؑ! تم نے شوق سے ذلت کو اختیار کیا ہے اور اپنے کام کو خدا کے توکل پر نہ چھوڑا۔ حالانکہ وہی قاضی الحاجات ہے۔“

حضرت یوسفؑ نے انفرادی سے کہا۔ ”لیکن میں نے قید کی ذلت کی تمنا تو نہ کی تھی؟“

حضرت جبریلؑ نے جواب دیا۔ ”اے یوسفؑ! اس وقت کو یاد کرو جب تم نے کہا تھا۔ (قرآن) اے میرے رب! مجھ کو قید پسند ہے، اس بات سے کہ جس طرف یہ مجھ کو بلاتی ہے۔“

حضرت یوسفؑ نے یہ الفاظ، اس وقت کہے تھے، جب زلیخا کی سیلیوں نے کہا تھا کہ اگر تم زلیخا کا کمانہ مانو گے تو قید میں ڈال دیئے جاؤ گے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کو صرف خیر کی دعا مانگنا چاہئے کیونکہ اپنے لئے برائی کی دعا مانگنے والے کی بھی دعا قبول ہو جاتی ہے اور وہ مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

حضرت یوسفؑ نے پھر سوال کیا۔ ”اے جبریلؑ! تمہیں کچھ میرے غمزہ باپ کی خبر ہو تو مجھے سناؤ؟“

حضرت جبریلؑ نے جواب دیا۔ ”وہ تمہارے غم میں مبتلا ہو گئے ہیں انہوں نے

چیننے چلانے اور رونے لگا لیکن جس کے لئے حضرت یوسفؑ نے سابقہ عہدے پر بحال کا اعلان کیا تھا۔ وہ بہت خوش ہوا اور اس نے حضرت یوسفؑ کا شکریہ ادا کیا۔

جس وقت ساتی حضرت یوسفؑ کا شکریہ ادا کر رہا تھا اس وقت شیطان نے حضرت یوسفؑ کے دل میں اپنی رہائی کا خیال بھی ڈال دیا۔ حضرت یوسفؑ نے ساتی سے کہا۔ ”اے بندہ خدا! کل جب تمہیں آزاد کیا جائے اور تم خلوت میں اپنے بادشاہ کو شراب پلانے جاؤ تو اس سے کہنا کہ ایک نوجوان بے گناہ قید و بند میں پڑا ہوا ہے۔“

حضرت یوسفؑ کا ساتی سے یہ التماس، مالک کون و مکان کو ناگوار گزرا۔ کیونکہ حضرت یوسفؑ نے اپنی رہائی کے لئے خدا کو بھول کر غیر از خدا سے نجات کی توقع کی تھی۔ چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

(قرآن) ”اور کہہ دیا یوسفؑ نے اس سے جو بچے گا، ان دونوں میں سے میرا ذکر کرنا، اپنے خداوند کے پاس، سو بھلا دیا شیطان نے ذکر اپنے خداوند سے، پھر رہ گئے یوسفؑ قید میں کئی برس۔“

جس روز یوسفؑ نے ساتی اور خاندان کو خوابوں کی تعبیر بتائی۔ اس کے دوسرے ہی دن دونوں کو قید خانے سے نکلوا گیا۔ خاندان پر زہر دینے کا جرم ثابت ہو گیا۔ اس لئے اسے سولی پر چڑھا دیا گیا اور اس کی لاش میدان میں پھینک دی گئی اور اس کا مغز اڑتے ہوئے پرندے کھانے لگے جیسا کہ حضرت یوسفؑ نے فرمایا تھا۔

ساتی کو تعبیر یوسفؑ کے مطابق باعزت طور پر بری کر دیا۔ وہ اپنے سابقہ عہدے پر بحال ہو گیا اور بادشاہ کی خلوت و جلوت کا مصاحب بن گیا۔ لیکن اس کے دل سے وہ بات جو حضرت یوسفؑ نے اس سے اپنے بادشاہ سے کہنے کے لئے کہی تھی بالکل محو ہو گئی اور حضرت یوسفؑ اسی طرح بندی خانے میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔

حضرت یوسفؑ کے دل میں کئی بار یہ خیال آیا کہ اگر ساتی نے اپنے بادشاہ سے ان کی بے گناہی کے بارے میں کچھ کہا ہوتا تو ممکن تھا کہ ان کو بھی رہائی مل جاتی

گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے اور تمہاری جدائی میں روتے روتے بینائی سے بھی محروم ہو چکے ہیں۔“

حضرت یوسفؑ کا دل تڑپ اٹھا۔ انہوں نے کہا۔ ”اے جبرئیل! میں تو اپنے کے کی سزا بھگت رہا ہوں مگر میرے باپ کو یہ کس گناہ کی سزا مل رہی ہے؟“

حضرت جبرئیل نے کہا۔ ”یہ سب تمہاری محبت نے کیا ہے۔ خدا کو یہ چیز ہرگز پسند نہیں کہ اس کا بندہ اپنے خالق کو چھوڑ کر اس کی مخلوق سے محبت کرے یا اس کا سارا ڈھونڈے۔“

حضرت یوسفؑ نے بے چین ہو کر پوچھا۔ ”آخر ان کا غم کب ختم ہو گا۔ ان کی فلاح کی بھی کوئی صورت ہے؟“

حضرت جبرئیل امین نے جواب دیا۔ ”حضرت یعقوبؑ دن رات عبادت کرتے ہیں اس وجہ سے انہیں روزانہ ایک شہید کا درجہ ملتا ہے۔“

اس بات سے حضرت یوسفؑ کو کچھ سنارہا ہوا۔ انہوں نے کہا۔ ”اگر اللہؑ ان پر اتنا مہربان ہے تو پھر کچھ مضائقہ نہیں۔“



دن، مہینے اور سال پہ سال گزرتے رہے۔ کنعان میں حضرت یعقوبؑ فراق یوسفؑ میں آنکھوں کی بینائی کھو چکے تھے۔ مصر میں زلیخا اپنے محبوب کو قید میں بھیج کر پہچنتا رہی تھی۔ جس طرح یعقوبؑ بیٹے کی جدائی میں تڑپ رہے تھے اسی طرح زلیخا، محبوب کے فراق میں سلگ رہی تھی۔

اس کی ننگسار، وہی پانچ کیزیں تھیں۔ وہ زلیخا کو تسلی و تشفی دیتیں لیکن خود بھی چھپ چھپ کر آنسو بہاتیں کیونکہ وہ بھی حضرت یوسفؑ کا رخ زیبا دیکھ کر ان پر عاشق ہو گئی تھیں۔

حضرت یوسفؑ رضائے الہی پر شاکر تھے۔ وہ عبادت کرتے اور قیدیوں میں دین ابراہیمی کی تلقین فرماتے تھے۔ اس طرح آپ کے قید و بند کے سات سال پورے ہو گئے۔

اسی زمانے میں ایک رات مصر کے بادشاہ ریان ابن الولید نے ایک حیرت انگیز خواب دیکھا۔ صبح ہوئی تو وہ اپنے بستر سے پریشان پریشان سا اٹھا۔ نہ کسی سے بولتا تھا نہ کسی کی سنتا تھا۔ پھر اس نے وزیر اعظم کو طلب کیا اور حکم دیا کہ ملک کے تمام نجومیوں کو دربار میں پیش کیا جائے۔

وزیر اعظم نے حکم شاہی کے تحت تمام بڑے چھوٹے نجومیوں کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ اراکین دولت اور مدبران قوم کو بھی ایک خاص دن دربار میں پہنچنے کا حکم ہوا۔ جتنے دن تک یہ انتظام نہ ہو گیا۔ بادشاہ اپنے محل سے برآمد نہ ہوا۔ جب وزیر اعظم نے بادشاہ کو خبر دی کہ تمام نجومی، دانشور اور اراکین سلطنت کل حضور کی سلامی اور قدم بوسی کے لئے حاضر ہوں گے تو بادشاہ نے دربار جانے کا فیصلہ کر لیا۔

دربار مصر کو پہلے سے بھی زیادہ آراستہ پیراستہ کیا گیا۔ کیونکہ شاہ مصر کئی دن کے بعد آج دربار میں آ رہا تھا۔ لوگوں کو اڑتے اڑتے یہ خبر بھی مل گئی کہ بادشاہ کسی وجہ سے پریشان ہے۔ اسی لئے نجومیوں اور دانشوروں کو دربار میں طلب کیا ہے۔

صبح ہی سے دربار میں بھیڑ لگنا شروع ہو گئی۔ لوگ آتے اور اپنی اپنی مخصوص نشستوں پر بیٹھ جاتے۔ دربار کے مقررہ وقت پر شاہ مصر، کینوز، غلاموں اور اراکین سلطنت کے جلو میں بڑی شان و تمکنت سے دربار میں آیا۔ سب لوگ اس کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور بعض سجدے میں گر پڑے۔ بادشاہ کا چہرہ اترا ہوا تھا اور وہ خاموش تھا۔

جب سب درباری اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے تو شاہ مصر نے کہا۔ (قرآن) ”اور کہا بادشاہ نے میں نے خواب دیکھا۔ سات گائیں موٹی کو، سات گائیں دلی کھاتی ہیں، اور اسی طرح دیکھا کہ سات بالیاں ہری تازی کو، سات بالیاں سوکھی کھاتی ہیں۔ اے میرے درباریو! اس خواب کی تعبیر بتاؤ اگر ہو تم تعبیر بتانے والے۔“

بادشاہ کی زبان سے یہ عجیب و غریب خواب سن کر دربار کا ہر شخص حیرت زدہ رہ گیا۔ اس خواب کی تعبیر کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔ بادشاہ نے ”فروا“ ”فروا“ ہر ایک نجومی اور دانشور سے اس کی تعبیر پوچھی مگر کوئی بھی نہ بتا سکا۔ بادشاہ اب تو اور پریشان

دی ہے۔ ظاہر ہے قیدی کسی جرم میں گرفتار کر کے ہی جیل میں ڈالا جاتا ہے اور ایک مجرم ضمیر انسان سے کسی اعلیٰ صفت کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے۔

ساتی نے بادشاہ کا موڈ بگڑتے دیکھا تو کہا۔ ”شاہ والا تبار کا خیال درست ہے۔ مجرم ضمیر لوگ اچھی صفوں کے حامل نہیں ہوا کرتے لیکن وہ ایسا شخص ہے جسے میں نے خود آزمایا ہے۔ اسی یقین کے تحت میں نے اس کا نام حضور کے سامنے پیش کیا ہے۔“

شاہ مصر نے کہا۔ ”دیکھ ساتی! ہم نے تجھ کو دوبارہ عزت و حرمت عطا کی ہے۔ کسی غلط آدمی کو ہمارے سامنے پیش کر کے اگر تو کسی مصیبت میں گرفتار ہو گیا تو پھر ہم ذمہ دار نہ ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ قیدی اپنی ربائی کے لئے ہمارے سامنے کوئی غلط تعبیر پیش کر دے۔“

ساتی کو اور گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔ پہلے تو اس نے چاہا کہ اس کام سے دست کش ہو جائے لیکن وہ مسلمان ہو چکا تھا اور اسے حضرت یوسفؑ پر پورا اعتماد تھا۔ اس اعتماد کے بھروسے پر اس نے پریقین لہجے میں کہا۔

”اے شاہ مصر! بادشاہوں کے سامنے غلط بیانی کرنا یا انہیں فریب دینا خود اپنی موت کو آواز دینے کے مترادف ہوتا ہے۔ حضور کو بتانا ہوں کہ یوسفؑ پر میرا اعتماد کیوں ہوا۔ عالی جاہ کو یاد ہو گا کہ آپ نے مجھے اور خانساں کو زہر دینے کے شے میں قید خانے بھیج دیا تھا۔ اس قید خانے میں میری ملاقات یوسفؑ سے ہوئی۔ ایک شب میں نے اور خانساں نے خواب دیکھے۔ صبح کو ہم نے اپنے خواب ایک دوسرے سے بیان کئے۔ میں نے خواب دیکھا تھا کہ میں خوشہ انگور نچوڑ رہا ہوں اور جام بھر رہا ہوں خانساں نے خواب دیکھا تھا کہ اس کے سر پر روٹیوں کا خوان ہے اور پرندے چونچیں مار مار کر روٹیاں کھا رہے ہیں۔

ہم نے اپنے خوابوں پر بہت غور کیا لیکن کوئی تعبیر سمجھ میں نہ آئی۔ پھر ہم نے طے کیا کہ اس کی تعبیر یوسفؑ سے پوچھنا چاہئے۔ کیونکہ جوان ہونے کے باوجود نہایت دیندار اور نیک آدمی تھا اور ہر وقت ہم قیدیوں کو نیک باتوں کی تلقین کیا کرتا تھا۔ ہم

ہوا۔ خواب اس کے لئے ایک معصہ بن گیا۔ جب نجومیوں نے تعبیر بتائے، معذوری ظاہر کی تو بادشاہ کو ہول آنے لگا اور اس کے دل میں طرح طرح کے دوسرے پیدا ہونے لگے۔

تمام نجومیوں نے اتفاق رائے سے بادشاہ کو مطلع کیا کہ یہ خواب اڑتا ہوا خواب ہے اور ایسے خوابوں کی تعبیر نجومی بتانے سے قاصر ہیں۔ انہوں نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ اس خواب کی تعبیر دنیا کا کوئی انسان نہیں بتا سکتا۔ بادشاہ کو نجومیوں کی باتوں پر بہت غصہ آیا۔ اس نے ان سب کو دربار سے نکلوا دیا لیکن اب پھر وہی سوال تھا کہ اس خواب کی تعبیر کون بتائے گا؟

پھر حکم خداوندی سے شاہ مصر کے شراب کشید کرنے والے کو ایک دم حضرت یوسفؑ کا خیال آیا۔ ساتی نے آہستہ سے بادشاہ کے کان میں کہا۔ ”شاہ معظم! اب ان سب کو رخصت کر دیجئے۔ میں آپ کو ایک ایسے آدمی کا نام بتاؤں گا جو اس خواب کی تعبیر منٹوں میں آپ کو بتا دے گا۔“

بادشاہ کو یقین تو نہ آیا لیکن اس نے تمام درباریوں کو رخصت کر دیا۔ شاہ مصر نے پوچھا۔ ”اے ساتی! اب بتا، کیا واقعی کوئی ایسا شخص موجود ہے؟ اس خواب کی تعبیر بتا سکتا ہے؟“

ساتی نے جواب دیا۔ ”حضور والا! آپ، میری بات کا یقین کیجئے وہ آدمی تعبیر بتانے میں ماہر اور کامل ہے۔“

”اس کا نام کیا ہے اور وہ کہاں ہے؟“ بادشاہ نے بے چینی سے پوچھا۔ ”ہم اس خواب کی وجہ سے سخت پریشان ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس الجھن سے ہمیں جلد نجات حاصل ہو۔“

”اس کا نام یوسفؑ ہے۔“ ساتی نے بتایا۔ ”یوسفؑ کئی سال سے جیل میں پڑا ہوا ہے۔“

یہ سن کر بادشاہ نے برا سا منہ بنایا اور بولا۔ ”ساتی! تو نے ہمارا دل توڑ دیا۔ بھلا ایک قیدی ایسے اہم خواب کی تعبیر کیسے بتا سکتا ہے۔ تجھے ضرور کسی نے غلط اطلاع

نے یوسفؑ سے اپنے خواب بیان کئے اور تعبیر پوچھی۔ یوسفؑ نے ذرا تامل کے بعد بے دھڑک بتایا کہ جس نے خود کو شراب پھونکتے دیکھا ہے وہ قید سے رہائی پائے گا اور اپنی ملازمت پر بحال ہو گا اور جس شخص کے سر پر روٹیوں کا قہار تھا وہ سولی پر چڑھے گا اور اس کا مغز پرندے نوج نوج کر کھائیں گے۔ عالم پناہ! ابھی چوبیس گھنٹے بھی نہ گزرے تھے کہ حضور نے ہم دونوں کو طلب کیا۔ مجھے پرانی خدمت پر مامور کیا اور خانہ سالن کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔

بادشاہ حیران ہوا۔ اس نے پوچھا۔ ”اے ساقی! کیا اس نے یہی تعبیر بتائی تھی؟“ ساقی نے بادشاہ کا مزاج نرم پایا تو چمک کر بولا ”عالم پناہ! میں تو کہتا ہوں کہ اس کی جوتیوں کے طفیل مجھے دوبارہ آپ کی خدمت اور عظمت حاصل ہوئی ہے۔“ ”اے ساقی! بس اب دیر نہ کر۔ فوراً قید خانے جا اور اس سے خواب کی تعبیر معلوم کر کے واپس آ۔“

ساقی جانے لگا تو بادشاہ نے کہا۔ ”اے ساقی! یقین رکھ اگر قیدی نے ہمیں صحیح تعبیر بتا دی تو ہم اس کے معاملے پر ہمدردی سے غور کریں گے۔“ ساقی بھاگ بھاگ قید خانہ پہنچا۔ حضرت یوسفؑ کا سامنا ہوا تو ساقی ان کے پیروں ہی بتا سکتے ہیں۔ کیونکہ مصر کے تمام نجومیوں اور دانشوروں نے تعبیر بتانے سے اپنی پر گر گیا۔ حضرت یوسفؑ نے اسے اٹھا کر گلے لگایا اور بڑی محبت سے اس کی خیریت مجبوری کا اظہار کیا ہے۔

دریافت کی۔ ساقی نے کہا۔ ”اے اللہ کے نیک بندے! میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔ سات موٹی اور فرہ گائیں کو ساتھ دلی گائیں کھاتی ہیں۔ اسی طرح سات ہری بھری قید خانے سے رہائی کی خوشی میں میں وہ بات اپنے بادشاہ سے کہنی بھول گیا جو آپ نے بالیوں کو ساتھ سوکھی بالیاں کھاتی ہیں۔ آپ مہربانی فرما کر اس کی تعبیر بتائیے تاکہ مجھ سے کمی نہ رہے۔ افسوس! اگر میں بادشاہ کو آپ کے حالات سے پہلے ہی آگاہ کر دیتا تو بادشاہ کے دل کو سکون ہو۔۔۔۔۔ نجومیوں کا خیال ہے کہ یہ اڑتے خواب ہیں۔ وہ آپ آج قید خانے میں نہ ہوتے۔“

حضرت یوسفؑ نے مسکرا کر کہا۔ ”اے ساقی! اللہ تعالیٰ نے ہر کام کا وقت مقرر کر رکھا ہے۔ اس میں بھی اس کی مصلحت تھی کہ تو میری بات بھول جائے اور میں قید میں رہوں۔“

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ ”اے ساقی! جاؤ اور اپنے بادشاہ سے کہو کہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اس ملک میں سات برس تک بڑی ارزانی رہے گی۔ کھیتی باڑی خوب ہوگی۔ اناج زیادہ پیدا ہو گا لیکن سات سال بعد ایک زبردست قحط کا سامنا ہو گا جس سے لوگ سخت پریشان ہوں گے۔ کھیتی باڑی کم ہوگی عوام تکلیف اور اذیت میں

جتلا ہوں گے یہ تعبیر جا کر بیان کر دو۔ میرا خدا تم کو سرخرو کرے گا۔“

ساتی حضرت یوسفؑ کا شکریہ ادا کر کے خوشی خوشی دربار شاہی میں واپس پہنچا۔ بادشاہ اور تمام درباریوں کی نظریں ساتی کے انتظار میں دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ ”تم بھیتی کو گے سات برس محنت سے۔ پس جو کچھ کاٹو تم، پس چھوڑ دو“ اس کو بیچ ساتی جیسے ہی دربار میں داخل ہوا۔ بادشاہ نے سوال کیا۔ ”اے ساتی! تجھے کب بایوں میں اس کی مگر تھوڑا اس میں سے کھاؤ۔۔۔۔۔ پھر آئے گا اس کے پیچھے ایک حد تک کامیابی حاصل ہوئی؟“

ساتی آداب بجا لا کر بولا۔ ”شاہ معظم میں آپ کے خواب کی تعبیر لے کر حاضر ہوا ہوں۔ تعبیر اس خواب کی یہ ہے کہ سات سال تک اس ملک میں غلے کی فراوانی ملے گا۔ مگر یہ کہ غلے کو اگر گوداموں میں ذخیرہ کیا گیا تو اس کے گلنے سرنے اور کیزا ہوگی۔ خوب کھیتی باڑی ہوگی۔ اناج بہت زیادہ پیدا ہو گا پھر سات سال کی خوشحالی انہیں استعمال کیا جائے۔

بعد مصر میں زبردست قحط پڑے گا۔ غلہ کم پیدا ہو گا اور لوگ مصیبت میں گرفتار ہوں گے۔ خوشحالی بد حالی میں بدل جائے گی۔“

درباریوں کو یہ تعبیر سن کر بڑی حیرانی ہوئی۔

بادشاہ ایک لمحہ سوچنے کے بعد بولا۔ ”بے شک! یہ تعبیر دل کو لگتی ہے۔ اس کے سوا اس خواب کی اور کوئی تعبیر ہو ہی نہیں سکتی لیکن اے ساتی! یہ تو بتا کہ اس عظیم عقلمند اور دانا ہے اور اس قابل ہے کہ اس کو مصر کی وزارت پر فائز کیا جائے۔“

ساتی تو دل سے یہی چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔ ”اے تاجدار مصر! یوسفؑ ایک

ساتی تھا تو بہت عقلمند لیکن ایسے الجھے ہوئے مسائل کا حل اس کے پاس نہ تھا۔ صالح اور دانا جوان ہے۔ اس میں گونا گوں خوبیاں موجود ہیں۔ جنہیں الفاظ میں احاطہ اس نے کہا۔ ”حضور والا! یہ حقیر اس کی کوئی تدبیر بتانے سے قاصر ہے؟“

بادشاہ نے کہا۔ ”اے ساتی! ہمارے خواب کی تعبیر بتانے والا سچا ہے۔ بہتر ہے اور اپنا غلام بنا کر گھر میں رکھا تھا۔“

کہ تو اس کے پاس واپس جا اور پوچھ کہ ہمارا ملک اس مصیبت سے کس طرح محفوظ رہ سکتا ہے؟“

بادشاہ نے پوچھا۔ ”اگر وہ خرید کردہ غلام ہے تو عزیز مصر نے اسے قید میں کیوں

ساتی نے جواب دیا۔ ”یوسفؑ نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ وہ کسی کا غلام نہیں۔ ہمارے بادشاہ نے آپ کی تعبیر کو سچ جانا اور اس کی تصدیق کی ہے لیکن اب آپ سے اس کے سوتیلے بھائیوں نے حسد اور جلاپے کی وجہ سے عالم طفلی میں پکڑ کر بھی بتائے کہ اس قحط کی مصیبت سے ہمیں کس طرح نجات مل سکتی ہے۔ یہ بات

ہمارے بادشاہ نے دریافت کی ہے اور اگر آپ خواہش کریں تو میں آپ کو شاہی دربار میں اپنے ساتھ لے چلوں تاکہ ان لوگوں کو آپ کی عظمت کا احساس ہو۔“

شاہ مصر کو یہ باتیں سن کر بڑا افسوس ہوا۔ وہ حضرت یوسفؑ کی عقلمندی سے بہت متاثر ہوا تھا اور چاہتا تھا کہ انہیں کوئی اچھا منصب پیش کرے۔ شاہی ہرکارہ دوڑا ہوا گیا اور ناظم قید خانہ کو بلا لایا۔

یوسفؑ کو اپنی بیوی کی تہمت کی پاداش میں قیدخانے میں ڈال رکھا ہے۔ زلیخا کی کنیزیں اس سے محبت مخفی رکھتی ہیں اور زلیخا کے خوف کی وجہ سے پوشیدہ طور پر اسے کھانا بھجواتی رہتی ہیں لیکن وہ قانع نوجوان بہت کم کھاتا ہے اور تمام کھانا قیدیوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔

اب شاہ مصر کے سامنے ایک نیا مقدمہ پیش ہو گیا۔ وہ کچھ دیر غور کرتا رہا پھر حکم دیا کہ ”عزیز مصر کو فوراً حاضر کیا جائے۔“

حکم کی تعمیل ہوئی اور عزیز مصر لرزاں و ترساں دربار میں پہنچ کر آداب بجالایا اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

شاہ مصر نے رعب وار آواز میں پوچھا۔ ”تعمیر! تم نے یوسفؑ نامی ایک نوجوان کو قیدخانے میں کیوں ڈال رکھا ہے؟“

عزیز مصرؑ ناظم قیدخانہ کو دربار میں دیکھ کر معاملے کی نوعیت کو کسی حد تک بھانپ گیا تھا اور اس باب میں جواب کے لئے بھی خود کو تیار کر لیا تھا۔ اس نے نہایت ادب اور شائستگی سے کہا۔ ”شاہ عالی مقام جانتے ہیں کہ میں نے اس غلام کو مالک بن زغر سے خریدا تھا۔ میں نے اسے اپنا بیٹا بنا کر گھر میں رکھا اور ہر طرح کا آرام دیا لیکن اس نے مجھے فریب دیا اور امانت میں خیانت کا مرتکب ہوا۔ اس لئے میں نے مجبور ہو کر اسے قید میں ڈال دیا۔“

بادشاہ کو عزیز مصر کی باتوں کا یقین نہ آیا۔ اس نے ساتی سے کہا۔ ”اے ساتی! قیدخانے جا اور اس نیک جوان کو نہایت عزت و احترام سے میرے دربار میں لے آ۔“

ساتی فوراً قیدخانے پہنچا اور جو کچھ دربار میں پیش آیا تھا۔ وہ حضرت یوسفؑ کے گوش گزار کرنے کے بعد ان سے دربار میں چلنے کی درخواست کی۔

حضرت یوسفؑ نے ساتی سے کہا۔ ”اے ساتی! تم جانتے ہو کہ میں عزیز مصر کا غلام ہوں اور اپنے مالک کی مرضی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔ دربار شاہی میں جانے کے لئے مجھے عزیز مصر کے حکم کی ضرورت ہے۔“

بادشاہ نے اس سے سوال کیا۔ ”تمہارے قیدخانے میں یوسفؑ نام کا ایک موجود ہے۔ اس کے افعال و کردار کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟“

ناظم قیدخانہ نے ادب سے جواب دیا۔ ”حضور والا! یوسفؑ انتہائی نیک اور کردار کا مالک ہے۔ وہ اس قدر خوبصورت ہے کہ میں نے آج تک ایسا نوجوان دیکھا۔ حضور میری بات کو مبالغہ نہ سمجھیں۔ مجھے یقین ہے کہ جب وہ دربار میں ہو گا تو ہر شخص میری بات کی تصدیق کرے گا۔“

”دوسرے قیدی اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟“ بادشاہ نے مزید تصدیق پر ناظم نے جواب دیا ”ہر قیدی اس کی تعریف کرتا ہے۔ اس نے آج تک کم تکلیف نہیں ہونے دی۔ دن بھر عبادت و ریاضت میں مصروف رہتا ہے۔ فرض اوقات میں قیدی ان کے پاس جا بیٹھتے ہیں۔ یوسفؑ انہیں نیکی کی تلقین کرتا ہے۔ بادشاہ کی شاید پھر بھی تسلی نہ ہوئی۔ اس نے پوچھا۔ ”اگر وہ ایسا ہی نیک ہے تو تم نے اس کے کھانے پینے کا کیا بندوبست کیا ہے۔ کیا اسے بھی عام قید کھانا دیا جاتا ہے؟“

”نہیں، عالیجاہ!“ ناظم نے کہا۔ ”اس کا کھانا عزیز مصر کی بیوی زلیخا بھیجتی ہے کبھی زلیخا کی پانچ منہ چڑھی اور رازدار کنیزیں بھی اسے اچھے اچھے کھانے بھیجتی ہیں۔ بادشاہ نے بگڑ کر پوچھا۔ ”قیدی کو باہر سے کھانا کیوں بھیجا جاتا ہے۔ ان عورتوں سے کیا تعلق ہے؟“

ناظم قید خانہ ذرا جھکا پھر بولا۔ ”حضور اگر عزیز مصر کے ہاتھوں سے میری امان دیں تو میں اصلی واقعہ بیان کروں؟“

بادشاہ کو طیش آ گیا۔ اس نے گرج کر کہا۔ ”اے نادان! تو عزیز مصر دُرتا ہے۔ ہم بادشاہ ہیں۔ عزیز مصر ہمارا خادم ہے۔ خبردار! جو ایک لفظ بھی نکالا۔“

ناظم نے ہمت کر کے کہا ”عالیجاہ! عزیز مصر کی بیوی زلیخا اور اس کی پانچولہ اس نوجوان پر عاشق ہیں مگر وہ نیک مرد کسی کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ عزیز

دوسری عورت نے بھی اس بات کی تصدیق کر دی۔

زلخا نے دیکھا کہ اب تو بابت سردبار کھل گئی ہے اور اصل مجرم وہ خود ہے۔ اس کے عشق نے زور مارا اور اس نے بھرائی ہوئی آواز میں بادشاہ سے کہا۔ ”اے تاجدار مصر! آپ ان کینزوں سے کیا پوچھتے ہیں جو خطا ہوئی وہ مجھ سے ہوئی ہے۔ اس مقدمے میں کسی گواہ اور شاہد کی ضرورت نہیں۔ میں خود اقرار کرتی ہوں کہ گناہ مجھ سے سرزد ہوا ہے اور حضرت یوسفؑ بے گناہ قید میں ڈالے گئے ہیں۔ میں ان کے عشق میں بے قرار ہوئی تھی اور اب بھی بے قرار ہوں۔ آپ جو چاہیں، مجھے سزا دیں سزاوار میں ہوں۔“

زلخا کو اپنے تن کا ہوش نہ رہا۔ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ اس جگہ اس کا شوہر بھی موجود ہے۔ اس کی بے قراری اس درجہ بڑھی کہ اس نے وہیں آہ و بکا شروع کر دی۔ وہ خود کو بار بار کوستی تھی کہ اس نے اپنے محبوب پر ظلم کیا اور اس بے گناہ کو قید میں ڈالا۔ اس نے اس طرح آہ و زاری کی کہ تمام درباریوں کی آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں۔ شاہ مصر پر اس منظر کا اتنا اثر ہوا کہ اسے عزیز مصرؑ زلخا اور کینزوں سے پھر کوئی باز پرس نہ کی اور انہیں معاف کر کے دربار سے رخصت کر دیا۔



حضرت یوسفؑ کے مصائب کا دور ختم ہو چکا تھا۔ وہ عزیز مصر کی غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہو چکے تھے۔ مصر جس کے بازار میں ان کی نیلامی ہوئی تھی وہی مصر آج ان کے قدم چومنے کے لئے بے چین تھا۔۔۔۔۔ شاہ مصر نے سواری بھیج کر حضرت یوسفؑ کو اپنے پاس بلوایا۔ جس وقت حضرت یوسفؑ دربار میں تشریف لائے تو ریان ابن الولید نے مسند شاهی سے اٹھ کر ان کا استقبال کیا اور اس خوش جمال اور خوش اطوار جوان کو اپنے ساتھ مسند شاهی پر بٹھایا۔

شاہ مصر نے کہا۔ ”اے یوسفؑ! آپ کو عزیز مصر نے ناحق قید کیا۔ اب وہ اپنے کپے پر شرمندہ ہے۔“

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ ”اے فرمانروا! میرا مقصد، عزیز مصر کو شرمندہ کرنا ہرگز

حضرت یوسفؑ نے سوچا کہ اس وقت موقع ہے کہ ساتی کے ذریعے بادشاہ کو ان تمام واقعات سے آگاہ کر دیں جو ان کے اور زلخا کے درمیان پیش آئے تھے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے لیکن انہیں فوراً خیال آیا کہ خداوند قدوس نے انہیں حضرت جبرئیل کے ذریعے تاکید فرمائی ہے کہ زلخا کا نام نہ لیا جائے اور اس کی عیب پوشی کی جائے۔ اس خیال کے آتے ہی انہوں نے افشائے راز کا ارادہ ترک کر دیا۔

پھر حضرت یوسفؑ نے ساتی سے کہا۔ ”اے ساتی! اگر بادشاہ کو حقیقت حال ہی معلوم کرنا ہے تو میرے بجائے ان عورتوں کو بلوا کر دریافت کرے جن عورتوں نے مجھے دیکھ کر لیمو تراشنے کے بجائے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ وہ تمام عورتیں میری گواہ اور شاہد ہیں۔“

ساتی پھر دربار واپس گیا اور جو کچھ حضرت یوسفؑ نے فرمایا تھا وہ بلا کم و کاست اس سے بیان کر دیا۔ بادشاہ مصر عالی دماغ اور عدل پرور تھا۔ اس نے حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے اسی وقت زلخا اور اس کی پانچویں کینزوں کو دربار میں طلب کر لیا۔

اس وقت دربار کا منظر دیکھنے کے قابل تھا جب زلخا اور پانچویں کینزیں شرم سے نظریں جھکائے دربار میں داخل ہوئیں۔ شان خداوندی تو دیکھئے کہ تمام مجرم تو دربار میں حاضر ہو گئے لیکن خدا نے ایسے حالات پیدا کئے کہ نبی زادے کو دربار میں آنے اور زلخا پر کھلا الزام لگانے کا موقع نہ دیا۔

بادشاہ نے کینزوں سے پوچھا۔ ”اے کینز! اگر اپنی جان کی خیر چاہتی ہو تو ہمیں سچ بتاؤ کہ تم نے یوسفؑ کی خواہش کی تھی یا یوسفؑ نے تمہاری خواہش؟“

ان میں سے ایک عورت نے جواب دیا۔ ”اے بادشاہ! سچ بات تو یہ ہے کہ ہم نے ایسا حسن و جمال کبھی نہ دیکھا تھا۔ جب ہم نے اس جوان کو یک بارگی دیکھا تو ایسے مدہوش ہوئیں کہ لیمو کے بجائے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ ہم نے اس کی طلب کی تھی۔ وہ بے گناہ قید میں پڑا ہے۔“

نہ تھا۔ میں تو صرف یہ چاہتا تھا کہ حقیقت پر سے پردہ اٹھ جائے۔ عزیز مصر میرے لئے محترم ہیں اور ان کے مجھ پر بہت سے احسانات ہیں۔“

شاہ نے کہا۔ ”اے یوسف! تم جیسے صالح اور فرزانہ انسان کی مصر کو ضرور ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تمہیں وزارت کے عہدے پر فائز کریں۔“

حضرت یوسفؑ نے ارشاد فرمایا۔ ”میں اس عزت افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن میں یہ خدمت بجالانے سے معذور ہوں کیونکہ میں رعیت کی خبرگیری اور انہیں آرام پہنچانے کا خود کو اہل نہیں سمجھتا۔“

ریان ابن الولید نے کہا۔ ”اے یوسف! آپ کی خویوں کی ہمیں خبر ہے۔ تو دربار آپ کا مداح ہے۔ ہم عزیز مصر کو معزول کر کے اس کا عہدہ آپ کو دینے کا خواہشمند ہیں۔“

حضرت یوسفؑ گھبرا گئے۔ انہوں نے فرمایا۔ ”اے شاہ مصر! میں گنہگار نہیں ہوں۔ عزیز مصر کو اپنے عہدے پر برقرار رکھا جائے میں ان کی جگہ لینے کو ہرگز تیار ہوں۔“

حضرت یوسفؑ نے انکار سے شاہ مصر اور زیادہ خوش ہوا۔ اس نے کہا۔ ”میں تمہارے خلوص اور احسان شناسی سے بہت خوش ہوں۔ تمہارے کہنے کے مطابق ہم عزیز مصر کو اس کے عہدے پر برقرار رکھیں گے لیکن ہم تمہیں مصر سے نہ جانے دیں گے۔ تمہیں کوئی نہ کوئی خدمت تو ضرور قبول کرنا ہوگی۔ ہم تمہاری صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا کر مصر کو زیادہ سے زیادہ خوشحال بنانا چاہتے ہیں۔“

آخر جب شاہ مصر نے بہت اصرار کیا تو حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ ”اگر شاہ مصر مجھے واقعی اتنی اہمیت دیتے ہیں تو غلے کا انتظام میرے سپرد کر دیا جائے۔“

شاہ مصر نے فوراً قبول کر لیا اور کہا۔ ”آج سے محکمہ اجناس آپ کے سپرد کیا گیا۔ ہم ابھی اس کا فرمان جاری کر دیتے ہیں۔“

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ ”شاہ مصر اپنے فرمان میں اس امر کی ضرورت وضاحت فرما دیں کہ اناج کا ایک دانہ بھی میری اجازت کے بغیر ادھر سے ادھر نہ کیا جائے۔“

شاہ مصر نے اسی وقت فرمان جاری کروایا اور حضرت یوسفؑ کے ارشاد کے مطابق اس میں ہر بات کی وضاحت کر دی گئی۔ حضرت یوسفؑ نے محکمہ خوراک سنبھال لیا اور اناج کے انتظام میں مصروف ہو گئے۔

حضرت یوسفؑ کو حضرت جبرئیل کے ذریعے پہلے ہی علم ہو چکا تھا کہ سات سال بعد ملک میں قحط پڑے گا۔ اس لئے آپ نے قحط کے مصائب سے بچنے کے لئے ابھی سے غلہ جمع کرنا شروع کر دیا۔ حضرت یوسفؑ نے محکمہ خوراک کی خواہش اس لئے کی تھی کہ اس زمانے میں کاشتکاروں سے شاہی ٹیکس کے نام پر آدھا غلہ حاصل کر لیا جاتا تھا۔ اس وجہ سے عوام بد حال اور پریشان رہتے تھے اور ارکان حکومت عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ حضرت یوسفؑ نے پرانا قانون منسوخ کر کے غلے کی تقسیم کا نیا نظام جاری کیا۔

اسی دوران، زلیخا کے شوہر عزیز مصر کا انتقال ہو گیا۔ زلیخا کو جب شوہر سے آزادی ملی تو اس نے پھر حضرت یوسفؑ سے راہ و رسم پیدا کرنے کی کوشش کی مگر آپ نے کوئی توجہ نہ فرمائی اور کاروبار سلطنت میں مصروف رہے۔ زلیخا کے عشق کی شدت بڑھتی جاتی تھی مگر نہ اس کی آہوں میں اثر پیدا ہوا اور نہ نالہ و شیون سے آپ کا دل سمیٹا آپ کے دنیاوی درجات روز بروز بڑھتے گئے۔ شاہ مصر نے ان میں ایسی اہمیت اور قابلیت دیکھی تو انتظام سلطنت سے کسی حد تک کنارہ کش ہو گیا۔ اس نے عزیز مصر کے فرائض بھی حضرت یوسفؑ کے حوالے کر دیئے۔

حکم خداوندی کے تحت سات سال گزرنے کے بعد مصر میں قحط نمودار ہوا۔ کھیتیاں سوکھ گئیں اور ہر طرف دیرانی پھیل گئی۔ حضرت یوسفؑ نے اس قیامت صغرا سے مصر کو بچانے کے لئے اناج کا وافر ذخیرہ کر لیا تھا۔ انہوں نے اناج کی ایک قیمت مقرر کر دی اور حکم دیا کہ جب تک قحط ختم نہیں ہو جاتا اسی قیمت پر غلہ فروخت ہو گا۔

یہ قحط صرف مصر ہی میں نہیں بلکہ اس کی لپیٹ میں دور دور تک کے ممالک آ گئے اور لوگ بھوک سے مرنے لگے۔ ایک ملک کے لوگ بھاگ کر دوسرے مل جاتے

تو معلوم ہوتا کہ وہاں والوں کی حالت تو ان سے زیادہ ابتر ہے۔

قحط کا ایک ساتھ تو کسی طرح گزر گیا۔ لوگ اپنے اثاثے بیچ بیچ کر غلہ خرید کھاتے رہے مگر قحط تو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ جب گھر کی جمع جھٹا ختم ہو تو مصر والوں نے گھریلو سامان بیچنا شروع کر دیا۔ تاکہ بھوک کی آگ کو بجھایا جاسکے کہتے ہیں کہ بھوک کی آگ تمام جذبوں کو جلا کر رکھ دیتی ہے۔ اس میں حقیقت موجود ہے۔ کیونکہ دو سال کے اندر مصر والوں کی گھر گریہتی بھی فروخت ہو گئی تو لوگوں نے اپنے جگر گوشوں کو بھوک کی بھیٹ چڑھا دیا اور ہزاروں معصوم بچے، سرعام غلام اور کنیزوں کی طرح فروخت ہو گئے۔ لیکن یہ بچے بروہ فروشوں کے ہاتھ نہیں بیچے بلکہ حکومت مصر نے انہیں خرید لیا۔ یہ سب حکمت عملی حضرت یوسفؑ کی تھی۔ انہوں نے اعلان کرا دیا کہ قحط کے دوران کوئی چیز نقد قیمت پر فروخت نہیں کی جاسکتی بلکہ اس کی قیمت غلے کی شکل میں ادا کی جائے۔ اس طرح مصری عوام کی کوئی چیز کی اور کے ہاتھ فروخت نہ ہو سکی۔ کیونکہ غلہ صرف حکومت کے پاس تھا جسے جو کچھ فروخت کرنا ہوتا وہ حکومت کے کارندوں سے رابطہ پیدا کرتا اور حکومت کی طرف سے اس کی قیمت غلے کی شکل میں ادا کی جاتی۔

ایک شاعر کا شعر ہے کہ کسی زمانے میں دمشق میں ایسا سخت قحط پڑا کہ عاشق عشق کرنا بھول گئے۔ شاعر نے ٹھیک ہی کہا ہے لیکن شاید اسے زلیخا کے عشق کی خبر نہ تھی ورنہ وہ ایسا نہ کہتا۔ مصر میں قحط کی شدت کے ساتھ ساتھ زلیخا کے عشق میں تیزی پیدا ہو گئی۔ وہ صرف عزیز مصر کی بیوی ہی نہ تھی بلکہ باو شاہ میسوس کی بیٹی بھی تھی۔ اس کے باپ نے شادی کے وقت اس کے جیز میں جواہرات کی پیٹیاں دیا تھیں۔ سیم و زر کا بھی کچھ ٹھکانہ نہ تھا۔ زلیخا کے مصر میں کئی عالیشان محل تھے۔ عزیز مصر کے مرنے کے بعد اس کی شان و شوکت میں کوئی کمی نہ ہوئی تھی۔ دنیا کی ہر چیز اور ہر آرام اس کو میسر تھا لیکن برا ہو اس عشق کا جس نے اس کا سکون دل چھین لیا تھا۔ زلیخا کو نہ زمانے کے سرد و گرم کی فکر تھی اور نہ قحط کی شدت کی پروا۔ وہ تو عشق یوسفؑ میں فنا ہو کر رہ گئی تھی۔ ہر دم آہیں بھرتی اور حضرت یوسفؑ کا نام نائی

ورد زبان رہتا۔

زلیخا کے عشق کا شہرہ ہر مصری کی زبان پر تھا۔ ایک دن زلیخا کسی کام سے اپنے محل سے باہر جا رہی تھی کہ ایک پریشان حال عورت نے اس کا راستہ روک لیا۔ زلیخا نے پوچھا۔ ”مائی! تو کیوں پریشان ہے میں تیری کیا مدد کر سکتی ہوں؟“ عورت نے روتے ہوئے کہا۔ ”اے زلیخا! تو اپنے محل میں آرام سے بیٹھی، یوسفؑ چلاتی ہے اور مصر کے غریب عوام بھوکوں مر رہے ہیں۔“

زلیخا نے کہا۔ ”مائی یہ قحط تو دیوتاؤں کا قہر ہے۔ اس سلسلے میں میں کیا مدد کر سکتی ہوں۔ رہا یوسفؑ کا عشق، تو یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے۔ تجھے اس میں کیا اعتراض ہے؟“ عورت نے پوچھا۔ ”اے زلیخا! کیا تجھے یوسفؑ سے سچا عشق ہے؟“

”ہاں۔ اس میں شبہ کی کیا بات ہے۔“ زلیخا نے فخریہ لہجے میں جواب دیا۔ عورت نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ”اگر تجھے حضرت یوسفؑ سے سچا عشق ہے تو کیا تو مجھے اتنی رقم دے سکتی ہے کہ میں اپنے بھوکے بچوں کے لئے ایک ہفتے کا غلہ خرید سکوں؟“

زلیخا نے ایک آہ بھری اور کہا۔ ”اے عورت! تو نے میرے محبوب کے نام کی بہت کم قیمت لگائی۔ اگر تو ایک سال کے غلے کی رقم مانگتی تو وہ بھی میں تجھے ادا کر دیتی۔“

زلیخا محل میں واپس گئی اور حکم دیا کہ مطلوبہ رقم سے وہی رقم اس عورت کو ادا کر دی جائے۔

اس وقت جو غلام اور کنیزیں وہاں موجود تھیں، وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئیں۔ وہ اس بات کو لے اڑیں اور چشم زدن میں یہ بات تمام مصر میں پھیل گئی۔

زلیخا کا عشق قحط کے دوران اس کے لئے مصیبت بن گیا۔ لوگ غریب سے غریب تر اور فقیر ہوتے جا رہے تھے جس کے پاس غلہ خریدنے کے لئے رقم نہ ہوتی وہ شرم کو بالائے طاق رکھ کر زلیخا کے محل کا رخ کرتا۔۔۔۔ اور حضرت یوسفؑ کے نام پر دست سوال پھیلاتا۔ زلیخا حضرت یوسفؑ کا نام سن کر تڑپ اٹھتی۔ سوالی کو عزت سے

حضرت یوسفؑ ہر روز قحط زدہ رعیت کا حال دیکھنے کے لئے شہر میں چکر لگاتے تھے۔ اس دن ان کا گزر ادھر ہوا جہاں زلیخا رہتی تھی۔ لوگوں نے بھاگ کر زلیخا کو خبر دی کہ حضرت یوسفؑ کی سواری ادھر سے گزر رہی ہے۔ زلیخا بے تابانہ بھاگی اور سڑک کے کنارے جا بیٹھی۔ حضرت یوسفؑ کی سواری بڑے شاہانہ انداز سے آ رہی تھی۔ کنیزیں، غلام، لشکری اور اراکین سلطنت ساتھ ساتھ تھے۔ حضرت یوسفؑ گھوڑے پر سوار، لباس فاخرہ زیب تن کئے، سر پر شاہی دستار رکھے، گزرے۔

حضرت یوسفؑ زلیخا کے پاس سے گزر گئے لیکن ان کی نظر زلیخا پر نہ پڑی۔ زلیخا نے بے چین ہو کر آواز لگائی۔ ”اے ماہ کنعان! ایک نظر، اس کرم جلی پر بھی ڈال۔“

حضرت یوسفؑ نے زلیخا کی آواز فوراً پہنچائی۔ گھوڑا موڑ کر اس کے پاس آئے۔ زلیخا کا رنگ و روپ ختم ہو چکا تھا۔ ناگن جیسی کالی زلفیں گرد و غبار میں اٹی ہوئی تھیں۔ جسم پر چھترے جھول رہے تھے۔

حضرت یوسفؑ نے پوچھا ”زلیخا تو نے یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟“
زلیخا بولی۔ ”اے یوسفؑ! تم عشق کی لذت سے نا آشنا ہو۔۔۔۔۔ عاشقوں کا حال یہی ہوتا ہے۔“

حضرت یوسفؑ مسکرائے اور بولے۔ ”زلیخا! عشق کا بھوت تیرے سر سے اب نکل نہیں اترتا۔ کیوں اپنی جان گنوا رہی ہے؟“
زلیخا نے آہ بھر کر کہا۔ ”اے یوسفؑ! جو کچھ میرے پاس تھا تمہارے نام پر صدقہ کر دیا۔ اب آرزو ہے کہ یہ جان ناتواں بھی تم پر ثار کر دوں۔“

حضرت یوسفؑ نے ارشاد فرمایا۔ ”اے زلیخا! سوائے میرے جس چیز کی خواہش کسے میں تیرے لئے مہیا کر دوں؟“

زلیخا بولی ”میں جانتی ہوں۔ تمہارے دل میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں۔ سوز عشق سے میرا سینہ جس طرح جلتا ہے اس کی تمہیں خبر نہیں تم میری قربت سے گریز ان ہو۔ اگر مجھ پر کچھ مہربانی کرنا چاہتے ہو تو اپنا عصا میرے منہ کے قریب کر دو۔“

بھٹائی اور اس کی حاجت پوری کرتی۔ کہتے ہیں اگر ہاتھ نہ روکا جائے یا ذرا کچھ آملی ہوں تو خرچ کرنے سے قارون کا خزانہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ یہی صورت زلیخا کو پیش آئی۔

زلیخا کے خزانے کی نقد رقم آہستہ آہستہ ختم ہو گئی۔ مگر اس عشق کی ماری نے اپنا ہاتھ نہ روکا۔ وہ اپنے عشق اور حسرت یوسفؑ کے نام کی لاج رکھنا چاہتی تھی۔ اس کے ور سے کوئی خالی ہاتھ واپس نہ جاتا۔ وہ ہر ایک کا دامن بھرتی۔ قحط ختم ہونے کا نام نہ لیتا تھا۔ یوسفؑ کے نام پر خود کو لٹاتی رہی۔

نقد رقم کے بعد زر و جواہر بیچ کر اس نے لوگوں کی دست گیری کی۔ جواہرات خم ہو گئے تو اپنے ذاتی زیورات فروخت کر دیئے پھر محلات کا نمبر آیا۔ ایک ایک کر کے محل بکتے رہے۔ کنیزیں دیکھتیں اور دانتوں میں انگلیاں دبالتیں۔

جب زلیخا کے پاس آخری محل رہ گیا تو اس نے کنیزوں اور غلاموں کو بھی رخصت کر دیا۔ اف رے، عشق کی کرشمہ سازیاں۔ زلیخا کا محل بھی فروخت ہو گیا مگر وہ حضرت یوسفؑ کے نام کی لاج رکھتی رہی اور پھر یہ نوبت آگئی کہ سوالیوں کی حاجت پوری کرنے والی خالی ہاتھ رہ گئی سوائے تن کے کپڑوں کے اس کے پاس کچھ نہ رہا۔ اب وہ تھی اور لبوں پر ہائے یوسفؑ کا نعرہ تھا۔ لوگ اسے دیکھتے تو افسوس کرتے۔ کسی نے ایسا عشق پہلے کاہے کو دیکھا ہو گا۔

حضرت یوسفؑ زلیخا کی حالت سے لاعلم نہ تھے۔ انہیں دم، دم کی خبریں ملتی رہیں۔ لیکن ان کے دل میں زلیخا کی الفت پیدا نہ ہوئی۔ انہیں زلیخا کے حال زار کی خبروں پر افسوس کے سوا اور کچھ نہ ہوتا۔

زلیخا سوز عشق سے اپنی جوانی کو جلاتی رہی مگر حضرت یوسفؑ کے پاس جانے کی کوشش نہ کی۔ وہ سوچتی کہ جب میں اچھے دنوں میں ان کے سامنے نہ گئی تو ان پٹے حالوں جا کر کیا کروں گی۔ وہ اس خیال سے دل کو تسلی دیتی کہ اگر اس کا عشق سچا ہے تو ایک نہ ایک دن وہ ماہ کنعان خود کھینچ کر اس کے پاس چلا آئے گا۔

اور پھر ایک دن زلیخا کے عشق نے حضرت یوسفؑ کو اس کے پاس پہنچا دیا۔

رہا تھا آنکھوں میں صہبائے حق کی مستیاں برس رہی تھیں۔

حضرت زلیخا نے حضرت یوسفؑ پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالی اور پھر سر جھکا کر ایک طرف چل پڑیں۔ فرشتوں کو پھر حکم ہوا کہ وہ محبت جو زلیخا کے دل میں یوسفؑ کے لئے تھی اب وہی محبت یوسفؑ کے دل میں زلیخا کے لئے بھردی جائے۔ فرشتوں نے حکم کی تعمیل کی۔ حضرت یوسفؑ کا سینہ زلیخا کی محبت سے بھر گیا۔

حضرت یوسفؑ نے بے چین ہو کر زلیخا کو آواز دی۔ ”اے زلیخا! میری طرف دیکھو۔ کہاں جا رہی ہو، کچھ بولو، کچھ باتیں کرو۔“

حضرت زلیخا کے قدم رکے۔ آپ نے مڑ کر حضرت یوسفؑ کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ ”اے یوسفؑ! اب مجھے بھول جا۔ زلیخا تو اس نور پر عاشق ہو گئی ہے جس کے سامنے تیرا حسن و جمال عشرِ عشر بھی نہیں۔ میرا تیرا رشتہ آج سے ختم ہو گیا۔“

اللہ! قدرت کے کھیل، وہی بہتر جانتا ہے۔ وہی ذرے کو آفتاب اور آفتاب کو ذرہ بنا دیتا ہے۔ حضرت یوسفؑ حضرت زلیخا کو آوازیں دیتے رہے اور حضرت زلیخا حضرت یوسفؑ سے دور ہی دور ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔

یہ کیا انقلاب تھا کہ صرف یوسفؑ کے نام کا ورد کرنے والی زلیخا حضرت یوسفؑ کی طرف پشت کئے ہوئے چلی گئیں اور یوسفؑ جنہوں نے زلیخا کو کبھی محبت کی نظر سے نہ دیکھا تھا، انہیں آوازیں دیتے رہ گئے۔ عشق حقیقی نے زلیخا کے قلب کو پلٹ کر رکھ دیا تھا اب ان کی نظروں میں ہزاروں یوسفؑ ہیچ تھے۔ ان کی نظریں تو یوسفؑ کے خالق سے مل گئی تھیں پھر ان کی نظریں حضرت یوسفؑ کی کیا حیثیت رہ گئی۔

حضرت یوسفؑ کے دل میں حضرت زلیخا کی محبت کی جوت جاگ اٹھی تھی۔ انہوں نے حضرت زلیخا کے پاس کتنے ہی پیغامات بھیجے مگر حضرت زلیخا نے توجہ نہ فرمائی۔ جو ان کے پاس جاتا۔ منہ لٹکائے ناکام واپس آ جاتا۔ حضرت یوسفؑ بتانا ان سے ملنے کی کوشش کرتے، وہ اتنا ہی ان سے دور بھاگتیں۔

ان باتوں کی خبر شاہ مصر، ریان ابن الولید کو پہنچی تو وہ حضرت یوسفؑ سے یاس آیا

حضرت یوسفؑ کے ہاتھ میں سونے کا عصا تھا۔ یہ دراصل وزارت کا نشان تھا۔ حضرت یوسفؑ نے اپنا عصا زلیخا کے منہ کے پاس کر دیا زلیخا نے ایک آہ آتشیں بھر کر اسے بوسہ دیا۔ کہتے ہیں کہ وہ سونے کا عصا زلیخا کی آہ کی سوزش سے اس قدر گرم ہوا کہ حضرت یوسفؑ کے ہاتھ سے گر گیا۔

حضرت یوسفؑ کے سینے میں پہلی بار زلیخا کے لئے گداز پیدا ہوا۔ آپ نے زلیخا سے فرمایا۔ ”اے زلیخا! تو مجھ سے عشق کرتی ہے لیکن اس سے عشق کیوں نہیں کرتی جس کا میں عاشق ہوں؟“

”کون ہے وہ؟“ زلیخا نے بے تابی سے پوچھا۔

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ ”وہ ہے میرا رب! جس نے مجھے وہ حسن و جمال دیا ہے جسے دیکھ کر تو نے اپنا یہ حال بنا لیا ہے۔ میرے خدا سے عشق کر کہ تجھے وہ سب کچھ حاصل ہو جائے گا جس کی تو خواہش مند ہے۔“

زلیخا فوراً چلائی۔ ”اے یوسفؑ! مجھے تمہارے عشق کی قسم کہ میں نے تمہارے خدا کو قبول کیا ہے۔ مجھے اپنے دین میں داخل کر لو۔“

حضرت یوسفؑ فوراً گھوڑے سے اتر پڑے اور زلیخا کے سامنے فرش پر بیٹھ کر اسے کلمہ حق پڑھایا۔

زلیخا دین ابراہیمی میں داخل ہوئیں تو عرشِ اعلیٰ پر آفرین اور تحسین کا غلغلہ بلند ہوا۔ فرشتوں کو حکم ہوا کہ جلد جاؤ اور زلیخا کی خبر لو۔ آج زلیخا نے عشقِ مجازی سے منہ موڑ کر عشقِ حقیقی اختیار کیا ہے۔ اس نے ہم سے رشتہ جوڑا ہے۔ ہم اپنے عاشق کو خانہ برباد اور پریشان حال نہیں دیکھ سکتے۔

حضرت زلیخا نے کلمہ پڑھ کر نظر اُپر اٹھائی تو ان کا رنگ ہی کچھ اور تھا۔ بادِ سبک کے جھونکے چلے۔ جنہوں نے حضرت زلیخا کی مینڈھیاں گوندھیں، زلفیں آراستہ کیں۔ شفق نے اپنی سرخیاں بھیج کر زلیخا کے رخسارِ گلگون کئے۔ افشاں نے بالِ بال موتی پر دیئے۔ ماہتاب نے ملاحظت اور آفتاب نے جلال پیش کیا۔ دریدہ لباس کے چاک خود بخود رفو ہو گئے۔ اب وہ پہلے والی زلیخا نہ تھیں۔ ان کا چہرہ نورِ ایمان سے

ہوئے۔ حضرت یوسفؑ کو جب اطلاع ملی کہ کنعان سے ایک قافلہ غلہ حاصل کرنے کے لئے آیا ہے تو ان کا دل تڑپ اٹھا۔ انہوں نے فوراً انہیں دربار میں طلب کیا۔ ظالم کا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور اس کی آنکھوں پر پروہ پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ جب برادران یوسفؑ دربار میں داخل ہوئے تو وہ حضرت یوسفؑ کو نہ پہنچا سکے۔ حالانکہ حضرت یوسفؑ نے انہیں پہلی ہی نظر میں شناخت کر لیا۔ چنانچہ رب کریم فرماتا ہے۔ (قرآن) ”اور آئے بھائی حضرت یوسفؑ کے، پھر داخل ہوئے اس کے پاس تو انہوں نے، حضرت یوسفؑ کو پہنچانا اور بھائیوں نے ان کو نہ پہنچا۔“

بھائیوں کو اپنے سامنے دیکھ کر حضرت یوسفؑ کو تمام پرانی باتیں ایک دم یاد آ گئیں۔ حضرت یوسفؑ کو بھائیوں کے ظلم اور بے وفائی پر سخت غصہ آیا۔ آپ نے ارادہ کیا کہ ان سے اس ظلم کا بدلہ لیا جائے۔ لیکن اسی وقت ان کے کانوں میں صدائے ربانی گونجی۔

”اے یوسفؑ! غصہ و درگزر، انتقام اور بدلہ لینے سے زیادہ احسن ہے۔ یہ غریب الوطن ہیں اور اتنی دور سے تمہارے پاس غلہ لینے آئے ہیں جو ہوا اسے بھول جاؤ اور ان سے محبت اور خلوص سے پیش آؤ۔ اگر تم نے ان پر ویسا ہی ظلم کیا تو پھر تم میں اور ان میں کیا فرق رہ جائے گا۔ تم صاحب استطاعت ہو اور حاکم کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی پر اپنا خوف طاری کرے اور وہ اپنی حاجت بیان نہ کر سکے۔ تم خود کو ان سے چھپاؤ تاکہ یہ کھل کر اپنی ضرورت کا اظہار کر سکیں۔“

حضرت یوسفؑ اس تنبیہ سے کانپ اٹھے۔ انہوں نے شیطان مردود پر لعنت بھیجی جو ان کے دل میں انتقام کی آگ بھڑکانے کی کوشش کر رہا تھا۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا تھا لیکن انہیں اس بات پر تعجب تھا کہ صرف دس بھائی آئے ہیں، گیارہواں بھائی بیامین جو ان کا سگا بھائی ہے، وہ ان کے ساتھ نہ تھا لیکن وہ صاف طور سے بیامین کے بارے میں نہیں پوچھ سکتے تھے کیونکہ انہیں اپنی شخصیت پوشیدہ رکھنے کا حکم تھا۔

حضرت یوسفؑ نے انہیں عزت سے بٹھایا اور دریافت فرمایا۔ ”اے غریب

اور ان سے گفتگو کی۔ اسے معلوم ہو گیا کہ اب حضرت یوسفؑ کا دل، حضرت زلیخا کے لئے بے چین ہے۔ ادھر عرش اعلیٰ سے بھی دونوں کے ملاپ کا حکم ہو چکا تھا۔ چنانچہ شاہ مصر کی چالیس دنوں کی مسلسل کوششوں کے بعد حضرت زلیخا نے حضرت یوسفؑ کی طرف توجہ فرمائی پھر حضرت یوسفؑ اور حضرت زلیخا کا عقد ہوا۔ اس طرح ایک طویل زمانے کے بعد دونوں یکجا ہو کر شکر خداوندی بجالائے۔ کہتے ہیں کہ حضرت زلیخا نے حضرت یوسفؑ کے لئے اتنے سالوں تک فراق کی جو صعوبتیں اٹھائیں، اتنے ہی کرب سے حضرت یوسفؑ کو ان چالیس دنوں کے دوران گزرنا پڑا۔



قحط کا ہر اگلا سال، گزشتہ سے زیادہ ہولناک ثابت ہو رہا تھا۔ مصر میں تو حضرت یوسفؑ کی حسن تدبیر سے تباہی نہ ہوئی۔ لیکن دوسرے ملکوں میں تو قیامت برپا ہو گئی۔ لوگ بھوک سے ہلک ہلک کر مرنے لگے۔ دور دور تک قحط اور خشک سالی کا دور دورہ تھا۔ وودھ وینے والے جانوروں کے تھن خشک ہو گئے اور وہ چارہ نہ ملنے کی وجہ سے ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئے تھے۔ ہر طرف قیامت کا سماں تھا۔

اطراف و جوانب میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ ملک مصر میں قحط کا زور کم ہے اور عزیز مصر کے پاس غلے کا کافی ذخیرہ ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ مصر میں غلہ بڑی معقول قیمت میں اس وقت بھی فروخت ہو رہا ہے اور یہ حقیقت بھی تھی۔ حضرت یوسفؑ نہ صرف مصریوں میں غلہ تقسیم کرتے بلکہ باہر سے آنے والوں کو بھی محروم نہ رکھتے اور جہاں تک ہو سکتا انہیں غلہ وے کر رخصت کرے۔ انہوں نے اس کے لئے یہ اصول بنایا تھا کہ دوسرے ملکوں سے آنے والوں کو ایک اونٹ فی کس سے زیادہ غلہ نہ دیا جائے تاکہ مصر کے غلے سے زیادہ سے زیادہ لوگ مستفید ہو سکیں۔

شدہ شدہ یہ خبر کنعان میں پہنچی۔ وہاں قحط کا سخت زور تھا۔۔۔۔۔ حضرت یوسفؑ کے سب بھائیوں نے باپ سے مصر جانے کی اجازت لی اور اونٹوں پر پشینہ بار کر کے مصر کا رخ کیا تاکہ یہ سامان فروخت کر کے غلہ حاصل کریں۔

برادران یوسفؑ تکلیفیں اٹھاتے اور منزلیں طے کرتے آخر مصر میں داخل

حضرت یوسفؑ کے بھائی بولے۔ (قرآن) ”عزیز مصر! پڑی ہم پر اور ہمارے گھر پر سختی۔ لائے ہیں ہم پونجی ناقص۔ سو غلہ دو ہم کو۔ پورا، پورا دینا۔ تم خیرات کرو ہم پر۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو بدلہ دیتا ہے۔“

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ ”تم لوگ اپنے ساتھ جو سامان اور پونجی لائے ہو وہ غلے کی قیمت سے بت کم ہے لیکن تم اطمینان رکھو۔ ہم تمہیں مقررہ غلہ ضرور دیں گے۔ کیونکہ تم اتنی دور سے آئے ہو مگر مسافر! یہ تو بتاؤ کہ تم بارہ بھائی تھے۔ اگر ایک بھائی کم ہو گیا تو تمہارے والد صاحب اس کا اتنا غم کیوں کرتے ہیں۔ کیا وہ بھائی علم و ہنر میں تم لوگوں سے بہتر تھا؟“

یسودا بولا۔ ”ایسی تو کوئی بات نہیں لیکن ہمارا بھائی یوسف اپنی خوبصورتی اور حسن و جمال میں ہم سب سے بہتر تھا۔ اللہ نے اسے دانائی اور عقلمندی بھی زیادہ عطا فرمائی تھی۔ اسی لئے والد ان سے زیادہ محبت کرتے تھے۔“

حضرت یوسفؑ نے حکم دیا کہ جب تک یہ لوگ یہاں رہیں ان کے عیش و آرام کا خاص خیال رکھا جائے۔ ان کے لئے قیام و طعام اور لباس کا بھی معقول انتظام کیا جائے۔

براہور ان یوسفؑ نے کئی دن وہاں قیام کیا۔ جب وہ رخصت ہونے لگے تو انہیں حسب دستور ایک اونٹ کا بوجھ غلہ عطا کیا اور پھر کہا۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے۔

(قرآن) ”اور کہا“ لے آؤ میرے پاس ایک بھائی جو تمہارا ہے، باپ کی طرف کیا نہیں دیکھتے ہو کہ تمیں پورا پورا ناپ دے رہا ہوں اور میں سب سے زیادہ ناپ دینے والوں میں سے ہوں۔“

انہوں نے کہا۔ (قرآن) ”ہم سب خواہش ظاہر کریں گے اپنے باپ سے اس (نبیائیں) کے لانے کی اپنے ہمراہ اور ہم کو یہ کام کرنا ہے ضرور۔“

حضرت یوسفؑ کو علم تھا کہ یہ لوگ گھر کی تمام پونجی اکٹھا کر کے غلہ خریدنے آئے ہیں اور گھر پر اب کچھ باقی نہیں ہے۔ اس لئے انہوں نے غلاموں کو حکم دیا کہ

الوطن مسافرو! تمہارا تعلق کس ملک سے ہے؟“

حضرت یوسفؑ کے ایک بھائی یسودا نے جواب دیا۔ ”اے عزیز مصر! ہم سب کنعان کے رہنے والے ہیں اور سب آپس میں بھائی ہیں۔“

حضرت یوسفؑ نے سوال کیا۔ ”تم کتنے بھائی ہو؟“

یہ سوال کرتے وقت حضرت یوسفؑ کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ دراصل اپنے بھائی کے بارے میں پوچھنا چاہتے تھے لیکن اس بات کا خوف تھا کہ کہیں ان کی شخصیت بھائیوں پر نہ ظاہر ہو جائے۔

یسودا، ان کے سوال کی گہرائی تک نہ پہنچ سکا۔ اس نے کہا۔ ”ہم کل بارہ بھائی تھے۔ ہمارے ایک چھوٹے بھائی کو بھیڑنا اٹھا لے گیا۔ ایک چھوٹا بھائی اور ہے جسے ہم گھر پر چھوڑ آئے ہیں۔“

گھر کا ذکر آتے ہی آپ نے دریافت فرمایا۔ ”کیا تمہارے والد اب تک حیات میں؟“

ان کے بھائی نے بتایا۔ ”والد صاحب زندہ تو ضرور ہیں لیکن بیٹے کے غم نے انہیں گور تک پہنچا دیا ہے۔ وہ ایک الگ مکان میں رہتے ہو جو بیت الخرن کہلاتا ہے۔ ہمارے والد صاحب پیغمبر خدا حضرت یعقوبؑ ہیں۔ اس لئے یا تو خداوند تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں یا پھر ہمارے بھائی یوسف کے غم میں آنسو بہاتے رہتے ہیں۔ روتے روتے ان کی آنکھوں کی بینائی تک زائل ہو چکی ہے۔“

حضرت یوسفؑ ان تمام باتوں سے واقف تھے۔ اس وقت تو بس وہ اپنے بھائی اور باپ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ ”تم اپنے چھوٹے بھائی کو ساتھ کیوں نہیں لائے؟“

یسودا نے جواب دیا۔ ”ہمارے والد صاحب نے اسے اپنے پاس اس لئے رکھا ہے تاکہ انہیں ہماری عدم موجودگی کا زیادہ احساس نہ ہو۔“

حضرت یوسفؑ نے تمام حالات معلوم کر لئے تو ارشاد فرمایا۔ ”اے کنعانی مسافر! اب بتاؤ! تم مصر کیوں آئے ہو اور ہم سے کیا چاہتے ہو؟“

بیٹا! اپنے کامیاب سفر کا کچھ حال ہم کو سناؤ۔ کیونکہ اس قحط سالی کے زمانے میں اتنا غلہ حاصل کرنا ایک نہایت اہم کام نہیں بلکہ حیرت انگیز واقعہ ہے۔“

برادران یوسفؑ نے مختصر الفاظ میں سفر کے حالات اپنے والد کے گوش گزار کئے۔ اور عزیز مصر کی ضیافتوں اور حسن سلوک کو بڑی تفصیل سے بیان کیا۔

سفر کا حال سننے کا تو ایک بہانہ تھا۔ درپردہ حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹے یوسفؑ کے متعلق کوئی خبر سننے کو بے چین تھے۔ جب انکے متعلق لڑکوں نے کچھ نہ کہا تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے واضح الفاظ سے دریافت فرمایا۔ ”میرے بیٹا! تم نے سب حال تو بیان کر دیا لیکن یہ تو بتاؤ کہ تمہیں مصر میں میرے نخت جگر یوسفؑ کی بھی کوئی خبر ملی؟“

ایک بیٹے نے منہ بنا کر کہا۔ ”واہ! ابا جان! آپ بھی کیا پوچھ رہے ہیں۔ یوسفؑ کو بھیڑا کھا گیا۔ اس بات کو ایک زمانہ گزر چکا ہے مگر آپ اب تک یوسفؑ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اگر ہم مصر میں یوسفؑ کے بارے میں کسی سے پوچھتے تو کیا وہ ہمیں سودائی نہ سمجھتا؟“

حضرت یعقوبؑ کے بیٹے کے غم میں پھر اٹک رواں ہو گئے۔

حضرت یوسفؑ کے بھائی یودا کے دل میں عزیز مصر کے بارے میں شبہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے اس نے کہا۔ ”ابا جان! یوسفؑ کے بارے میں تو ہم نے کسی سے نہیں پوچھا لیکن مصر میں ایک عجیب بات ضرور ہوئی تھی۔“

حضرت یعقوبؑ نے بے چین ہو کر دریافت فرمایا۔ ”کیا عجیب بات ہوئی تھی میرے بیٹے؟“

یودا نے کہا۔ ”ابا جان! ہم نے عزیز مصر کے پوچھنے پر جب انہیں یہ بتایا کہ ہمارا ایک چھوٹا بھائی بیامین بھی ہے تو وہ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ اب کی دفعہ جب تم لوگ مصر آؤ تو اپنے بھائی کو ضرور ساتھ لانا پھر انہوں نے بیامین کو دیکھنے کا بہت زیادہ اشتیاق ظاہر کیا اور ہمیں چلتے وقت پھر تاکید کی ہم بیامین کو ضرور ساتھ لائیں اگر ہم اسے اپنے ساتھ نہ لے گئے تو ہمیں غلے کا ایک دانہ بھی نہ ملے گا لیکن بیامین کو

غلے کی جو قیمت ان سے وصول کی گئی ہے وہ ان کے سامان میں پوشیدہ طور پر رکھ دی جائے۔

رقم چھپا کر واپس کرنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ جب گھر پہنچ کر انہیں رقم ملے تو شاید وہ انہیں پہچان لیں اور پھر ملاقات کے لئے مصر آئیں۔ حضرت یوسفؑ نے ان سے یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر تم اپنے چھوٹے بھائی کو لے کر آؤ گے تو تم کو ایک شتر بوجھ غلہ اور دیا جائے گا۔ اس واقعے کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے۔

(قرآن) ”اور کہہ دیا اپنے خدمت گاروں کو کہ ان کی پونجی کو ان کے اونٹوں کے بوجھوں میں رکھ دو۔ شاید وہ اپنے گھر میں پہنچ کر اس کو پہچانیں اور شاید اسی وجہ سے وہ پھر واپس ہمارے پاس آویں۔“

حضرت یوسفؑ کو اپنے بھائیوں پر اپنی شخصیت ظاہر کرنے کی خدا کی طرف سے اجازت نہ تھی اس لئے انہوں نے یہ ترکیب نکالی کہ رقم چھپا کر انہیں واپس کر دیا جائے تاکہ حکم خداوندی کی خلاف ورزی نہ ہو اور کنعان پہنچ کر وہ انہیں پہچان بھر لیں۔

برادران یوسفؑ غلہ لے کر خوشی خوشی کنعان واپس ہوئے۔ راستے بھر بھائیوں میں یہی بحث ہوتی رہی کہ آخر عزیز مصر نے ان کے ساتھ امتیازی سلوک کیوں کیا اور ان کے چھوٹے بھائی بیامین کو دوسرے سفر میں اپنے ساتھ لانے کی اس قدر تامل کیوں کی؟

یودا اور شمعون کا خیال تھا کہ عزیز مصر ان کا بھائی یوسفؑ ہے لیکن دوسرے بھائی اس کی تردید کرتے۔ ان کی یہ دلیل تھی کہ اگر عزیز مصر یوسفؑ ہوتا تو وہ اس سے انتقام لیتا اور اتنی مروت اور عزت سے ہرگز پیش نہ آتا۔ یہی بحث کرتے ہوئے وہ کنعان پہنچ گئے۔

حضرت یعقوبؑ اور کنعان کے لوگ ان لوگوں کے بخیریت کامیاب واپس آنے سے بہت خوش ہوئے۔

لوگوں کی بھیڑ چھٹ جانے کے بعد حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں سے پوچھا۔ ”

یعنی اور بے چینی سے گزر رہے تھے۔ انہوں نے تمام سراؤں میں آدمی بھیج رکھے تھے کہ کنعان کا قافلہ جیسے ہی پہنچے اسے بلا تاخیر عزت کے ساتھ ان کے پاس لایا جائے۔ کنعانی قافلے کے پہنچنے ہی شاہی ہرکاروں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور عزت کے ساتھ براور ان یوسفؑ کو قصر شاہی پہنچایا گیا۔ حضرت یوسفؑ نے قصر کے دروازے پر بھائیوں کا استقبال کیا۔

یہودا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اے عزیز مصر! آپ کو ہمارے چھوٹے بھائی بیامین سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ اس لئے ہم اسے اپنے ساتھ لائے ہیں۔“
حضرت یوسفؑ کی نظرس پہلے ہی بیامین پر جمی ہوئی تھیں۔ انہوں نے خوش دلی سے فرمایا۔ ”ہاں میں نے پہچان لیا ہے۔ اس لئے کہ میں تم دس بھائیوں کو پہلے ہی دیکھ چکا ہوں اور گیارہواں جوان جسے میں دیکھ رہا ہوں یقیناً بیامین ہی ہے۔“
یہودا بولا۔ ”اے عزیز مصر! آپ نے بالکل صحیح پہچانا۔ یہی بیامین ہے جسے ہمارے والد صاحب کسی بھی طرح اپنے سے جدا کرنے پر آمادہ نہ تھے۔“

حضرت یوسفؑ کا دل چاہا کہ دوڑ کر بیامین سے لپٹ جائیں مگر وہ اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے پہلے وہ فردا فردا تمام بھائیوں سے بغلیں ہوئے پھر دیر تک بیامین کو سینے سے لگائے رہے۔ بیامین کو ان کی ہانہوں میں ایک عجیب طرح کی لذت محسوس ہوئی۔ اس کا جی چاہا کہ کاش! ہمیشہ کے لئے ان محبت بھری ہانہوں کی پناہ آجائے۔

حضرت یوسفؑ تمام بھائیوں کو محل میں لے آئے اور ان کے لئے کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔

حضرت یوسفؑ نے یہودا سے پوچھا۔ ”اے یہودا! کچھ اپنے والد صاحب کا حال سناؤ۔ وہ خیریت سے تو ہیں؟“

یہودا نے جواب دیا۔ ”اے عزیز مصر! انہیں اپنے بیٹے یوسفؑ کا غم اب تک نہیں بھولا۔ ان کا خیال ہے کہ یوسفؑ اب تک زندہ سلامت ہے۔“

”اللہ کی قدرت سے کوئی چیز بعید نہیں۔“ حضرت یوسفؑ کی زبان سے بے ساختہ

لے جانے کی صورت میں ہمیں ایک شتر بوجھ غلہ زیادہ دیا جائے گا۔“

یہودا کی زبان سے یہ باتیں سن کر حضرت یعقوبؑ کو بڑی حد تک یقین ہو گیا کہ عزیز مصر ان کے محبوب بیٹے حضرت یوسفؑ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا لیکن انہیں اپنے بیٹوں پر اعتبار نہ تھا۔ اس لئے آپ نے بیامین کو ان کے ساتھ بھیجنے میں تکلف اور توقف فرمایا۔

یہودا اور دوسرے بیٹوں نے انہیں رضامند کرنے کی بہت کوشش کی مگر آپ کا دل کسی طرح نہ مانتا تھا پھر سب بیٹوں نے آپ کے سامنے خدا کو حاضر و ناظر کر کے قسم کھائی۔ تب باپ کو مجبور ہونا پڑا۔

حضرت یعقوبؑ دوسرے بیٹوں کے ساتھ بیامین کو مصر جانے کی اجازت دینے والے تھے کہ غلاموں نے اطلاع دی کہ سامان کے ساتھ دیناروں کی ایک تھیلی ملی ہے۔ تھیلی پیش کی گئی تو یہودا نے بتایا کہ یہ تو وہی رقم ہے جو اس غلے کی قیمت کے طور پر ادا کی تھی۔

حضرت یعقوبؑ نے حکم دیا کہ اب تم لوگ جلد از جلد مصر کو سندھار جاؤ اور اس تھیلی کو اپنے ساتھ لیتے جاؤ۔ کیونکہ عین ممکن ہے کہ رقم بھولے سے تمہارے سالار میں آگئی ہو۔

مصر کے لئے قافلہ دوبارہ ترتیب دیا گیا۔ حضرت یعقوبؑ نے دل پر پتھر رکھ کر سب سے چھوٹے بیٹے بیامین کو بھی جانے کی اجازت دی اور چلتے وقت بیٹوں کو نصیحت فرمائی۔

(قرآن) ”اے میرے بیٹو! تم مت داخل ہونا ایک دروازے سے اور تم دائر ہونا مختلف الگ الگ دروازے سے اور میں کچھ بھی طاقت نہیں رکھتا کہ میں کسی سے بچا سکتا ہوں۔“ بجز حکم خداوندی کے اور حکم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا نہیں! اسی پر مجھ کو بھروسہ ہے اور مجھے یقین کامل ہے کہ اس پر بھروسہ کرنا چاہئے۔“

مصر میں حضرت یوسفؑ اپنے بھائی بیامین کے منتظر تھے۔ ان کے دن بڑی

حضرت یوسفؑ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا۔ ”اے بیامین! غم نہ کرو تمہارے بھائی کو بھیڑیے نے نہیں کھایا بلکہ اسے تمہارے سوتیلے بھائیوں نے ایک بردہ فروش کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا۔“

بیامین نے بے چینی سے پوچھا۔ ”اے مہربان! جب آپ نے مجھے یہ خوشخبری سنائی ہے جو حقیقتاً درست معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ میرے والد پیغمبر خدا ہیں اور انہیں بھی بیٹے کا انتظار ہے۔ اب آپ مجھے یہ بھی بتائیے کہ میرا بھائی اس وقت کہاں ہے اور میں اس سے کس طرح مل سکتا ہوں؟“

حضرت یوسفؑ نے بیامین کو محبت سے کھینچ کر اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا۔ ”اے بیامین! تیرا گم گشتہ بھائی یوسفؑ میں ہی ہوں۔ جسے اللہ تعالیٰ نے مصائب کے امتحان میں ڈالا پھر معاف فرما کر اسی عظیم رتبے تک پہنچایا۔“

بیامین کی خوشی کا عالم کس طرح بیان ہو۔ وہ بے قرار ہو کر حضرت یوسفؑ کے ہاتھ پیروں کو چومتے اور بار بار ان سے لپٹ جاتے۔

بیامین نے کہا۔ ”اے بھائی جان! یہ مژدہ فوراً ابا جان تک پہنچائیے جو آپ کے غم میں روتے روتے ٹاپتا ہوا ہو گئے ہیں۔“

حضرت یوسفؑ نے ٹراٹ نامی ایک برق رفتار قاصد کو کنعان کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ حضرت یعقوبؑ کے پاس پہنچ کر انہیں تمام حالات سے آگاہ کرے۔ قاصد کے جانے کے بعد حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائی یھودا کو ایک پیراہن دیا کہ وہ اسے لے کر قاصد کے پیچھے روانہ ہوں اور کنعان پہنچ کر اسے حضرت یعقوبؑ کے چہرے پر ڈال دیں۔

براہِ راست یوسفؑ کو جب معلوم ہوا کہ عزیزِ مصرؑ دراصل ان کا بھائی یوسفؑ ہے جسے انہوں نے مالک بن زغر کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا۔ تو وہ دل میں بہت شرمندہ ہوئے اور حضرت یوسفؑ سے معافی مانگنے لگے۔ حضرت یوسفؑ کے حکم کے تحت یھوداؑ پیراہن یوسفؑ جسے بعض روایتوں میں پیراہن ابراہیمؑ بھی کہا گیا ہے، لے کر کنعان چل پڑے۔

نکل گیا۔

یھودا کو کچھ یاد پڑا۔ اس نے تھیلے میں سے ایک دستار (گپڑی) نکال کر حضرت یوسفؑ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”اے عزیزِ مصر! یہ ہدیہ ہمارے باپ نے کر کے لئے بھیجا ہے۔ یہ دستار ہمارے پردادا حضرت ابراہیمؑ کی ہے۔“

حضرت یوسفؑ اس دستار کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ کیونکہ دستار ابراہیمؑ نبوت کی نشانی سمجھی جاتی تھی جس کے پاس یہ دستاری ہوتی وہ نبوت کے عہدے فائز کیا جاتا۔ حضرت یوسفؑ نے شکریے کے ساتھ یہ ہدیہ قبول کر لیا اور پھر یوسرہؑ کر اپنے پاس رکھ لیا۔

اب حضرت یوسفؑ کو فکر ہوئی کہ کسی طرح اپنے بھائی بیامین سے گفتگو جائے۔ سوچتے سوچتے انہیں ایک تدبیر سوچیں۔ انہوں نے مہمانوں کے لئے کھانا لاکھم دیا۔ کھانا فوراً دسترخوان پر جن دیا گیا۔

حضرت یوسفؑ نے بھائیوں سے فرمایا۔ ”اے میرے مہمانو! کھانا تیار ہے لیکن خیال رہے کہ دو آدمی ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائیں۔“

بظاہر یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جس پر اعتراض کیا جاتا۔ سب دو دو کر کے بیٹھ گئے۔ بیامین کے علاوہ باقی دس بھائی گروپ کی صورت میں ہو گئے۔ باقی گیارہویں تھے۔ ان کے ساتھ بیٹھنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ بہت گھبرائے اور افسردہ ہو گئے۔

حضرت یوسفؑ نے مسکرا کر فرمایا۔ ”فکر نہ کرو بیامین! میں کھانے میں تمہارے ساتھ دوں گا۔ تم میرے ساتھ چلو۔“

حضرت یوسفؑ اپنے بھائی بیامین کو اپنے خاص کمرے میں لے گئے اور بڑی سے پوچھا۔ ”اے بیامین! اب سچ بتاؤ تم اس قدر افسردہ کیوں ہو گئے تھے؟“

بیامین نے کہا۔ ”اے مہربان! میرا ایک سگا بھائی یوسفؑ تھا۔ اسے بچپن سے بھیڑا کھا گیا۔ مجھے اس وقت افسوس اس بات کا تھا کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو میرے بیٹھ کر کھانا کھاتا۔“

تیز رفتار قاصد ٹاٹر پہلے ہی کنعان پہنچ چکا تھا اور اس نے حضرت یعقوبؑ کو تمام حالات سے آگاہ کر دیا۔ اب یسودا نے کنعان پہنچ کر 'پیراہن یوسف' حضرت یعقوبؑ کے چہرے پر ڈالا تو شان خداوندی سے ان کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(قرآن) "پس آیا خوشخبری لانے والا تو اس نے ڈال دیا، کرتے کو اوپر منہ اس کے۔ پس ہو گئے۔ وہ بیٹا۔۔۔۔۔ پھر بولے۔ میں نے یہ نہ کہا تھا تم سے کہ میں جاننا ہوں، اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے۔"

حضرت یوسفؑ کے زندہ بچنے اور عزیز مصر ہونے کی خبر تمام کنعان میں پھیل گئی۔ لوگوں نے آکر حضرت یعقوبؑ کو مبارک باد دی۔ پھر حضرت یعقوبؑ اسی شاہی سواری پر مع اپنے تمام لواحقین کے سوار ہوئے جو ان کے لانے کے لئے حضرت یوسفؑ نے مصر سے روانہ کی تھی۔ مصر پہنچ کر حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹے سے ملے اور برسوں کی فراق کی آگ کو بجھایا۔ حضرت یوسفؑ اور حضرت یعقوبؑ نے حاسد اور نافرمان براہِ ران یوسفؑ کی خطائیں معاف کر دیں۔

حضرت یوسفؑ، حضرت ابراہیمؑ کی وفات کے دو سو اکیاون سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ کے پوتے موسیٰ بن عیساؑ بھی نبی تھے۔ حضرت یوسفؑ نے ایک سو دس سال کی عمر میں وفات پائی اور مصر میں دفن ہوئے لیکن بعد میں حضرت موسیٰؑ نے آپ کو مصر سے کنعان لا کر دفن فرمایا۔ حضرت زلیخاؑ حضرت یوسفؑ کے انتقال سے پہلے ہی رحلت پا چکی تھیں۔

قظامہ

منزل دور اور مغرب کی طرف تیزی سے جھکتا ہوا سورج صحابی رسولؐ عبد اللہ بن خباب کے لئے پریشان کن بات تھی۔ وہ کبھی سورج کو دیکھتے تو کبھی کلام اللہ کا دور کرتے ہوئے اونٹنی پر حمل نشیں بیوی کی طرف نظر ڈالتے۔ خباب مہار پکڑے چل رہے تھے، وہ جب گھبرا کر اونٹنی کی رفتار سے اپنی رفتار تیز کرتے تو مہار کی ڈوری کو جھٹکا لگتا اور اوپر سے بیوی کے کراہنے کی آواز آتی کیونکہ بیوی پورے دنوں سے تھیں۔

عبد اللہ بن خباب کا ناتہ، جسے نسواں سے گزر رہا تھا۔ جنگ مہین ختم ہو چکی تھی لیکن یہ علاقہ اب تک جنگ کی لپیٹ میں تھا۔ کسی قدم پر بھی کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں آسکتا تھا۔ دشمنان اسلام ہر طرف منڈلا رہے تھے۔ انہیں یہ عارضی صلح پسند نہ تھی اور چاہتے تھے کہ حضرت علی کرم اللہ اور حضرت امیر معاویہؓ ایک بار پھر ٹکرا جائیں اور اسلام کی طاقت پارہ پارہ ہو جائے۔ اپنے جیلوں کے ذریعے حضرت علی کرم اللہ کو دھوکہ دینے والے ان خارجیوں کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ وہ خود کو اسلام کا

ابن الکوار نے کلام پاک کو کھینچتے ہوئے کہا۔ ”تمہارے گلے میں یہ جو قرآن ہے تمہارے قتل کا حکم دیتا ہے۔“

”بھائی، میں بھی مسلمان ہوں۔“ اب خباب نے لجاجت سے کہا۔ ”میرا نام عبد اللہ بن خباب ہے۔“

ابن الکوار نے ایک شیطانی قہقہہ بلند کیا اور لانا وامن ہوا میں لہرا کر بولا۔ ”اچھا کوئی مستند حدیث سناؤ جو تم نے اپنے باپ سے سنی ہو۔“ ابن الکوار کا لہجہ انتہائی تحقیر آمیز اور سوقيانہ تھا۔

حضرت ابن خباب نے ایک لمحہ غور کیا پھر کہا۔ ”میرے باپ نے سنایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا۔ ”ایک ایسا فتنہ نمودار ہو گا جس میں آدمی کا دل مرجائے گا جیسا کہ اس کا بدن مرجاتا ہے۔ انسان رات کو مومن سوئے گا اور صبح کو کافر اٹھے گا۔ ایسے فتنے میں مقتول ہونا قاتل نہ ہونا۔“

ابن الکوار نے منہ بنایا اور بولا۔ ”اچھا حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے مقتول تمہاری کیا رائے ہے؟“

”دونوں قاتل احترام اور بزرگ غلیفہ تھے۔“ حضرت ابن خباب نے سنبھل کر طینتان سے جواب دیا اور اپنا گریبان چھڑا لیا۔

”تم حضرت عثمانؓ کے ابتدائی عہد کے بارے میں کیا کہتے ہو؟“ ابن الکوار نے پوچھا۔

”وہ بہترین عہد تھا۔“ ابن خباب نے مختصر جواب دیا۔

”اور علیؓ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟“ ابن الکوار کا انداز بھونڈا اور مذہب سے گرا ہوا تھا۔

ابن خباب کے دل کو دھکا سا لگا کیونکہ ابن الکوار نے حضرت علیؓ کا نام بغیر کسی لقب کے بڑی بد تمیزی سے لیا تھا۔ انہوں نے پیش قدمی کے طور پر کمر میں لگی ہوئی لکڑی پر اپنا ہاتھ رکھ لیا اور پھر متانت سے بولے۔ ”اے ابن الکوار، حضرت علی کرم اللہ وجہہ تمہارے مقابلے میں کتاب اللہ کو زیادہ سمجھتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔“

ٹھیکیدار کہتے لیکن مسلمانوں کا خون بہاتے بلکہ خون بہانا تو انہوں نے اپنے عقیدے میں داخل کر لیا تھا۔

ایک ایک ناکہ نے پیر روک کر گردن ہلائی، گردن میں پڑی ہوئی گھینٹیاں ایک جھٹکے کے ساتھ تیز آواز میں بج اٹھیں۔ یہ کسی نادیدہ خطرے کا اعلان تھا۔ حضرت ابن خباب نے گھبرا کر چاروں طرف نظریں ڈالیں۔ انہیں ترائی میں کچھ خیمے نظر آئے۔ غور کیا تو اور بھی خیمے نظر پڑے۔ پھر خیمے ہی خیمے، حد نظر تک خیموں کا شہر سا آباد تھا۔ حضرت ابن خباب تنہا ہوتے تو کوئی فکر نہ تھی لیکن نحیف و نزار بیوی کا ساتھ، ناکہ کو تیز دوڑا کر خطرے سے دور بھی نہ جاسکتے تھے۔ آخر راضی برضا ہو کر سر جھکا لیا اور آگے بڑھے۔

خیمہ گاہ سے چند آدمی نکل کر بڑی تیزی سے حضرت ابن خباب کی طرف بڑھے اور انہیں گھیرے میں لے لیا۔ اونٹنی زمین پر بیٹھ گئی۔ ابن خباب کی بیوی نے عمل کا پردہ سر کا کر دیکھا۔ انہیں بظاہر بزرگ صورتیں نظر آئیں۔ وہ مطمئن ہو گئیں اور محل کا پردہ گرا دیا۔

بزرگ صورتیں، لائبے لائبے کرتے ٹخنوں تک لہراتے ہوئے، کہنیوں اور پیشانیوں پر نماز کے ڈٹے، گھٹنے جھادیں کی طرح کھوڑے۔ عبد اللہ ابن خباب ایک ایک کامنہ حیرانی سے تنک رہے تھے۔

ان میں سے ایک آگے بڑھا اور حضرت ابن خباب کا گریبان پکڑ لیا۔ ابن خباب کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ کیا یہ ڈاکو ہیں، رہزن لٹیرے ہیں۔ صورت سے تو نہیں لگتے۔ ابن خباب دل ہی دل میں سوچ رہے تھے۔ انہوں نے گلے میں لٹکے ہوئے قرآن حکیم کو مضبوطی سے پکڑا۔

حضرت عبد اللہ ابن خباب کا گریبان پکڑنے والا بڑی رعونت سے بولا۔ ”میں ہوں امام عبد اللہ بن الکوار۔“

”الحمد للہ۔ میں بھی کوفہ کی مسجد کا پیش امام ہوں۔“ حضرت عبد اللہ ابن خباب نے جلدی اپنا تعارف کرایا۔

جگہ آئے جہاں ابن خباب کی عفت کی بیکری بوی غش کھا کے گری تھی۔

ان قاتلوں کے ساتھ عبداللہ بن وہب بھی تھا۔ ابن خباب کی عزت ماب زوجہ چت پڑی تھیں۔ ابن وہب نے تلوار کی نوک سے ان کے پیٹ پر پڑے دامن قبضہ کو اوپر کی طرف الٹ دیا۔ پیٹ عریاں ہو گیا۔ ایک منہ سی جان باہر آنے کے لئے پڑک رہی تھی۔ ظالم ابن الکوار نے ایک بار پھر شیطانی قہقہہ بلند کیا اور ابن وہب کو اشارہ کیا۔ ابن وہب نے تلوار کی انی پیٹ میں اتار دی۔

ابن خباب کی زوجہ نے تڑپ کر آنکھیں کھول دیں۔ ابن الکوار نے اپنا پیرانہ کی گردن پر رکھ کر پورا بوجھ ڈال دیا۔

پیٹ چاک ہو چکا تھا معصوم ذی روح دنیا میں آگیا مگر اس طرح کہ وہ ابن وہب کی تلوار میں چھدا ہوا تھا۔ تلوار اس کے حلقوم میں الجھی تھی اور ابن وہب اس تلوار کو ہوا میں اٹھائے لرا رہا تھا۔ اس طرح زمین پر ماں نے آخری ہنگی لے کر جسم خاکی کو چھوڑا تو اس طرف تلوار میں لٹکے ہوئے بچے نے ایک خیف سی حرکت کر کے اس دنیا کو دیکھنے سے پہلے ہی خیر یاد کہہ دیا۔

ماں کی روح نے بچے کی روح کا فضاؤں میں استقبال کیا۔ بچہ حوروں کی آغوش میں تھا آغوش مادرِ ہوائی اور بچہ آغوش حوراں بہشتی سے آغوش مادر میں آگیا۔ ہوائیں چیخ اٹھیں۔ فضا میں کانپنے لگیں اور جب یہ روہیں عرشِ اعلیٰ کی طرف محو پرواز ہوئیں تو فرشتوں میں بھاگ دوڑ مچ گئی۔ عبداللہ ابن خباب کی روح پہلے ہی فریاد کنال تھی۔ عرشِ اعلیٰ تھرانے لگا۔

○

کہتے ہیں کہ شہیدوں کے خون کی زبان ہوتی ہے۔ یہ خون باتیں کرتا ہے۔ شہید بھی تو آخر زندہ ہوتے ہیں چنانچہ تین شہیدوں کا یہ خون یکجا ہوا اور اپنی داستان بیان کرنے کے لئے بے چین ہو گیا۔

ایک تیز رفتار سوار جو خارجیوں کی تلاش میں کوفہ سے آ رہا تھا۔ اس کا گزر اس رکی طرف سے ہوا۔ خون شہیداں نے اسے آواز دی۔ سوار کا گھوڑا بھڑکا۔ اس

”بس تم راہ ہدایت سے دور ہو گئے۔ تمہارا قتل ضروری اور جائز ہے۔“ یہ سہ ہوئے ابن الکوار اور اس کے ساتھی ابن خباب پر ٹوٹ پڑے۔ ابن خباب تلوار بھی نہ نکال سکے۔ ان دشمنان اسلام نے جو دراصل سبائیوں کے چیلے تھے۔ ابن خباب کو گھسیٹنا شروع کر دیا۔ کسی نے ہاتھ پکڑے، کسی نے پیر تو کسی نے گردن۔ وہ ابن خباب کو کھینچ کر نہر کی طرف لے چلے۔

ابن خباب نے اسی حال میں چیخ کر کہا۔ ”اے بیوی تو اپنی فکر کر میں تو راہ حق میں قربان ہونے چلا۔“

ابن خباب کی بیوی محمل کے اندر اطمینان سے بیٹھی آنے والے بچے کے تصور میں ڈوبی ہوئی تھی۔ پیارے شوہر کی آواز کان میں پڑی تو پردہ کھینچ، چیخ مار کر محمل سے باہر آگئی۔ کمر سے خنجر نکالا اور بے تحاشہ ادھر بھاگی جدھر ظالم اس کے شوہر کو لئے رہے تھے مگر آخری مہینہ، ایک ایک قدم اٹھانا مشکل تھا نہ کہ بے تحاشا بھاگنا، غریب تھوڑی ہی دور دوڑی تھی کہ چکرا کر گری اور بے ہوش ہو گئی۔

وہ بے دین اب خباب کو گھسیٹتے ہوئے نہر کے کنارے لے گئے۔ قرآن حکیم از کے ساتھ ساتھ گھسٹ رہا تھا۔ کبھی زمین پر کبھی اور اوپر۔ پھر محمدر بن خنیس اور شعث بن راسی نے ان کے ہاتھ اور سعد بن فدکی اور اشعث بن قیس فدکی نے ابن خباب کے دونوں پیر پکڑ کر انہیں زمین پر پچھاڑ دیا۔ ابن خباب چت پڑے تھے ان کی نظریں آسمان کی طرف تھیں۔ سینے پر عبداللہ ابن الکوار سوار ہو گیا۔ اس نے خنجر بلند کر کے ابن خباب پر بھرپور وار کیا۔ خنجر دل میں اتر گیا۔ ابن خباب نے اف بول نہ کیا۔ زبان ضرور حرکت میں تھی۔ کلمہ طیبہ کے ورد میں زبان اس وقت تک حرکت کرتی رہی جب تک روح قفسِ عصری سے نکل کر عالم بالا کی پناہوں میں گم نہ ہو گئی۔ سینے سے خون کا فوارہ نکلا اور خون لکیر بناتا نہر کے پانی میں سرخی کی آمیزش کرنے لگا۔

مرتدوں کا دل اب بھی ٹھنڈا نہ ہوا۔ تمام قاتل اس وقت تک نہر کے کنارے کھڑے رہے۔ جب تک ابن خباب کی لاش سرد نہ پڑ گئی۔ پھر وہ واپس ہوئے اور ان

بن رہ کر اپنی سازش کا جال پھیلایا۔ یہودیوں کا سرغنہ ملک یمن کا ایک عیار لیکن باعالم فاضل یہودی تھا۔ وہ ایک مسلمان عالم کا روپ دھار کر عمد عثمانؓ میں مدینہ آیا اور مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہو گیا۔ آہستہ آہستہ اس نے مسلمانوں کی کمزوریوں سے واقفیت حاصل کی۔ پھر اپنی خفیہ جماعت قائم کر لی۔ یہ شخص آئندہ چل رہے عبد اللہ ابن سبا کے نام سے مشہور ہوا۔

تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا یہی عبد اللہ بن سبا تھا جس کی نعت نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا۔ اس جماعت نے جنگ جمل اور جنگ صفین میں مسلمانوں کو ایک دوسرے کے مقابل لاکر ہزاروں آدمیوں کو شہید کرا دیا۔ اس نعت کا مقصد ہی مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنا تھا۔ یہ لوگ وقت اور موقع کے ساتھ ساتھ اپنے اصول اور نعرے بدلتے رہتے تھے۔ کبھی یہ خارجی کہلاتے، کبھی معتزلہ تو کبھی قرامطہ، یہ تمام فتنے اسی عبد اللہ بن سبا کے پیدا کئے ہوئے تھے۔ ہر نہواں پر عزت ابن خباب ان کی زوجہ اور نوزائیدہ بچے کی شہادت اس جماعت کے سر پھروں کے ہاتھوں ہوئی تھی جو اپنے آپ کو خارجی کہتے تھے یا کہے جاتے تھے۔

کوفہ میں حضرت امیر المومنین علی کرم کا دربار لگا ہوا تھا۔ حضرت علی کرم نے مدینہ منورہ سے کوفہ کو دار الخلافہ منتقل کر لیا تھا کیونکہ یہ مقام اسلامی ریاست کے وسط میں تھا۔ دربار خلافت میں سناٹا تھا۔ ہر چیز اس اور نظر پریشان تھی۔ خود حضرت علی کرم سر جھکائے کچھ سوچ رہے تھے۔ قبیلہ طے کے دو فریادی دربار خلافت میں دست بستہ موجود تھے۔ جناب امیر ان کی فریاد سن چکے تھے۔ اب ہر ایک نظر اپنے قائد اپنے خلیفہ پر لگی تھی۔

حضرت علی کرم نے کسی گہری فکر سے سراٹھایا اور فرمایا۔ ”فریادیو! کیا تمہیں یقین ہے کہ اسلام کی بنیوں کی بے حرمتی اور قتل کے ذمے وار ہماری فوج سے خارج ہونے (خارج) والے لوگ تھے۔“

ایک بوڑھے آدمی نے جس کے آنسو اب تک رواں تھے بڑے پرورد نیچے میں کہا۔ ”اے امیر۔ ہم آپ سے دروغ بیانی کس طرح کر سکتے ہیں۔ میری دونوں بنیوں

نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ سوار نے گھوڑے کو قابو میں لانے کی لاکھ کوشش کی مگر وہ بے قابو رہا۔ وہ قابو میں کیسے آتا۔ خون شہیداں کی پکار اس کے کانوں کے پردے سے ٹکرائی تھی۔ سوار کے ہاتھ سے لگام چھوٹ گئی اور گھوڑا اسے حضرت ابن خباب کی لاش پر لے آیا۔ سوار نے لاش دیکھی تو کانپ اٹھا۔ وہ صحابی رسولؐ حضرت ابن خباب کو پہچانتا تھا۔ سوار نے اتر کر ابن خباب کے جسد خاکی کو کھینچ کر ایک گڑھے میں دفن کیا اور گھاس پھوس اور پتھروں سے ڈھانپ دیا پھر وہ گھوڑے پر بیٹھا اور چاہا کہ کوفہ واپس چلے مگر منہ زور گھوڑا اب بھی باغی تھا۔

سوار نے گھوڑے کی راسیں ڈھیلی کر دیں۔ گھوڑا اپنے سوار کو لئے ادھر سے گزرا جہاں زوجہ حضرت ابن خباب اور معصوم نوزائیدہ کے لاشے پڑے تھے۔ اندھیرے کی وجہ سے کچھ صاف دکھائی نہ دیتا تھا۔ سوار گھوڑے سے اتر پڑا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ تھوڑی دور پر اسے دونوں لاشیں مل گئیں۔ وفادار ناکہ دونوں لاشوں کے درمیان بیٹھا جگالی کر رہا تھا۔ سوار نے ان لاشوں کو بھی کسی نہ کسی طرح دفن کیا۔ پھر اس نے ناکے کی رسی گھوڑے کی زمین میں باندھی اور آگے بڑھا۔

آگے چراغاں ہو رہا تھا۔ خارجیوں نے خیموں کا شربا لیا تھا۔ ہر نہواں کا پورا علاقہ خیموں کے احاطے میں تھا۔ ہر خیمے کے آگے آگ روشن تھی اور اندر چراغ ٹنٹنا رہے تھے۔ سوار کا سفر ختم ہو گیا۔ وہ انہی خارجیوں کی تلاش میں بھیجا گیا تھا۔ خارجیوں کی چہرہ دستیوں کی خبریں حضرت علی کرم تک پہنچ رہی تھیں۔ وہ سخت متفکر تھے۔ خارجیوں کا صحیح متفقہ معلوم کرنے کے لئے انہوں نے کئی سوار مختلف سمتوں میں روانہ کئے تھے۔ یہ سوار ان میں سے ایک تھا۔

سوار اب خون شہیداں کی کمائی سمجھ چکا تھا۔ اس کمائی کی کڑیاں خود بخود جڑتی چلی گئیں۔ پوری داستان مکمل ہو گئی۔ اس نے اپنا گھوڑا موڑا اور کوفہ کی طرف واپس ہوا۔

ریگ زار عرب، شیخ اسلام کی کرنوں سے منور ہوا تو یہودیوں کے وقار کا بھی خاتمہ ہو گیا ان میں مسلمانوں سے مقابلے کی طاقت نہ تھی۔ اس لئے انہوں نے ذی

کو خوارج ہی نے قتل کیا ہے۔ آپ میرے بیٹے سے پوچھ سکتے ہیں۔“

اس لئے وہ شجہہ کو سزا نہ دے سکے۔
ابھی یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ وہ تیز رفتار ہرکارہ جسے خوارج کا پتہ لگانے پر مامور کیا تھا۔ معہ ایک اونٹنی، گھوڑا بھگاتا وربار امیر میں پہنچ گیا۔ وہ گھوڑے سے اترا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ کسی کو کچھ معلوم نہ تھا کہ کیا ہوا ہے اور آنے والا کیوں رد رہا ہے لیکن وہ ایسی آہ و زاری کر رہا تھا کہ دیکھنے والے بھی آبدیدہ ہو گئے۔ ہر آنکھ پر غم ہو گئی اور بعض تو اس کے ساتھ رونے لگے۔

جب اس کا رونا کچھ کم ہوا تو حضرت علی کرم نے پوچھا۔ ”اے کعب، ہمیں بتاؤ تم پر کیا گزری اور تم اس قدر بے قراری سے گریہ کتنا کیوں ہو؟“
کعب اس سوار کا نام تھا۔ اس نے گھوڑے کی زین سے لٹکا ہوا ایک خون آلود کپڑا کھینچ کر ہوا میں لہرایا اور پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا ”میرا المومنین یہ دیکھئے یہ وہ پٹہ، صحابی رسول، حضرت عبداللہ ابن خباب کی زوجہ کا ہے انہیں ظالم خارجیوں نے جبر نہواں میں بے دردی سے قتل کر دیا۔“

یہ سنا تھا کہ ورباریوں کی چیخیں نکل گئیں۔ ایک کھرام مچ گیا۔ حضرت علی کرم کی آنکھیں بھی اٹک بار ہو گئیں۔ تھوڑی دیر یہی عالم رہا۔ پھر حضرت امیر نے پوچھا۔ ”اے کعب یہ تو بتاؤ کہ حضرت عبداللہ ابن خباب کہاں ہیں؟“
کعب نے اپنے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”یا امیر المومنین ظالموں نے انہیں بھی شہید کر دیا۔ میری آنکھوں نے جو منظر جبر نہواں میں دیکھا ہے اسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت عبداللہ بن خباب کا سینہ خنجر دلوں سے چھلنی تھا۔ ان کی زوجہ کا شکم چاک تھا اور ایک نومولود بچے کی لاش ان کے پاس پڑی تھی بچے کے نازک جسم سے بھی تلوار کی نوک پار کی گئی تھی!!“

کعب بیان کر رہا تھا اور وربار میں کھرام مچا ہوا تھا۔ لوگ اتنی زور زور سے رو رہے تھے کہ کان پڑی آواز سنانی نہ دیتی تھی۔ ہر ایک شدت غم سے ہچکچاڑیں کھا رہا تھا۔ وربار سے نوحہ و الم اس قدر بلند ہوا کہ اس کی آوازیں باہر تک پہنچیں اور لوگ بھاگ بھاگ کر وربار میں جمع ہوئے۔ جوں جوں مجمع بڑھتا جاتا تھا اسی قدر شور

بڑھے نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے جوان کی طرف اشارہ کیا۔ جوان نے اپنا ہاتھ ہاتھ اٹھایا۔ اس کے ہاتھ کا اگلا حصہ کہنی تک کٹا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ ”یا امیر المومنین! جنگ صفین میں، میں آپ کے لشکر میں تھا۔ میرا یہ ہاتھ اسی لڑائی میں ہے، میں نے قاتلوں کو پہچان لیا تھا۔ وہ آپ کے لشکر کے وہ لوگ ہیں جو آپ سے ناراض ہو کر صفین سے واپسی کے وقت آپ سے الگ ہو گئے تھے۔ میرا خیال ہے ان قاتلوں میں بنی رباب کا شجہہ بھی شامل تھا۔“

اس وقت وربار خلافت میں ایک اویس عمر فوراً اپنی جگہ کھڑا ہوا اور چیخ کر بولا ”یا امیر المومنین! یہ جھوٹا ہے۔ میں نے تو کوفہ سے قدم تک نہیں نکالا۔ یہ مجھ پر ظالم لگا رہا ہے۔ امیر کے باغیوں سے میرا کوئی تعلق نہیں۔“

قبیلہ بنی رباب کے شجہہ نے بڑی دلیری سے قبیلہ طے کے دست بریدہ جوان جھٹلانے کی کوشش کی۔ حالانکہ یہ بد بخت خارجیوں کے اس گروہ میں شامل تھا جو نے قبیلہ طے کی عورتوں پر حملہ کیا تھا۔ قبیلہ طے کی عورتیں حسب معمول آبادی۔ قریب ایک چشے پر پانی بھرنے گئی تھیں۔ خارجیوں کا ایک گروہ اوھر آ نکلا۔ وہ پانی کا تلاش میں تھے۔ چشے پر پہنچ کر انہوں نے پانی پینا چاہا۔ ان کی بزرگ صورت دیکھ کر خواتین اسلام نے انہیں اپنے برتنوں سے پانی پلانے کی پیش کش کی لیکن انہوں نے عورتوں کو کافر اور بے دین کہہ کر ان کے برتنوں میں پانی پینے سے انکار کر دیا۔ عورتیں اس بات کو برداشت نہ کر سکیں اور ان کا جھگڑا ہو گیا۔ خارجیوں کے گروہ نے عورتوں پر حملہ کر دیا۔ عورتوں نے اپنی چھاگلوں سے ان کا مقابلہ کیا مگر تلواروں سے کیسے مقابلہ ہو سکتا تھا۔ اس کش مکش میں کئی عورتیں شہید ہو گئیں اور بہت زخمی ہوئیں، جب تک مروان کی مدد کو پہنچیں یہ گروہ مرتدین بھاگ کھڑا ہوا۔

حضرت علی کرم کو قبیلہ بنی رباب پر پہلے ہی شبہ تھا۔ انہیں خبر دی گئی تھی کہ قبیلہ خوارج سے تعلق رکھتا ہے اور کوفہ میں شجہہ کا مکان خارجیوں کا مرکز ہے۔ حضرت علی کرم نے شجہہ سے سختی سے پوچھ گچھ کی مگر انہیں کوئی عینی شہادت نہ مل

ابھی حضرت علی کرم اور حضرت معاویہ کے دل صاف نہ ہوئے تھے اور انہوں نے اپنی اپنی فوجوں کو از سر نو آراستہ کر لیا تھا۔ مختلف صوبوں کے گورنروں کو فوج بھجوانے کا حکم بھی دیا تھا۔ کچھ فوجیں آ بھی چکی تھیں اور یہ سلسلہ جاری تھا۔ مگر ہوتا وہی ہے جو قدرت کو منظور ہوتا ہے۔ صفین کے میدان میں حضرت علی کرم اور حضرت امیر معاویہ کے درمیان جو خون ریز جنگ ہوئی تھی اس میں دونوں طرف کے ہزاروں آدمی شہید ہوئے تھے ظاہر ہے کہ یہ سب مسلمان تھے۔ ان میں بڑے بڑے صحابی بھی تھے۔ چنانچہ اب قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ مسلمان پھر آپس میں ٹکرائیں۔ قبیلہ طے کی خواتین کی بے حرمتی اور شہادت اور اب صحابی رسولؐ حضرت عبد اللہ ابن خطاب اور ان کی بیوی بچے کا یتیمانہ قتل ایسا نہ تھا کہ حضرت امیر اسے نظر انداز کرتے۔ ان کا دل بھی اوروں کی طرح خون کے آنسو رو دیا۔ بلکہ ان کو تو اور زیادہ غم تھا۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کے خلیفہ تھے اور رعیت کی مال و جان کی حفاظت کرنا ان کا فرض تھا۔

امیر المومنین حضرت علی کرم نے کئی گھنٹے بڑے کرب میں گزارے تھے۔ لوگوں کی گریہ و زاری، قبیلہ طے کی خواتین کی شہادت، صحابی رسولؐ اور ان کے اہل و عیال کی بربادی اور اب ان کے رفقا کی درخواست۔ یہ تمام باتیں ایسی تھیں جس نے جناب امیر کو بہت متاثر کیا۔ لوگ غصہ تھے کہ امیر المومنین اپنی زبان سے کچھ ارشاد فرمائیں تاکہ ان کے دلوں کو تسلی ہو۔ ظالموں کو سزا ملے اور مظلوموں کی داو دسی ہو۔

حضرت علی کرم نے بڑے غور و خوض کے بعد فرمایا۔ ”اے مظلوم مسلمانو! تم نے مجھے خلیفہ بنایا تاکہ میں اسلام کی حفاظت کروں اور دین کو دنیا میں پھیلاؤں۔ تم نے مجھے خلیفہ بنایا کہ میں مظلوم کو ظالموں سے چھٹکارا دلاؤں۔ تم نے مجھے امیر بنایا کہ میری اور لشکر اسلام کی تلواریں ان کا قلع قمع کریں جو اسلام سے انحراف کریں۔ میرا فرض ہے کہ میں اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کروں۔ رعیت کے جان و مال اور عزت و آبرو پر حرف نہ آنے دوں۔ میرے رفقا کی بھی یہی رائے ہے۔ میں مظلوموں

بڑھ رہا تھا۔ کوفہ کی عورتوں کو جب حضرت ابن خطاب ان کی زوجہ اور معصومہ کی شہادت کی خبر ملی تو ان کی چیخ و پکار اور آہ و زاری سے تو زمین و آسمان مل گئے حضرت ابن خطاب اور ان کی زوجہ کے خاندان والوں کا تو حال دیکھا نہ جاتا تھا۔ در امیر اور شہر میں کئی گھنٹے تک ماتم ہوتا رہا۔ حضرت علی کرم اس قدر روئے کہ رات مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

پھر دربار میں ہر طرف انتقام، انتقام کی صدائیں بلند ہوئیں۔ جوانوں کا خون ہو گیا۔ انہوں نے تلواریں بے نیام کر لیں اور حضرت امیر سے انتقام کی درخواست کی۔ حضرت علی کرم کو خطرہ پیدا ہوا کہ اگر ان جوانوں پر قابو نہ پایا گیا تو یہ کوئی قدم اٹھالیں گے۔ سب سے زیادہ خدشہ اس بات کا تھا کہ خارجیوں کے ہمت سے واقارب کوفہ میں موجود تھے ان کی حفاظت حضرت امیر پر فرض تھی کیونکہ وہ بظاہر بے خطا تھے اور جب تک ان کا تعلق خارجیوں سے ثابت نہ ہوتا انہیں نہ تو سزا جاسکتی تھی اور نہ ان کی حفاظت سے چشم پوشی کی جاسکتی تھی۔

یہی بات حضرت امیر کے ساتھیوں کو بھی شدت سے پریشان کر رہی تھی۔ ذہن تعقاع بن عمرو نے بہت سوچ سمجھ کر کہا۔ ”یا امیر المومنین! میرا خیال ہے کہ اس وقت خارجیوں کے فتنے کو ختم کرنے کی طرف پہلے توجہ کی جانی چاہئے۔“

یزید بن قیس نے ہاں میں ہاں ملائے ہوئے کہا۔ ”یا امیر المومنین! ہم آپس لڑائی تو بعد میں بھی لڑ سکتے ہیں لیکن اس وقت خارجیوں نے جو اودھم مچا رکھا ہے کا خاتمہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔“

حضرت امیر ابھی کوئی جواب نہیں دینے پائے تھے کہ عدی بن حاتم طائی نے اٹھ کھولے۔ عدی اسی قبیلہ کا سردار تھا جس کی خواتین کی خوارج نے بے حرمتی کی اور کئی ایک کو قتل کر دیا تھا۔ اس نے کہا۔ ”یا امیر المومنین! اگر ہم ان خوارج کو کئے بغیر آگے روانہ ہو گئے تو یہ ظالم ہمارے گھروں کو لوٹ لیں گے، عورتوں، بچوں کو قتل کر دیں گے۔ میں امیر المومنین سے درخواست کرتا ہوں کہ پہلے ان مرتد کا خاتمہ کیا جائے۔“

کہا۔ ”یا امیر المومنین۔ میں مسلمان ہوں۔ لاشوں کی بے حرمتی۔ میں کیسے ہونے دیتا۔ میں نے تینوں لاشوں کو پتھروں جھاڑیوں میں دفن کر دیا۔“

حضرت امیر نے ایک لمبی سانس لی۔ جیسے انہیں اطمینان ہو گیا پھر انہوں نے پوچھا۔ ”تم خارجیوں سے ملے تھے۔ ان کی تعداد کتنی تھی؟“

کعب کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ”ان کی صحیح تعداد کا تو صرف اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ میں نے ان سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔ پہلے میں نے چاہا کہ ان سے مل کر اس قتل کی وجہ دریافت کروں لیکن پھر اس خیال سے میں نے ارادہ ملتوی کر دیا کہ اگر میں بھی ان کے ہاتھوں مارا گیا تو دربار خلافت تک خبر لے کر کون آئے گا۔“

”تم نے اچھا ہی کیا۔“ جناب امیر بولے۔ ”پھر تمہیں اندازہ کیسے ہوا کہ وہ خارجی تھے۔“

”یا امیر المومنین۔“ کعب نے بتایا ”میں نے حد نظر تک خیمے ہی خیمے دیکھے۔ اندر شمعیں روشن تھیں اور باہر الاؤ جل رہے تھے۔ میں آہستہ آہستہ ان کے قریب پہنچا میں نے شعث بن راسی اور محرز بن خنیس کو خیموں سے باہر ٹٹلتے دیکھا۔“

”تم نے ٹھیک اندازہ لگایا۔“ حضرت علی کرم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”یہ دونوں اس گروہ میں شامل ہیں جو ہمارے لشکر سے الگ ہو گیا تھا۔“

حضرت علی کرم کے رفقاء بڑے غور سے یہ گفتگو سن رہے تھے۔ جب یہ خاموش ہوئے تو عتقا بن عمرو بولے۔ ”یا امیر المومنین یہ لوگ کس قدر خود سر ہو گئے ہیں۔ انہوں نے صحابی رسولؐ کو شہید کر دیا۔ انہیں کوئی خوف نہیں آیا؟“

”عتقا۔“ حضرت علی کرم نے فرمایا۔ ”یہ لوگ دین کے دشمن ہیں۔ ان کا سر کٹنا ہمارا فرض ہے۔“



شعبہ قبیلہ بنی رباع کا ایک اہم سردار تھا۔ جنگ صفین کے بعد جب خارجیوں کا گروہ پیدا ہوا تو شعبہ اس میں شامل ہو گیا۔ اس کے بیٹے اور بیٹی نے بھی خارجی عقیدہ اختیار کر لیا۔ شعبہ کی جوان بیٹی قناتہ اپنے حسن و جمال میں لاجواب تھی۔

کے غم میں برابر کا شریک ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ میں نے تم سب کے مشورے سے شام کی مہم ملتوی کی۔ کیونکہ اس وقت شام کی مہم سے پہلے خوارج کا خاتمہ کرنا زیادہ ضروری ہے۔ اس فتنے کا سراگر فوراً نہ کچلا گیا تو دین اسلام اور مسلمانوں کی سخت نقصان پہنچے گا۔ تم کو جو کہنا تھا وہ تم نے کہہ دیا اور مجھے جو کہنا تھا وہ میں نے بیان کر دیا۔ اپنے اپنے گھروں کو جاؤ اور خدا سے دعا کرو کہ وہ لشکر اسلام کو ان ناکو بے دینوں کے مقابلے پر کامیاب کرے۔“

حضرت علی کرم کے اس خطبے اور اعلان سے لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اپنے گھروں کو خاموشی سے واپس چلے گئے۔ حضرت امیر کے رفیق اور ساتھی بھی برا خوش تھے کہ امیر المومنین نے ان کی درخواست قبول کر لی۔

اب شام کی طرف جانے کے بجائے حضرت علی کرم کے لشکر نے خارجیوں کے خلاف جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ حضرت علی کرم نے دربار برخاست کر دیا۔ جب سب لوگ چلے گئے اور صرف ان کے پاس خاص خاص رفقاء رہ گئے تو حضرت علی کرم نے کعب کو اپنے پاس بلایا جسے جانے سے روک لیا گیا تھا۔

کعب، حضرت علی کرم کے پاس آکر ادب سے بیٹھ گیا۔ یہ دربار خلافت تھا۔ نہ تخت و تاج، نہ صوفے نہ کرسیاں، معمولی سادری چادر کا فرش۔ اسی پر امیر اور اسی فقیر، سب ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ باہر سے آنے والا اگر ناواقف ہو تو وہ خلیفہ کو پہچان ہی نہیں سکتا تھا۔

کعب قریب آکر بیٹھا تو حضرت امیر نے دریافت کیا۔ ”کعب، یہ واقعہ کہاں؟ پیش آیا؟“

”علاقہ جسر نہرواں میں۔ نہر کے کنارے۔“ کعب نے ادب سے جواب دیا۔ ”حضرت عبداللہ بن خباب کو نہر کے کنارے شہید کیا گیا اور ان کی زوجہ اور بچے کی لاشیں، نہر سے کچھ فاصلے پر پتھروں اور جھاڑیوں کے پاس پڑی تھیں۔“

”تم نے ان لاشوں کو کیا کیا؟“ حضرت امیر نے بے چینی سے پوچھا۔ کعب سمجھ گیا کہ امیر کو لاشوں کی بے حرمتی کا خیال پریشان کر رہا ہے۔ اس نے

وہ پہلا آدمی تھا جس نے قظامہ سے مل کر اس کی خواہش نہ کی۔ قظامہ کو مایوسی تو ہوئی لیکن ابن سبا کے اس رویے سے قظامہ کے دل میں ابن سبا کی وقعت اور عزت بڑھ گئی۔ اس نے سوچا کہ ابن سبا واقعی امام ہے۔ اس مایوسی کے باوجود قظامہ ابن سبا کے اس اعلان سے بہت خوش ہوئی کہ اس کے ہاتھ کوئی ایسا کام ہو گا جو تاریخ کے صفحات میں درج ہو کر قیامت تک موجود رہے گا۔ وہ کام کیا تھا، قظامہ اس کے لئے بے چین تھی۔

حضرت علی کرم کے اس فیصلے سے کہ وہ پہلے خارجیوں کو ختم کریں گے اس کے بعد شام جائیں گے، شجنہ کو بڑا دکھ ہوا۔ ابن سبا کا پیروکار اور خارجیوں کی تنظیم کوفہ کا ناظم شجنہ تو یہ چاہتا تھا کہ حضرت علی کرم شام جا کر حضرت امیر معاویہ سے جنگ کریں تاکہ خارجی اس سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیں لیکن اس فیصلے سے شجنہ کے ارادوں پر اوس پڑ گئی۔

وہ گھر آیا تو اس واس قظامہ نے باپ کو پریشان دیکھا تو پوچھا۔ ”کیا ہوا ابا جان آپ اس قدر فکر مند کیوں ہیں؟“

شجنہ نے چاہا کہ وہ ٹال دے مگر اسے قظامہ سے بڑی محبت تھی۔ اپنے بیٹے سے بھی زیادہ۔ وہ بات کو ٹال نہ سکا اور افسردگی سے بولا۔ ”قظامہ بیٹا۔ میری فکر مندی کے دو سبب ہیں ایک تو یہ کہ بھرے دربار میں قبیلہ طے کے دو آدمیوں نے مجھے طے کی عورتوں کا قاتل ٹھہرایا۔“

قظامہ گھبرا گئی اس نے فوراً پوچھا۔ ”پھر آپ کیسے بچ گئے علی کرم کے پرستار تو آپ کے دشمن ہو گئے ہوں گے؟“ خارجی حضرت علی کرم کا نام بغیر کسی القاب کے لیا کرتے تھے۔

”بس قسمت تھی کہ بچ گیا۔“ شجنہ نے کہا۔ ”مگر آج میں دربار میں نہ ہوتا تو طے کی عورتوں کے قتل کے الزام میں مجھے پکڑ کر قتل کر دیا جاتا لیکن میں صاف مکر گیا۔ میری دربار میں حاضری میرے کام آئی۔ الزام لگانے والوں کی بات کا کسی کو یقین نہیں آیا۔ حالانکہ جب میں عورتوں کو قتل کر کے فرار ہوا تو میرا سامنا انہی دو

کوفہ اور اطراف کوفہ کے کتنے ہی جوان اس کے خواہش مند تھے۔ لیکن یہ منہرہ حسینہ کسی کو منہ نہ لگاتی۔ بڑے بڑے رئیس زادوں کے پیغام اس نے ٹھکرا دیئے اسے اپنے حسن پر بجا طور پر ناز تھا۔ اس جیسی خوبصورت لڑکی پورے کوفہ میں منہرہ نہ تھی۔

قظامہ کی اہمیت اس وقت اور بڑھ گئی جب اس کے باپ شجنہ کو سبائوں خفیہ تنظیم کا کوفہ میں ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ اس تنظیم کا بانی عبداللہ ابن سبا اس وقت مصر میں موجود تھا۔ شجنہ روز اول ہی سے حضرت علی کرم کے خلاف تھا۔ جب اسے پتہ چلا کہ عبداللہ ابن سبا نے حضرت علی کرم کے خلاف کوئی تنظیم قائم کی ہے تو فوراً ”مصر گیا اور ابن سبا سے ملاقات کی۔ ابن سبا بھی ایک بار خفیہ طور پر کوفہ آ تھا۔ اس نے کئی دن شجنہ کے مکان میں قیام کیا۔ اس قیام کے دوران ابن سبا اپنی تنظیم کی ایک شاخ کوفہ میں قائم کی اور شجنہ کو اس کا ناظم بنا دیا۔

ابن سبا نے قظامہ کو دیکھا تو اس کے حسن کو دیکھ کر برا حیران ہوا۔ ابن سبا ہم کار رہنے والا تھا۔ یمن کی عورتیں بڑی خوبصورت ہوتی ہیں لیکن قظامہ کو دیکھ کر یمنی عورتوں کا حسن بھول گیا۔ اس نے قظامہ سے باتیں کیں تو اسے معلوم ہوا کہ حسینہ ذہانت اور فطانت کے زیور سے بھی آراستہ ہے۔ اس کی دلچسپی قظامہ میں بڑھ گئی۔ ابن سبا اس تنظیم کا امام تھا۔ اگر ابن سبا قظامہ کے حصول کی کوشش کرنا اسے ناکامی نہ ہوتی۔ قظامہ خود بھی چاہتی تھی کہ اس کا جیون ساتھی کوئی ایسا ہو جو دنیا میں نام ہو اور اس کے حسن کی قدر کرے لیکن ابن سبا بڑا مکار اور دور اندیش تھا۔ اس نے قظامہ کی اس کے باپ شجنہ کے سامنے بہت تعریف کی اور پھر اس زبان سے نکلا کہ یہ لڑکی کوئی ایسا کام ضرور کرے گی جس سے تاقیامت اس کا نام نہ رہے گا۔ پتہ نہیں ابن سبا نے کیا سوچ کر یہ کہا تھا۔ اس کے ذہن میں یقیناً ”کافا“ بات تھی۔

ابن سبا واپس چلا گیا۔ قظامہ کچھ مایوس ہو گئی۔ اس کا خیال تھا کہ ابن سبا پسند کرتا ہے اور اس سے شادی کر لے گا مگر ابن سبا نے اسے مایوس کر دیا۔ اتنا

علی کرم کا لشکر دو ایک روز میں ادھر جانے والا ہے۔“
 قظامہ کو گھبراہٹ ہوئی۔ اس نے پوچھا۔ ”ابا جان کیا آپ کا خیال ہے کہ جس
 نہواں میں میدان کارزار گرم ہو گا؟“

”کیوں نہیں بیٹی۔“ شجنہ بولا۔ ”دعا کر کہ تیرے باپ کو شہادت نصیب ہو اور
 دیکھ اگر میں مارا جاؤں تو گھر میں چوڑیاں پہنے نہ بیٹھی رہنا بلکہ امام ابن سبا سے مل کر
 فرقہ خارجیہ کے لئے کام کرنا۔ میری روح اس سے خوش ہو گی۔“

قظامہ کی آنکھیں تر ہو گئیں۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے باپ سے یہ آخری
 ملاقات ہے۔ قظامہ نے باپ کے آگے کھانا لا کر رکھا۔ مصر سے آئے ہوئے دو سبائی
 بھی اس میں شریک ہوئے۔ اس کا گھر سبائیوں اور خارجیوں کا خفیہ اڈا تھا۔ یہاں بڑی
 بڑی سازشیں تیار ہوتیں اور مسلمانوں کے سروں کے فیصلے کئے جاتے۔

شجنہ سے پیٹ بھر کر کھانا نہ کھا گیا۔ بظاہر وہ خود کو سنبھالے ہوئے تھا مگر جانتا
 تھا کہ اگر جس نہواں میں ذوالفقار علی کرم بلند ہو گئی تو خارجیوں کو جان بچانا مشکل ہو
 جائے گا۔ وہ کھانا چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ تلوار لگائی ترکش کاندھے پر لٹکایا اور گھوڑے پر
 بیٹھ جس نہواں چل پڑا۔

قظامہ باپ کو دروازے تک رخصت کر کے واپس آگئی اور مہمانوں کی خاطر دو
 مدارات میں پھر مصروف ہو گئی۔ اس کے یہاں آنے والے مہمان ہوتے تو سبائی یا
 خارجی تھے لیکن ان میں زیادہ تعداد ان جوانوں کی ہوتی جو قظامہ کے حسن جہاں تاب
 سے آنکھیں سینکنے کے متمنی ہوتے تھے۔ اسی لئے قظامہ کے گھر روز دو ایک نئے
 مہمان آتے رہتے۔ قظامہ بھی ان سے بے باکی اور بے تکلفی سے گفتگو کرتی اور جب
 سے یہ معلوم ہوا کہ اسے دنیا میں کوئی اہم کام کرنا ہے اس وقت سے وہ جوان عمر
 سبائیوں اور خارجیوں سے اور زیادہ التفات سے پیش آنے لگی تھی کہ پتہ نہیں اسے
 کس وقت جوانوں کی طاقت کی ضرورت پڑ جائے۔

قظامہ کے اس مصلحت آمیز رویے سے آنے والے ہر جوان کو یہ غلط فہمی ہو
 جاتی کہ قظامہ اسے پسند کرتی ہے۔ اس لئے اکثر ان کی شوخیاں چھیڑ چھاڑ سے بھی

آدمیوں سے ہوا تھا۔ انہوں نے مجھے اچھی طرح پہچان لیا تھا۔“
 قظامہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ پھر بولی ”اور اداسی کی دوسری وجہ کیا ہے ابا
 جان؟“

”دوسری وجہ یہ ہے کہ علی کرم کا لشکر شام جا کر معاویہ سے لڑنے کے بجائے
 اب ہم خارجیوں سے مقابلے کے لئے تیار ہو رہا ہے۔“ شجنہ نے بیٹی کو تفصیل
 بتاتے ہوئے کہا۔ ”ایک سوار نے آکر دربار میں بتایا کہ صحابی رسولؐ عبداللہ بن
 خبابؓ ان کی بیوی اور نومولود بچے کو ہمارے ساتھیوں نے قتل کر دیا ہے۔“
 ”لیکن ابا جان معصوم بچے نے کیا کیا تھا۔“ قظامہ نے الجھتے ہوئے کہا۔ ”ہمارا
 مقصد تو بے دین مسلمانوں کو تباہ کرنا ہے۔“

شجنہ زہر خند کیا۔ ”بیٹی قظامہ مجھے تیری عقل پر افسوس ہوتا ہے۔ امام عبداللہ
 بن سبا نے تیرے متعلق پیشین گوئی کی ہے کہ تیرا نام تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ
 جگمگاتا رہے گا اور تیری نادانی کی یہ کیفیت ہے۔ کیا تو نہیں جانتی کہ سانپ کا بچہ
 سانپ بنی ہوا کرتا ہے۔ معاویہؓ اور علی کرم دونوں ہم سچے مسلمانوں کے لئے سانپ
 ہیں۔ ان کے پیروکار اور ہمدرد بھی سانپ ہیں ہمیں ان کی نسل ختم کرنا ہے۔ عورتوں
 اور بچوں سے نسل بڑھتی ہے پھر انہیں کیوں زندہ چھوڑا جائے۔“

قظامہ کی سمجھ میں باپ کی بات کچھ اس طرح آئی کہ انسانی ہمدردی کی جو رمت
 اس کے ذہن کے گوشے میں موجود تھی وہ بھی ختم ہو گئی۔ اس نے کہا۔ ”لاریب ابا
 جان۔ آپ نے درست فرمایا۔ ان سب کا خاتمہ ہمارے سچے دین کے لئے لازمی اور
 ضروری ہے۔“

شجنہ نے بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولا۔ ”قظامہ تو خود کو اس کام کے لئے
 تیار کر جو تجھ سے لیا جانا ہے۔ اپنے حوصلے بلند رکھ اور اپنے دین کی سر بلندی کے
 لئے مردانہ وار جدوجہد کر۔“

تھوڑی دیر دونوں خاموش رہے۔ پھر شجنہ نے کہا۔ ”میں اس وقت جس نہواں
 جا رہا ہوں تاکہ اپنے امام عبداللہ بن الکوار کو آنے والے خطرے سے آگاہ کروں۔“

تجاوز کرتا تھا اور قظامہ کو یہ سب اپنے مستقبل کے لئے برواشت کرنا پڑتا۔
 شیب بن نجمہ حواری اور دروان، دو خارجی قظامہ کے پرانے عاشق تھے۔ یہ
 رہنے والے تو اطراف کوفہ کے تھے لیکن تقدیر آزمائی کے لئے مصر گئے اور عبداللہ بن
 سبا کی سبائی تنظیم میں شامل ہو کر کئی علاقے اسلام کو قتل کیا۔ اس لئے انہیں ابن سبا
 کا اعتماد حاصل ہو گیا۔ اب یہاں جنگ صفین کے بعد جب خارجیوں نے زور پکڑا تو
 ابن سبا کے حکم پر یہ کوفہ آئے اور قظامہ کے مہمان ہوئے۔ ان دونوں کو ابن سبا نے
 اپنے جاسوسوں کے طور پر بھیجا تھا تاکہ وہ خارجیوں کے بارے میں پوری معلومات
 حاصل کر کے مصر پہنچائیں کیونکہ ابن سبا یہودی کا طریقہ یہی تھا کہ وہ مسلمانوں کے
 خلاف اٹھنے والی ہر تحریک کی پشت پناہی کرتا اور اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے انہیں
 مضبوط کرتا۔

شیب اور دروان نے قظامہ کو دو سال بعد دیکھا تھا۔ اس وقت یہ ایک معصوم
 کلی تھی اور اب وہ کھلنے کے لئے ایک بے تاب غنچہ تھی۔ شیب اور دروان جاسوسی
 بھول کر اس کے عشق میں گرفتار ہو گئے۔ قظامہ یوں تو ہر نوار و جوان سے التفات
 کرتی تھی لیکن ان پر اس لئے زیادہ مہربان تھی کہ یہ مصر سے آئے تھے اور امام ابن
 سبا کے خاص احباب میں تھے۔ قظامہ ان سے گھنٹوں مصر اور ابن سبا کے حالات سنتی
 رہتی اور یہ دونوں مزے لے لے کر بیان کرتے رہتے۔ قظامہ کے یہاں کوئی مہمان دو
 تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرتا تھا لیکن انہیں پورا ایک ہفتہ ہو گیا اور یہ جانے کا نام نہ
 لیتے تھے۔ شجہہ خارجیوں کا ایک اہم رکن تھا۔ وہ دن بھر اور رات کے بیشتر حصے باہر
 رہتا۔ اس کا بھائی تو خارجیوں کا ایسا شیدائی تھا کہ اس نے گھر آنا بھی چھوڑ دیا۔ اس
 وقت بھی وہ جسر نہواں میں خارجیوں کے ساتھ خیموں میں مقیم تھا۔

ان حالات میں قظامہ گھر میں تنہا رہتی۔ اس کی ماں کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا
 تھا۔ گھر کے کام کاج سے فارغ ہوتی تو وہ مہمانوں میں آ بیٹھتی۔ خالی اوقات میں بڑی
 دلچسپ محفلیں جیتیں۔ ہنسی مذاق، لطیفہ گوئی، چھیڑ چھاڑ، سبھی کچھ ہوتا۔ قظامہ ہر قسم
 کی بے ہودگیوں کی عادی ہو چکی تھی بلکہ اب تو وہ خود ان جوانوں کو شہ ویت۔ وہ جوانی

کے اس دور میں تھی جب لڑکیوں کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی تعریف کی جائے۔ وہ
 نئی بھی تعریف کے قابل۔

شجہہ کے جانے کے بعد حسب معمول محفل گرم ہوئی لیکن آج قظامہ کچھ
 بھی بجھی تھی۔ شیب نے اسے خاموش دیکھا تو کہا۔ ”یہ آج چاند پر گرہن کیا۔
 خیریت تو ہے؟“

قظامہ نے اپنی بھاری سیاہ پلکوں کو جنبش دی اور ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔
 ”شیب ہماری زندگیوں کا مقصد محض ہنسی مذاق تو نہیں۔ ہمارا فرقہ ہم سے کچھ اور
 ہی امید رکھتا ہے۔“

باپ بیٹی میں جو گفتگو ہوئی تھی۔ اس سے یہ دونوں بے خبر تھے۔ انہوں نے ایک
 ہفتے سے گھر سے قدم بھی نہ نکالا تھا۔ پھر انہیں حالات کا کیسے علم ہوتا۔ شیب بن
 نجمہ نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے پوچھا۔ ”قظامہ ہم تمہیں افسردہ نہیں دیکھ سکتے اگر
 کوئی خاص پریشانی ہے تو ہمیں بتاؤ؟“

قظامہ نے شاطرانہ انداز اختیار کیا اور بولی۔ ”شیب تم خود کو عبداللہ بن سبا کا
 بیروکار کہتے ہو اور تمہیں ان کی مصاحبت کا فخر بھی حاصل ہے۔ میرا باپ، میں خود بھی
 ابن سبا کی معتقد ہوں۔ تم سبائیوں اور ہم خارجیوں کا مقصد ایک ہی ہے کہ جھوٹے
 مسلمانوں کو ختم کیا جائے اور سچے مسلمانوں یعنی ہمارے فرقے کے ہاتھ میں طاقت
 آئے۔“ اتنا کہہ کر قظامہ خاموش ہو گئی اور دونوں کے چہروں پر اپنی بات کا رد عمل
 دیکھنے لگی۔

دروان جو اب تک خاموش تھا بولا۔ ”لیکن ان باتوں کے بیان سے تمہارا مقصد
 کیا ہے۔ ہم نے خارجیوں کی کب مخالفت کی ہے۔ ہم کو اسی لئے بھیجا گیا ہے کہ
 خارجیوں کی ضروریات کا پتہ لگائیں اور پھر فیصلہ کریں کہ ہم ان کی کس طرح مدد کر
 سکتے ہیں۔“

قظامہ نے پھر پھکی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ ”دروان، خارجیوں کی اہم بات کا پتہ گھر
 ٹھیکہ کر نہیں لگایا جاسکتا ہے۔ تمہیں کیا علم کہ جسر نہواں پر کیا ہونے والا ہے۔

پھر شیب ایک عزم کے ساتھ اٹھا اور بولا۔ ”قظامہ ہم تمہارے خیالات کی قدر کرتے ہیں۔ تم واقعی اک بہادر لڑکی ہو۔ تمہیں بہادریوں سے ہی محبت کرنا چاہئے۔ ہمیں اجازت دو ہم جسر نہواں کی جنگ میں شریک ہو کر تمہارے لگائے ہوئے بزدلی کے داغ کو دھونے کی کوشش کریں۔“

جب شیب بن نجمہ اور وردان ہتھیار لگا، گھوڑوں پر سوار ہو کر جسر نہواں کی طرف روانہ ہو گئے تو قظامہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس نے سوچا کہ چلو ان سے چچا چھوٹا۔ اگر یہ دونوں جسر نہواں کی جنگ میں مارے گئے تو مجھے دو بزدلوں سے نجات مل جائے گی اور اگر یہ فاتح ہو کر آئے تو میں اپنے ان عاشقوں سے کوئی اور مفید کام لوں گی۔

خارجی جو اپنے آپ کو سچا مسلمان کہتے تھے مگر حضرت علی کرم کا لشکر چھوڑنے کی وجہ سے وہ جب خارجی مشہور ہوئے تو خود بھی اپنے خارجی کئے پر فخر کرنے لگے۔ خارجی لشکر امیر کو چھوڑ کر کوفہ سے نکلے تھے تو انہوں نے جسر نہواں کو اپنا مستقر بنایا تھا اور پھر مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ کہتے تو یہ تھے کہ ہم سنت رسول کی اشاعت کر رہے ہیں مگر مقصد مسلمانوں کو مٹانا تھا۔

جب جسر نہواں پر حضرت عبداللہ بن خباب اور ان کے بیوی بچے کے قتل کا واقعہ پیش آیا تو ان میں آپس میں کچھ اختلاف پیدا ہو گیا جو مسلمانوں کے جانی دشمن تھے۔ انہوں نے تو اس ترے قتل کو سراہا لیکن جن کے پاس ذرا سی بھی عقل تھی وہ اس قتل کو ایک بد شگونی تصور کرتے تھے ان کا کہنا تھا کہ صحابی رسول کے قتل کی خبر کوفہ کے مسلمانوں میں آگ لگا دے گی اور ممکن ہے کہ لشکر اسلام ان کی سرکوبی کے لئے چل پڑے۔ آخر طے ہوا کہ صحابی رسول کی لاش کو ایسی جگہ پوشیدہ کر دیا جائے کہ اسے کوئی نہ دیکھ سکے اور یہ قتل دب کر رہ جائے لیکن جب لاشیں اندھیرے میں تلاش کرنے کے باوجود دستیاب نہ ہوئیں تو یہ لوگ پریشان ہوئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ اب یہ خبر کوفہ تک ضرور پہنچے گی اور حضرت علی کرم جنگ کے لئے ادھر کا رخ کریں گے۔ دوسرے دن رات کو شعبنہ نے جسر نہواں پر پہنچ کر ان کے اس خیال

تم تو یہاں بیٹھ کر میری باتوں سے دل بہلاتے ہو اور میں مہمان نوازی سے مجبور ہوں تمہاری خاطر مدارات کرتی ہوں۔“

اب تو دونوں کے کان کھڑے ہوئے۔ شیب نے بے چینی سے پوچھا۔ ”ہر نہواں پر کیا ہونے والا ہے۔ ہمیں صاف صاف بتاؤ۔“

”جسر نہواں پر علی کرم اور ہمارے امام عبداللہ بن الکوار کے درمیان میدان کارزار گرم ہو گا۔“ قظامہ نے کہنا شروع کیا۔ ”ایک طرف بے دین مسلمان اور دوسری طرف خارجی مسلمانوں کا لشکر ہو گا اور اس میں فیصلہ ہو گا کہ سچا کون ہے میرا باپ اس جنگ میں شہادت کی آرزو لے کر گیا ہے۔ میرا بھائی ابن الکوار مصاحب خاص ہے۔ اس نے چار ماہ سے گھر کی صورت نہیں دیکھی۔“

وردان کچھ سوچ کر بولا۔ ”لیکن اس میں فکر کی کیا بات ہے تمہارے باپ بھائی جنگ میں شریک ہیں۔ تم نے تو سچے دین کا فرض ادا کر دیا۔“

قظامہ کو پھر غصہ آ گیا۔ اس نے بگڑ کر کہا۔ ”اے وردان، دین کا حق ہر ایک ہوتا ہے۔ اگر تم لوگ میری مہمان نہ ہوتے تو میں بھی اس جنگ میں شریک ہوا شہادت حاصل کرتی۔“

یہ سن کر شیب بن نجمہ حوری اور وردان کو پسینے چھوٹ گئے۔ وہ ابھی کچھ سوچ ہی رہے تھے کہ قظامہ کی گرجدار آواز پھر بلند ہوئی۔ اس نے کہا۔ ”شیب بن نجمہ حوری اور وردان کان کھول کر سن لو کہ تم لوگوں سے ہنسا بولنا اور تمہاری جاشوخیوں اور شرارتوں کو نظر انداز کر دینا میری مہمان نوازی کا ایک فریضہ ہے لیکن قظامہ اتنی سستی نہیں۔ قظامہ تک صرف وہی پہنچ سکے گا جس کے بچوں میں شہر کا فولادی طاقت ہو گی اور جو خون کے دریا میں تیرنا جانتا ہو گا۔ قظامہ کو بزدلوں سے شدید نفرت ہے۔“

رنگ محفل بگڑ گیا۔ شیب بن نجمہ حوری اور وردان کے چہرے فق ہو گئے اور ہوائیاں اڑنے لگیں۔ انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اشاروں کنایوں میں کچھ باتیں کیں۔ قظامہ کنکھیوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

ہے کہ خدا تمہارے دلوں کو پھیر دے اور تم دوبارہ ہدایت قبول کرو۔“
اس پیغام کے جواب دینے پر خارجیوں نے شعبنہ کو حضرت علیؑ کے پاس بھیجا۔
شعبنہ لشکر اسلام میں پہنچ کر حضرت علیؑ کرم سے انتہائی گستاخانہ انداز میں بولا۔ ”ہمارا
جواب یہ ہے کہ ہم سب نے تمہارے بھائیوں کو قتل کیا ہے اور ہم سب تمہارے
اور تمہارے ہم عقیدہ لوگوں کے خون کو جائز سمجھتے ہیں۔“

بُند کا یہ پر غرور اور ہتک آمیز جواب کھلا ہوا اعلان جنگ تھا۔ حضرت علیؑ کرم
کے لئے اب سوائے جنگ کے اور کوئی چارہ نہ رہا۔ بُند کے واپس جاتے ہی حضرت
علیؑ کرم نے اپنے لشکر کو اصول جنگ کے مطابق ترتیب دیا۔ حضرت علیؑ کی اب بھی
ہی کوشش تھی کہ جنگ سے گریز کیا جائے اور خارجی راہ راست پر آجائیں مگر وہ
اپنی بات پر اڑے ہوئے تھے اور جنگ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

حضرت علیؑ کرم نے آخری کوشش کے طور پر حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو سفید
بھند لے کر میدان میں بھیجا اور اعلان کرا دیا کہ جو شخص اس جھنڈے کے نیچے پناہ
لے گا یا میدان جنگ چھوڑ کر کوفہ یا مدائن کو چلا جائے گا اسے کچھ نہ کہا جائے گا۔
اس اعلان کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ ایک خارجی سردار فروہ بن نوفل اپنے پانچ سو
آدمیوں کے ساتھ خارجیوں کو چھوڑ کر بند نجیب کی طرف چلا گیا۔ کچھ لوگ کوفہ واپس
پلے گئے اور کچھ کو اللہ نے توفیق دی اور وہ حضرت علیؑ کرم کے لشکر میں آ گئے۔

بُند اور اس کے بیٹے کی خارجیوں میں کوئی خاص وقعت نہ تھی اور نہ وہ سردار
تھے لیکن اس موقع پر وہ امام نماز عبداللہ بن الکوار اور سردار خوارج شعبنہ بن راسی
سے بھی دو قدم آگے تھے۔ بُند کے بیٹے نے طیش میں آ کر تیر کمان سنبھالی اور صلح
کے سفید جھنڈے کو نشانہ بنایا۔ اس کی کمان سے تیر نکلا اور لہراتے ہوئے جھنڈے کو
بھیدتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ بُند کو شاید اپنے بیٹے کی یہ ادا بہت پسند آئی۔ اس
نے بھی فوراً ”اپنا ترکش سنبھالا اور اس کا تیر بھی جھنڈے کے پار ہو گیا۔“

حضرت علیؑ کرم سے جھنڈے کی یہ توہین برداشت نہ ہوئی۔ آپ نے گھوڑا بڑھایا
اور ذوالفقار حیدری کو ہوا میں گردش دیتے بُند کے پاس پہنچ گئے۔ بُند مقابلہ کے

کی تصدیق کر دی۔ دربار خلافت میں جو کچھ پیش آیا تھا۔ شعبنہ نے الف سے ی تک
سب ان لوگوں کے سامنے دہرا دیا۔ خارجی اس خبر سے بہت خوف زدہ ہوئے۔
عبداللہ بن الکوار خارجیوں کا امام نماز اور شعبنہ بن راسی امیر اور سالار فوج۔
یہ دونوں قتل عبداللہ بن خباب میں ملوث تھے۔ انہوں نے اپنی غلطی تسلیم نہ کی اور
سب کو ڈانٹ ڈپٹ کر خاموش کر دیا لیکن دل میں وہ بھی خائف تھے کیونکہ ان کے
اسی فعل سے مسلمانوں اور ان مرتدوں کے درمیان جنگ کے زیادہ امکانات پیدا ہو
گئے تھے۔ سالار فوج شعبنہ نے فوراً ”بصرہ“ مدائن اور انبار کو تیز رفتار قاصد روانہ کئے
کہ ان کے ہم خیال لوگ فوراً ”نہرواں پہنچ کر اس لشکر میں شامل ہو جائیں۔ خارجیوں
کی خوش قسمتی کہ ان مقامات کے خارجی پہلے ہی روانہ ہو چکے تھے کیونکہ
مسلمانوں نے ان لوگوں کا اخلاقی بایکٹ کر دیا تھا جس پر انہیں خارجی ہونے کا ثبوت
تھا۔

اس طرح جس نہرواں میں حضرت علیؑ کرم کے پہنچنے سے قبل ہی خارجیوں کا بار
ہزار سے زیادہ کا لشکر مسلمانوں کے مقابلے کے لئے تیار تھا۔ حضرت علیؑ کرم بڑے صلح
کن واقع ہوئے تھے۔ ان کی اب بھی یہی کوشش تھی کہ اگر خارجی گمراہی چھوڑ کر
دارۃ اسلام میں آجائیں تو زیادہ بہتر ہو۔ پس جب حضرت علیؑ کرم نہرواں کے قریب
پہنچے تو انہوں نے اپنے لشکر کو خارجیوں سے ایک فرسنگ دور قیام کا حکم دیا پھر انہوں
نے لشکر اسلام میں سے قیس بن سعد بن عبادہ اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو
خارجیوں کے پاس بھیجا کہ انہیں سمجھا بجا کر راہ راست پر لانے کی کوشش کریں مگر
ان دونوں بزرگوں کی کوششیں رائیگاں گئیں۔ خارجیوں نے ان کی بات پر کان نہ
دھرے اور انہیں ذلیل کر کے واپس بھیج دیا۔

حضرت علیؑ کرم نے پھر بھی اتمام حجت کے طور پر شعبنہ بن راسی کو پیغام بھیجا۔
”اے راسی! تمہاری جماعت کے جن لوگوں نے حضرت عبداللہ بن خباب کو
ہلاک کیا ہے انہیں ہمارے حوالہ کر دو۔ ہم صرف ان قاتلوں کو اپنے بھائیوں کے
قصاص میں قتل کر دیں گے اور فی الحال تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیں گے کہ ممکن

لئے تیار تھا۔ اس نے تلوار کا وار تلوار پر روکنا چاہا مگر ذوالفقار کے وار سے کون ٹپکتا ہے۔ بجنہ کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی۔ ذوالفقار حیدری بجنہ کا سینہ چرتی ہوئی کمر تک پہنچ گئی۔ شجہ کی چیخ بھی نہ نکل سکی اور گھوڑے کی زین سے لٹک گیا۔ باپ کا یہ حال دیکھ کر بیٹا بڑھ کر آیا۔ اس نے وار کیا۔ حضرت علی کرم کا گھوڑا چمک کر تلوار کی زد سے نکل گیا اور اس کا وار خالی گیا۔ اسے دوسرا وار کرنے کی مہلت ملی اور ذوالفقار علی کرم دل سے گزر کر پار ہو گئی۔ باپ بیٹوں کا یکساں حال ہوا۔ پورا حضرت علی کرم نے خارجیوں کے بڑے بڑے سرداروں کو چن چن کر قتل کیا۔ یہ لڑائی چھڑ گئی اور میدان میں تلواروں کی چمک سے کوندے لپک رہے تھے۔ خارجیوں نے پہلے تو بڑھ بڑھ کر حملے کئے لیکن وہ زیادہ دیر تک قدم نہ جما سکے۔

شیش بن نجمہ حوری اور وردان بھی اس جنگ میں خارجیوں کی طرف سے ا رہے تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ خارجیوں کا خاتمہ ہو رہا ہے تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے بڑی مشکل سے جان بچائی کیونکہ حضرت علی کرم کی فوج خارجیوں کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے کر قتل کرنا شروع کر دیا تھا۔

لڑائی ختم ہوئی تو میدان میں چاروں طرف خارجیوں کی لاشیں ہی لاشیں تھیں چار سو خارجی گرفتار ہوئے۔ یہ زخمی تھے۔ حضرت علی کرم نے مہربانی فرما کر ان زخمیوں کو علاج کے لئے ان کے عزیزوں کے سپرد کر دیا۔ آپ نے مقتولین کی لاشیں اٹھا۔ کی بھی اجازت دے دی۔ ان کے ہتھیار اور گھوڑے اپنی فوج میں تقسیم کر دیئے اور دوسرا سامان وارثوں کے حوالے کر دیا۔

شیش اور وردان دور جا کر چھپ گئے تھے۔ جنگ کے خاتمے کے بعد جب مرد والوں کے عزیز و اقارب لاشیں اٹھانے آئے تو انہوں نے بھی چاہا کہ بجنہ اور ان کے لڑکے کی لاشیں اٹھائیں لیکن دن میں روشنی کی وجہ سے ان کی میدان میں جان کی ہمت نہ پڑی۔ وہ شام تک وکے رہے جب رات کی تاریکی پھیل گئی تو یہ ڈر ڈرتے میدان میں گئے۔ انہیں لاشیں تلاش کرنے میں زیادہ وقت نہ ہوئی۔ بجنہ اس کا بیٹا ان کے سامنے قتل ہوئے تھے اور پھر اس وقت تک آدمی سے زیادہ لاشیں

اٹھائی جا چکی تھیں۔

دونوں نے ایک ایک لاش گھوڑے کی زین سے لٹکائی اور اپنے صافے اتار کر ان پر کس ویسے تاکہ لاشیں دکھائی نہ دیں پھر یہ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کوفہ میں خارجیوں کی شکست اور خاتمے کی خبر پہنچی تو کئی گھروں میں صف ماتم بچھ گئی۔ کوفہ میں کئی گھرانے ایسے تھے جن کے لوگ اس جماعت میں شامل تھے۔ ان کا مرکز بجنہ کا گھر تھا چونکہ لاشیں ان کے عزیزوں کو اٹھانے کی اجازت دے دی گئی تھی اس لئے پہلے انہوں نے عزیزوں کو دفنایا پھر بجنہ کے گھر کا رخ کیا۔ کوفہ والے عزیزوں کی لاشیں کوفہ نہیں لائے بلکہ میدان جنگ ہی کے قریب انہیں گڑھے کھود کر دبا دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کا تعلق خارجیوں سے ثابت ہو کیونکہ اس صورت میں ان کی گرفتاری اور قتل کا امکان تھا۔ اپنے گھروں میں بھی انہوں نے پوشیدہ طور پر ماتم کیا اور پوشیدہ ہی طور پر ایک دوسرے کو پرسہ دیا۔ پھر ایک ایک کر کے یہ لوگ بجنہ کے گھر پر اکٹھا ہونا شروع ہو گئے۔

قظامہ گھر میں اکیلی تھی۔ بھائی اور باپ دونوں جنگ میں تھے۔ اسے خبر نہ تھی کہ ان دونوں پر کیا گزری، شیش اور وردان بھی جسر نہرواں جا چکے تھے۔ کوفہ کے بہت سے خارجی اس کے مکان پر جمع ہو گئے لیکن وہ بجنہ اور قظامہ کے بھائی کے متعلق والے اس کے اور کچھ نہ بتا سکے کہ وہ دونوں حضرت علی کرم کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ ان کی لاشوں کا کسی کو علم نہیں تھا کہ وہ کہاں گئیں۔

بجلی رات جب آدھی سے زیادہ ڈھل چکی تو قظامہ کے کانوں میں گھوڑوں کے ہتے آہستہ چلنے کی آواز آئی۔ یہ آواز اس کے مکان کے قریب سے آرہی تھی۔ غلام کی بھوک پیاس اور نیند اڑ چکی تھی۔ وہ گوش بر آواز تھی۔ فوراً گھر سے نکل کر دروازے پر آئی۔ شیش اور وردان قظامہ کے گھر کے قریب پہنچ چکے تھے۔

قظامہ دوڑ کر ان کے پاس پہنچی۔ شیش نے آہستہ سے کہا۔ ”قظامہ صبر کرو“ اسے باپ بھائی سچے دن پر قربان ہو چکے ہیں۔“ قظامہ کی آنکھوں کے آنسو پہلے ہی خشک ہو چکے تھے اس نے جواب دیا۔ ”میں

ان دونوں کو پہلے ہی صبر کر چکی ہوں مگر ان کی لاشیں کہاں ہیں؟“

”تم اندر چلو، ہم لاشیں لے کر آ رہے ہیں۔“ دردان نے اسے جواب دیا۔
قظامہ اندر چلی گئی۔ اس نے شاید اندر جا کر خارجیوں کو اطلاع کی ہو گی کہ:
اس کے فوراً بعد چار پانچ خارجی لاشیں اتارنے کے لئے باہر آ گئے۔

شیب اور دردان، لاشوں کو زین سے الگ کر چکے تھے۔ ان آدمیوں کی مدد
وہ لاشیں اندر لے گئے۔ قظامہ نے بڑی چٹائی صحن میں بچھا دی تھی۔ شجہ اور اس
بیٹے کی لاشیں چٹائی پر رکھ دی گئیں۔ قظامہ نے دو بڑی شمعیں روشن کیں اور
لاشوں کے قریب ایک چوکی پر لا کر لگا دیں۔

قظامہ نے لرزتے ہاتھوں سے ایک لاش کے منہ سے چادر ہٹائی۔ یہ اس
بھائی کی لاش تھی۔ قظامہ کا چہرہ سپاٹ تھا پھر اس نے باپ کے چہرے سے کپڑا ہٹا
دیکھا اور اس سے لپٹ گئی۔

لاشیں سرد تھیں اور خون خشک ہو چکا تھا پھر بھی جب قظامہ باپ کی لاش
لپٹی تو اس کا ایک ہاتھ خون آلود ہو گیا۔ قظامہ نے اپنا خون آلود ہاتھ شمع کی ر
میں دیکھا اور ہاتھ کو آہستہ آہستہ اپنے چہرے کی طرف لے گئی۔ پھر اس نے اپنا
اپنے نصف چہرے پر پھیرا۔ خون کے نشانات اس کے آدھے چہرے پر نمودار ہوئے۔
قظامہ مسکرائی۔ مگر یہ بڑی خوفناک مسکراہٹ تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو کر
رہی تھیں۔ اس نے شجہ کے سینے پر ہاتھ رکھا۔ پھر تمام لوگوں کو مخاطب کرتے
کہا۔ ”اے خارجی مسلمانو اور دین کے پرستارو! میرا سب کچھ دین پر قربان ہو
میں نے اپنے باپ کا خون اپنے آدھے چہرے پر ملا ہے اور اب تم گواہ رہنا کہ
عمد کرتی ہوں کہ جب تک اپنے باپ، بھائی کے قاتل کے خون سے اپنا بقیہ چہرہ
نہ کر لوں گی میں جہنم سے نہ بیٹھوں اور نہ میرے دل کی آگ ٹھنڈی ہو
(حضرت) علی کرم کے خون ہی سے میرے دل کی آگ بجھ سکتی ہے۔“

خارجی قظامہ کے اس عمد سے بڑے پریشان ہوئے۔ انہیں یہ تو علم تھا کہ
اپنے حسن خداداد کی بدولت بڑے بڑے کام کر سکتی ہے مگر خلیفہ وقت حضرت

ہم اس کا ہاتھ پہنچنا ناممکن نہیں تو انتہائی دشوار تھا مگر پھر وہ یہ سمجھ کر مطمئن ہو گئے
کہ یہ عمد تو قظامہ نے کیا ہے وہ خود اسے پورا کرے یا نہ کرے وہ اس کے ذمے دار
نہ تھے۔

دونوں لاشوں کو مکان کے صحن ہی میں قبر کھود کر گاڑ دیا گیا۔ یہ خبر رات ہی میں
کونے کے تمام خارجیوں کو پہنچ گئی۔ وہ ایک ایک دو دو کر کے رات بھر تعزیت کو
آتے رہے۔ لیکن جو رات کو نہ آ سکے اور صبح کو قظامہ کے گھر پہنچے تو انہوں نے گھر
کو بند پایا۔ قظامہ صبح ہونے سے پہلے ہی گھر چھوڑ چکی تھی۔ اس وقت وہ شیب بن
نہجہ حموری اور دردان کے ساتھ بڑی تیزی کے ساتھ مصر کی طرف گھوڑا اڑاتی چلی
جاری تھی۔

مصر میں عبداللہ بن سبا کو جنگ نہرواں پر خارجیوں کی شکست عظیم کی خبر پہنچ چکی
تھی۔ اسے خارجیوں کی شکست کا افسوس تو ضرور تھا لیکن اسے خارجیوں سے کوئی
ہمدردی نہ تھی۔ کیونکہ ان لوگوں نے عبداللہ بن سبا کو امام تسلیم کرنے کے بجائے
عبداللہ بن الکوار کو امام نماز بنایا تھا اور اپنا علیحدہ تشخص برقرار رکھنے کے لئے ایک
الگ جماعت بنالی تھی حالانکہ دونوں کا نصب العین اسلام دشمنی ہی تھا۔

قظامہ جب شیب اور دردان کے ساتھ مصر پہنچ کر عبداللہ بن سبا سے ملی تو اس
نے محسوس کیا کہ ابن سبا کا رویہ اس کے ساتھ سرد اور خشک ہے۔ قظامہ نے جس
نہرواں کے معرکہ کی پوری تفصیل بتائی اور اپنی قسم کا ذکر کیا لیکن ابن سبا نے زیادہ
دلچسپی کا اظہار نہ کیا۔

پھر تو قظامہ سے رہا نہ گیا اس نے پوچھا۔ ”یا امام آپ کو نہرواں پر شہید ہونے
والوں کا کوئی غم معلوم نہیں ہوتا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ آخر انہوں نے بھی تو سچے
مسلمانوں کی عظمت کے لئے اپنی جانیں قربان کی ہیں؟“

ابن سبا نے بات کو ٹالنا چاہا مگر قظامہ سر ہو گی۔ آخر ابن سبا نے کہا۔ ”قظامہ
بہر نہرواں پر ہلاک ہونے والے تمام لوگ شہادت کے درجے پر فائز ہوں گے سوائے
”آدمیوں کے۔“

ہے۔ اس بارے میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس نے میرے بڑے بڑے کام کئے ہیں اور بڑے کام بزدل نہیں کیا کرتے۔ اگر تجھے یقین نہیں تو خود اسے آزما لے۔“

قطامہ جیسے اس موقع کا انتظار کر رہی تھی جھٹ سے بولی۔ ”میں اسے بہادر تو اس وقت جانوں گی جب یہ اس دور کے سب سے بڑے بہادر کا خون بہائے گا۔“

عبداللہ ابن سبا سمجھ گیا کہ قطامہ کا اشارہ کس طرف ہے پھر بھی اس کی زبان سے یہ جملہ سن کر سن پڑ گیا۔ وہ دیر تک قطامہ کا منہ دیکھتا رہا۔ ابن ملجم بھی بڑا تعجب تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ قطامہ کو کیا جواب دے۔ اسے اپنی پوزیشن بڑی کمزور سی محسوس ہوئی اور وہ اپنے آپ کو پہلے سے حقیر نظر آنے لگا۔

چالاک عبداللہ نے موقع کی نزاکت سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ اس نے کہا۔ ”قطامہ“ تو نے یہ سوال شیب اور وردان سے کیوں نہ کیا۔ کیا وہ بہادر نہیں؟“

قطامہ شیرینی کی طرح پھر گئی اور بولی۔ ”یا امام میں نے آپ کے ان دونوں پرستاروں سے یہ سوال اس وجہ سے نہیں کیا کہ یہ جنگ نہرواں میں شریک تو ہوئے لیکن انہیں شہادت نصیب نہ ہوئی۔ اگر یہ بہادر ہوتے تو لڑتے لڑتے مر جاتے یا زخمی ہو کر گرفتار ہو جاتے کیا۔ یہ تعجب کی بات نہیں کہ اتنی بڑی جنگ میں یہ صاف بچ گئے اور ان کے جسم پر خراش تک نہ آئی۔“

ابن سبا لاجواب ہو گیا۔ اس نے نظر اٹھا شیب بن نجمہ حواری اور وردان کو دیکھا۔ وہ ابن سبا کی نظروں کی تاب نہ لا سکے اور انہوں نے ندامت سے نظریں نیچی کر لیں۔ ابن سبا کو یقین ہو گیا کہ قطامہ کی بات سچ ہے۔ اب اس نے ابن ملجم کی طرف رخ کیا اور کہا۔ ”ابن ملجم یہ تیرا اور قطامہ کا معاملہ ہے۔ میں اس میں خود دخل نہیں دینا چاہتا۔ تو جو چاہے اسے جواب دے۔“

عبدالرحمان ابن ملجم نے بہت سوچنے کے بعد کہا۔ ”یا امام میرے دل کا حال آپ سے پوشیدہ نہیں۔ قطامہ نے بھی اس کا شاید اندازہ کر لیا ہے اسی وجہ سے اس نے وہ بات کی جو بظاہر ناممکن ہے لیکن میں اسے جواب دینے سے پہلے تنہائی میں گفتگو

قطامہ چونک پڑی اس نے پوچھا۔ ”وہ کون ہیں امام۔ انہوں نے کیا قصور کیا کہ وہ شہادت کے مرتبے سے محروم کئے گئے۔“

ابن سبا نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک جوان کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”اے ابن ملجم تو اس لڑکی کو بتا کہ وہ دونوں کون تھے اور وہ جنہی کیوں ہوئے۔“

عبدالرحمان بن ملجم قبیلہ حمیری کا ایک پر جوش نوجوان تھا۔ وہ سبائیہ فرقے میں کچھ ہی دن پہلے شامل ہوا تھا لیکن اس نے ابن سبا کے حکم پر بعض ایسے لوگوں کو قتل کیا تھا کہ ابن سبا کی نظروں میں اس کا درجہ بڑھ گیا تھا۔ ابن ملجم ہر وقت ابن سبا کے ساتھ رہتا۔ اہم سے اہم معاملات پر گفتگو کے وقت بھی ابن ملجم اس کے ساتھ ہی ہوتا تھا۔

ابن سبا ابن ملجم سے مخاطب ہوا تو اس نے فوراً کہا۔ ”قطامہ ابھی دوشیزگی کی منزل میں ہے۔ دین کی باتیں اس کی سمجھ میں نہ آئیں گی۔“

”یہ قطامہ کی توہین ہے۔“ قطامہ چنک کر بولی۔ ”اگر میں بے عقل ہوتی تو کوئی سے مصر تک امام کے مشورے کے لئے نہ آتی۔“

ابن ملجم پہلی ہی نظر میں قطامہ پر عاشق ہو گیا تھا۔ یہ بات تو اس نے قطامہ کو چھیڑنے کے لئے کہی تھی۔ بولا۔ ”قطامہ میرا مقصد تمہاری توہین ہرگز نہ تھا۔ عورتیں چونکہ دین سے زیادہ دلچسپی نہیں رکھتیں اس لئے میں نے یہ بات کہی تھی۔ اگر تمہیں ناگوار گزری ہے تو میں معافی مانگ سکتا ہوں۔ تم تو ہماری سہمان ہو۔“

ابن سبا کی تیز نظروں نے دیکھ لیا کہ ابن ملجم قطامہ پر مائل ہے۔ اس لئے اس نے کہا۔ ”قطامہ“ ابن ملجم بڑا پر جوش جوان ہے تو اس سے جھگڑا نہ کر۔ یہ تیرے بہت کام آ سکتا ہے۔“

قطامہ خود بھی بہت چالاک تھی۔ وہ ابن سبا کا اشارہ سمجھ گئی اور فوراً بولی۔ ”امام محترم آپ کا کہنا درست ہے مگر آپ کو معلوم ہے کہ میں بزدلوں سے نفرت کرتی ہوں۔“

ابن سبا مسکرایا اور کہا۔ ”تو نے میرے ایک جاں نثار پر بڑا سنگین الزام لگا

کرنا چاہتا ہوں۔“

ابن سبا بھی یہی چاہتا تھا جس اسکیم پر وہ عمل کرنا چاہتا تھا اس کا راستہ خود پیدا ہو رہا تھا۔ ابن سبا کو یمن کے یہودی پیشوا کا حکم پہلے ہی مل چکا تھا کہ مسلمانوں کی طاقت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے اس لئے مسلمان علماء کو ختم کرنے کے بجائے مسلمانوں کے بڑے بڑے سرداروں کو راستے سے ہٹایا جائے۔ آج کل ابن سبا خطوط پر غور کر رہا تھا۔ حضرت علی کرم کا نام اس کے ذہن میں تھا مگر وہ ان کی طاقت سے خائف تھا۔ کوفہ میں تو ان پر ہاتھ ڈالنا ناممکن تھا۔ اس کام کو تو کوئی سرپرست کر سکتا تھا۔ اب وہ سرپرست ابن مسلم کی صورت میں اس کے سامنے آ رہا تھا۔ ابن مسلم یوں تو ابن سبا کے کہنے پر کئی بار جان پر کھیل گیا تھا لیکن حضرت علی کرم کا لیتے ابن سبا ڈرتا تھا کیونکہ مسلمانوں سے نفرت کے باوجود سبائی حضرت علی کرم طرفدار تھے بلکہ سبائی فرقے کے عقیدے کے مطابق حضرت علی کرم کو سبائی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وحی سمجھتے تھے۔ پھر بھلا کوئی سبائی ان کے خلاف تلوار کیسے اٹھا سکتا تھا۔ ہاں خارجیوں نے ضرور کھلم کھلا حضرت علی کرم سے بغاوت تھی اور ابن سبا کو خارجیوں پر پورا قابو حاصل نہ تھا۔ وہ آہستہ آہستہ خارجیوں کو ہم خیال بنا رہا تھا کہ حضرت علیؑ کے خلاف ان کے بھڑکے ہوئے جذبات سے فائدہ اٹھائے۔ قظامہ بکی اور کثر قسم کی خارجی عقیدے کی پیروی کرتی تھی اور اب تو اس باپ بھائی کا انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ابن سبا نے یہی بہتر خیال کیا کہ ان دونوں کو ملا دیا جائے۔ ممکن ہے کہ اس طرح کوئی بہتر صورت نکل آئے اور اس کا ناپاک منصوبہ کامیاب ہو جائے۔

ابن سبا نے فوراً ابن مسلم کو قظامہ سے تنہائی میں گفتگو کرنے کی اجازت دی۔ قظامہ نے بھی کوئی عذر نہ کیا۔ قظامہ بے دین تھی لیکن تھی بہت ذہین اور فطین۔ اس نے ابن مسلم کے چہرے مہرے اور باتوں سے اندازہ کر لیا تھا کہ یہ بڑا جوان واقعی اس کا دست راست ثابت ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس نے ابن مسلم تنہائی میں گفتگو پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔

ابن سبا نے ایک بزرگ مسلمان کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ اس لئے کھلے عام شراب کا استعمال نہ کرتا تھا لیکن اس نے اپنے اور اپنے خاص احباب کے لئے ایک خاص قسم کا مشروب تیار کرایا تھا جو دیکھنے اور ذائقے میں خوش رنگ و خوش نما مشروب تھا لیکن اصل میں اس میں نصف سے زیادہ شراب شامل ہوتی تھی۔ شراب کی بدبو کو زائل کرنے کے لئے اس میں خوشبودار بڑی بوٹیوں کا ست بھی ملایا جاتا تھا۔ ابن سبا یہودی تھا اور شراب کا بڑا رسیا۔ اس طریقے سے وہ اپنے شراب کے شوق کو بھی پورا کرتا تھا۔

یہ خاص مشروب یا شراب اپنے ان احباب کو بھی پیش کرتا جو اس کے معتد خاص ہوتے۔ خاص خاص موقعوں پر وہ اس مشروب سے کام لیتا تھا۔ قظامہ اور ابن مسلم کی ملاقات کے موقع پر بھی ابن سبا نے اس مشروب کا خاص طور پر اہتمام کرایا۔ ابن سبا نے اس کمرے میں جس میں قظامہ اور ابن مسلم ملنے والے تھے۔ خوبصورت بلوریں صراحیوں میں یہ مشروب بھرا کر رکھا دیا۔ صراحیوں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے بلور ہی کے پیالے تھے اور کھانے کی پٹائی پر کچھ اس قسم کے لوازمات کھانے کے لئے رکھا دیے جو سے نوشی کے دوران کھائے جاتے ہیں۔ ابن سبا کا مقصد یہ تھا کہ جب یہ دونوں جو جوان ہیں ملیں گے تو ممکن ہے کہ ان کے جذبات میں عداوت پیدا ہو۔ اس وقت اس شربت کے چند گھونٹ ان کے جذبات کو اور بھڑکانیں گے لیکن مکار قظامہ ابن سبا سے زیادہ دوراندیش تھی۔ اس نے جب اس کمرے میں قدم رکھا جس میں اسے ابن مسلم کے ساتھ گفتگو کرنا تھی تو اس نے اپنی جوانی اور جوانی کے تمام جذبات کو باہر ہی پھوڑ دیا اور ایک بڑی سیاست دان اور مدیر بن کر کمرے میں داخل ہوئی۔ قظامہ نے اپنے کو اندر سے تو خالی کر لیا لیکن ابن مسلم کو بھانے اور زیر کرنے کے لئے اس نے اپنے حسن و جمال کی خود ہی مشاطہ گری کی۔ اس نے نہ صرف انتہائی بیش قیمت لباس پہنا تھا بلکہ اعلیٰ عرب خواتین کے مروجہ زیورات سے بھی خود کو آراستہ کیا تھا۔ اس نے بدن کو اس قدر باریک کپڑوں سے پوشیدہ کیا تھا کہ اس میں چھپنے کے بجائے اس کے جسمانی اعضا کے خطوط اور ابھر کے

کوئی آواز سننے کے لئے تیار نہیں۔“
ابن ملجم نے قظامہ کے پیکر کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ”قظامہ تو بتا کہ تیرے زخموں کا مداوا کیا ہے۔ میں تارے لئے آسمان سے تیارے توڑ کر لا سکتا ہوں۔“
”ابن ملجم مجھے حقیقی دنیا میں شاعرانہ گفتگو پسند نہیں۔“ قظامہ کی پیشانی پر ہلکے سے ہاتھ مارا۔ ”یہ باتیں اس وقت اچھی لگتی ہیں جب دل و دماغ ٹھکانے ہوں۔ اگر وقت ملا اور ہم تم بھر لے تو تم دیکھو گے کہ محبت کا جواب محبت سے کس طرح دیا جاتا ہے۔“
ابن ملجم گھبرا گیا وہ جلدی سے بولا۔ ”مگر قظامہ میں تو۔ میں تو ہمیشہ تیرے قریب رہنے کا خواہش مند ہوں۔“

قظامہ کھلکھلا کر ہنس پڑی ابن ملجم کو یوں محسوس ہوا جیسے رات کی رانی نے مدد پا چھو ل اپنی شاخوں سے جھنک دیئے۔ قظامہ نے کہا ”ابن ملجم، تجھ میں جوانی کے علاوہ اور کون سی ایسی خوبی ہے جس سے تو مجھے متاثر کر سکتا ہے مگر ٹھہر میں پھر وضاحت کر دوں کہ مجھے ہزدلوں سے سخت نفرت ہے۔ اس لئے محبت کے رنگین الفاظ کا سہارا لینے کے بجائے حقیقت سے قریب تر لہجہ اور الفاظ اختیار کر۔“
قظامہ کا یہ منطقی انداز ابن ملجم کو اور زیادہ زخمی کر گیا۔ وہ سنبھلا اور خود اعتمادی سے بولا۔ ”اے پیکر حسن و جمال، حقیقت یہ کہتی ہے کہ تو مجھے پسند ہے اور میں تجھے ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتا ہوں۔“

”ابن ملجم مجھے تیری صداقت اور صاف گوئی پسند آئی۔ خرید و فروخت میں کیا انداز اختیار کیا جانا چاہئے۔“ قظامہ نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔ ”اے ابن ملجم، اس وقت تو خریدار ہے اور وہ جس میری ملکیت ہے جسے تو خریدنا چاہتا ہے۔ خرید و فروخت میں قیمت کے معاملے میں خریدار اور مالک میں بحث و تکرار ہوتی ہے مالک قیمت بڑھا کر مانا ہے خریدار اسے گھٹاتا ہے۔ میں اس سودے میں کوئی جرح یا تکرار نہیں چاہتی۔“
ابن ملجم نے دھمکی سے کہا۔ ”اس میں کمی بیشی نہ ہوگی۔ خواہ“

”میں بھی سودے کا جلد فیصلہ چاہتا ہوں۔“ ابن ملجم نے بے چینی سے کہا۔

آگے تھے۔ غرضیکہ قظامہ نے اس وقت ابن ملجم کو زیر کرنے کے لئے حسن و ادا کے تمام ہتھیاروں سے خود کو مسلح کیا تھا۔

قظامہ قدم قدم پر فتنے بگاتی، قیامتیں اٹھاتی، عشوے بکھیرتی، سولہ سنگار کے جب ایک جھماکے کے ساتھ ابن ملجم کے سامنے آئی تو اس کی آنکھیں پھٹ کے رہ گئیں۔ قظامہ یوں بھی حسین تھی مگر اپنی مشاطگی کے کمال نے اس میں چار چاند دے دیئے۔ ابن ملجم کا جی چاہا کہ حسن کی اس دیوی کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے لیکن اس کی نظریں دنگ اور زبان گنگ ہو گئی۔ وہ اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کر سکا۔

قظامہ، چکور کے خرام اور مور کے سبک رفتار قدموں سے ناز و ادا کی بجلیاں گراتی ابن ملجم کے بالکل سامنے قالین پر آکر بیٹھ گئی۔ اس کے لبوں پر دلچسپ تہنہ اور آنکھوں میں شوخ و شنگ چمک تھی۔ دیوی اور پجاری آنے کے سامنے بیٹھے تھے۔ اس وقت دل کا سودا ہوتا تھا اور جان کا نذرانہ پیش کیا جاتا تھا۔ قظامہ ناگن کی خوبصورت کینچلی کے اندر زہر بھرے کنورے چھپائے ہوئے تھی۔

ایک عجیب عالم حیرت تھا۔ ابن ملجم مبسوت اور قظامہ خاموش، قظامہ نے دیکھا کہ اس کے حسن نے ابن ملجم کے گرد سحر کا حلقہ بنا لیا ہے۔ اس لئے گفتگو کے آغاز میں اس نے پیش قدمی کی۔ ”ابن ملجم بتاؤ، وہ کیا بات ہے جو تم تنہائی میں کہنا چاہتے ہو؟“

ابن ملجم اس کے حسن جہاں تاب کے سحر سے آزاد نہ ہوتا چاہتا تھا۔ وہ تنہا باندھے قظامہ کو دیکھ رہا تھا اور چاہتا تھا کہ یہ نظارہ تا قیامت اس کے پیش نظر رہے۔ وہ قظامہ کی آواز پر چونکا، گھبرایا اور پھر ہوش میں آیا۔ اس نے اپنی محمور آنکھوں کو کئی بار جھپک جھپکا پھر انتہائی انکسار سے بولا۔ ”قظامہ تو واقعی حسن کی دیوی ہے۔ میں تیرے حضور، نذرانہ دل پیش کرنا چاہتا ہوں۔“

قظامہ نے تبسم بکھیرتے ہوئے مکاری سے کہا۔ ”ابن ملجم، دل کا سودا دل کا سے ہوا کرتا ہے۔“ پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ”مگر اے ابن ملجم میرا دل زخمی ہے جب تک اس پر مرہم نہیں رکھا جاتا۔“

بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن كلاب بن مرہ بن كعب بن —

”چپ ہو جا قظامہ“ خاموش ہو جا۔“ ابن مہلم دھاڑا۔

قظامہ زخمی شیرینی کی طرح تڑپ کر کھڑی ہو گئی اور پوری طاقت سے گرجی۔
”بس ختم ہو گئی ساری بہادری — علی کا نام سنتے ہی پتہ پانی ہو گیا۔“ یہ کہتے ہوئے قظامہ دروازے کی طرف بڑھی۔

ابن مہلم نے دوڑ کر اس کا راستہ روک لیا اور بولا۔ ”قظامہ کہاں جاتی ہے۔
ورا تو ملے ہو گیا۔“

”کس طرح؟“ قظامہ نے امید و بیم کے لہجے میں پوچھا۔

ابن مہلم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اے دل نواز ماہ پیکر تجھے اپنی قیمت کا خود
لی اندازہ نہیں۔ تو نے اپنی قیمت تو خود ہی گھٹا دی۔ میں اس سے گھٹیں زیادہ تیری
ت ادا کرنے پر آمادہ تھا۔ میں نے تو کچھ اور ہی اندازہ لگایا تھا۔“

قظامہ بہت خوش ہوئی۔ ابن مہلم اس کی شرط پوری کرنے پر آمادہ تھا۔ اس نے
معلوم کرنے کے لئے کہ ابن مہلم نے اس کی قیمت کا اندازہ کیا لگایا تھا۔ ابن مہلم
پوچھا۔ ”ذرا میں بھی تو سنوں۔ تو نے اس سے زیادہ اونچی اور کون سی قیمت لگائی
ہ۔“

ابن مہلم نے قظامہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں محبت سے لیتے ہوئے آہستہ سے کہا
”میں تو سمجھا تھا کہ تو اپنے حسن کی قربان گاہ کے لئے (امام دوراں) عبد اللہ بن
کاسر طلب کرے گی اور سن لے قظامہ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر تو امام دوراں
مطلب کرتی تو خدا کی قسم میں تیرے حصول کے لئے یہ بھی کر گزرتا۔“

قظامہ نرم شاخ کی طرح ابن مہلم کی مضبوط بانہوں میں جھول گئی۔ اس وقت وہ
نخوش تھی۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ انتقام لے سکے گی اور اس کا کلیجہ ٹھنڈا ہو گا۔

”دونوں ہنستے ہوئے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے کمرے سے نکل کر (امام) ابن سبا کو
فیصلے سے آگاہ کرنے چلے۔“

”ابن مہلم، قیمت بہت زیادہ ہے۔ اسے خریدنے کا ارادہ ترک کر دے۔“ قظامہ
نے ابن مہلم کے اشتیاق کو اور سمیز کیا۔

ابن مہلم واقعی اور پر اشتیاق ہو گیا۔ اس نے پہلو بدل کر کہا۔ ”قظامہ، مانگ لیا
مانگتی ہے۔ خریدار ہر قیمت دینے پر آمادہ ہے۔“
”پھر سوچ لے ابن مہلم میں نہیں چاہتی کہ تو میرے سامنے شرمندہ ہو کر سر جھکا
لے۔“ قظامہ نے اسے ایک بار پھر ٹٹولا۔

ابن مہلم نے ایک بگڑے ہوئے گاہک کی طرح کہا۔ ”قظامہ تو خریدار کے اصول
کی خلاف درزی کر رہی ہے۔ قیمت بتانے میں حیل و دجھت کیسی؟“

”تو سن اے ضدی خریدار۔“ قظامہ نے سنبھل کر کہا۔ ”قظامہ بنت جبذہ کو
حاصل کرنا ہے تو اس کے مر میں تین چیزیں دینا ہوں گی۔“ قظامہ کہتے کہتے رکی۔

”مہر کی چیزوں کی تفصیل بیان کر قظامہ تو رک کیوں گئی؟“ ابن مہلم قدرے سختی
سے بولا۔

”پہلی چیز۔ تین ہزار درہم نقد“ قظامہ بولی۔

”مجھے منظور ہے۔“ ابن مہلم نے جواب دیا۔

”دوسری چیز، ایک غلام اور ایک لونڈی۔“

”منظور ہے۔“

”اور تیسری چیز۔ تیسری چیز۔“ قظامہ کہتے کہتے پھر رکی۔

”قظامہ۔“ ابن مہلم چیخ کر بولا۔ ”خریدار میں ہوں، قیمت بتاتے ہوئے تو کیوں

ڈرتی ہے؟“

”اور مہر کی تیسری چیز ایک سر۔“ قظامہ نے ابن مہلم کا چہرہ دیکھا۔

”کس کا سر۔ جلد بتا۔“ ابن مہلم گرجا۔ اس کی آنکھوں میں قاتلانہ اور وحشیانہ

چمک پیدا ہو گئی۔

”تو سن اے ابن مہلم اگر سن سکتا ہے۔“ قظامہ پھر بھر مٹی۔ ”ہاں سر۔ مجھے

چاہئے۔ ابو الحسن، ابو تراب، مالک ذوالفقار، حیدر کرار، فاتح خیبر، علی ابن ابی طالب

کام ہے۔“

کہتے ہوئے قطامہ نے قریب بیٹھے ہوئے ابنِ مہلم کو برقِ باش نظروں سے دیکھا اور کہا۔ ”ابنِ مہلم میری شرمیں تو امامِ دوراں کے آگے بیان کرو۔“

ابنِ مہلم کے شیب اور وردان کو اس انداز سے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کہ میں نے عشق کے میدان میں تمہیں شکست دی ہے۔ وہ دونوں واقعی شکست خوردہ تھے۔ اس لئے وہ آنکھیں چار نہ کر سکے۔

ابنِ مہلم نے کہا۔ ”اے (امامِ دوراں) عبداللہ ابنِ سبا قطامہ نے پہلی شرط تین ہزار درہم نقد کا اظہار کیا۔ میں نے تسلیم کیا۔ دوسری شرط ایک غلام اور ایک لونڈی لگائی۔ وہ بھی میں نے مان لی۔ قطامہ کی تیسری شرط۔۔۔۔۔۔“

ابنِ سبا نے ابنِ مہلم کی بات کاٹ دی اور بولا۔ ”لیکن اے ابنِ مہلم تو اتنی بھاری رقم اور لونڈی غلام کیسے مہیا کرے گا۔“

ابنِ مہلم ہنسنے لگا اور کہا۔ ”اے امام میں آپ کا غلام ہوں کیا آپ اپنے غلام کی عزت بچانے کے لئے اتنا بھی نہ کر سکیں گے؟“

ابنِ سبا گھبرا گیا اور بولا۔ ”کیوں نہیں، تین ہزار درہم، لونڈی غلام یا اور جتنی چیزیں کو، تم جیسے جاں نثار و وفادار پر قریان کی جاسکتی ہیں۔“

ابنِ مہلم خوش ہو گیا اس نے کہا۔ ”امامِ دوراں کے مجھ ناچیز پر پہلے ہی بہت احسانات ہیں مجھے فخر ہے کہ امامِ دوراں مجھے اتنا عزیز رکھتے ہیں۔“

ابنِ سبا کے دل میں کھلبلی مچی تھی۔ وہ تیسری شرط سننے کے لئے بے چین تھا۔ اس نے پوچھا۔ ”ہاں تیسری شرط قطامہ نے کیا لگائی تھی؟“

مرود ابنِ مہلم نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا۔ ”(حضرت) علیؑ ابنِ ابی طالب کا سر۔“

شیب اور وردان گھبرا کر ابنِ مہلم کو دیکھنے لگے۔ ابنِ سبا کے چہرے پر رونق آ گئی۔ اس نے اپنی دلی کیفیت چھپاتے ہوئے کہا۔ ”ابنِ مہلم یہ شرط بہت سخت ہے۔ ایک بار پھر غور کر لے کہیں تجھے قطامہ کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔“

بڑے ہال میں (امام) ابنِ سبا، شیب بن نجمہ اور وردان بٹھرتے کہ ابنِ مہلم اور قطامہ کی گفتگو ختم ہو اور انہیں معلوم ہو کہ کیا فیصلہ ہوا ہے۔ قطامہ کو حاصل کرنے کی شیب اور وردان کے دل میں بھی بڑی زبردست خواہش تھی لیکن ان میں ابنِ مہلم جیسا حوصلہ نہ تھا۔ ابنِ مہلم کی اعلیٰ کارکردگی کا ابنِ سبا بھی قائل تھا۔ شیب اور وردان بھی جانتے تھے کہ ابنِ مہلم ہر لحاظ سے ان دونوں سے برتر تھا۔ اس لئے ان میں ابنِ مہلم کے مقابلے کی تو طاقت نہ تھی مگر یہ ضرور چاہتے تھے کہ قطامہ اور ابنِ مہلم میں کوئی معاملہ نہ ہو سکے لیکن جب ابنِ مہلم اور قطامہ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اور آنکھیلیاں کرتے ہال میں داخل ہوئے تو ان کی امیدوں پر اوس بڑ گئی۔ ابنِ سبا کو ضرور خوشی ہوئی اور کیوں نہ ہوتی۔ وہ یہودی تو حضرت علیؑ کیا تمام علامِ اسلام کے خاتمے کے لئے ہی مقرر کیا گیا تھا۔

ابنِ مہلم اور قطامہ، عبداللہ ابنِ سبا کے پاس آئے۔ قطامہ دو زانو بیٹھ گئی اور ابنِ سبا کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ ابنِ مہلم نے بھی یہی عمل دہرایا۔ ابنِ سبا نے دونوں کو دعا دی اور کہا۔ ”وہ دل مل جائیں تو پہاڑ کو بھی اپنی جگہ سے ہلا سکتے ہیں۔ تم دونوں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گے۔“

”کیوں نہیں امامِ دوراں۔“ قطامہ بلبل کی طرح چکی۔ ”آپ کے مرید نے میری تینوں شرمیں مان لی ہیں۔“

شیب اور وردان پہلے ہی دل چھوڑ چکے تھے۔ انہوں نے تو کچھ نہ پوچھا۔ لیکن اب ابنِ سبا اس مسئلے میں بہت دلچسپی لے رہا تھا یا یوں کہنا چاہئے کہ تحریک اور منصوبہ بانی و مہمانی ہی وہ تھا۔ اس نے قطامہ کو یقین دلایا کہ تیرا انتقام صرف ابنِ مہلم ہی لے سکتا ہے۔

اس نے قطامہ سے پوچھا۔ ”تیری شرمیں ضرور بہت سخت ہوں گی۔ ہم بھی نہیں وہ شرمیں۔“

”وہ شرمیں تو ایسی تھیں جو شیب اور وردان بھی پوری کر سکتے تھے۔“ قطامہ شرمیں بتانے لگی۔ ”لیکن تیسری شرط مان لینا عبدالرحمان ابنِ مہلم جیسے بہادر ہی

ابن ملجم کے سر پر قضا کھیل رہی ہے۔ وہ بڑی بے پروائی سے بولا۔ ”موت کے پنجے میں پہلے کی بار بھی میں پنچہ ڈال کر اسے شکست دے چکا ہوں۔ (امام دوراں کی اعانت ساتھ رہی تو اس بار بھی کامیاب رہوں گا۔“

عبداللہ ابن سبا نے آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھولیں اور بڑی مکاری سے کہا۔ ”ابن ملجم میں تجھے تیری کامیابی کی بشارت دیتا ہوں۔“

”امام دوراں کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کو ابن ملجم سچ کر دکھائے گا۔“ ابن ملجم نے بڑے غور سے کہا۔ ”اچھا امام دوراں اب آپ قظامہ کے مہر کی دو چیزیں یعنی تین ہزار درہم اور ایک لونڈی اور ایک غلام اس کے حوالے کیجئے پھر ہمارا عقد فرمائیے۔“

قظامہ چونک پڑی اور بڑ کر بولی۔ ”اور میری تیسری شرط اسے بھی تو پورا کر؟“ ”تیسری شرط میں عقد کے بعد پوری کروں گا۔“ ابن ملجم نے کہا۔ ”اس کے لئے تجھے وقت کا انتظار کرنا ہو گا۔“

قظامہ تنک کر بولی۔ ”تو تو بھی عقد کا انتظار کر۔ جب تک تیسری شرط پوری نہ ہو گی میں عقد نہ کروں گی۔“

ابن ملجم نے یہ پہلے نہ سوچا تھا۔ اس کا تو یہ خیال تھا کہ وہ قظامہ کے ساتھ شادی کر کے چند دن عیش و عشرت سے گزارے گا پھر موقع محل دیکھ کر تیسری شرط پوری کروے گا۔

ابن ملجم نے قظامہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ”قظامہ، میں نے تو تیرے حصول کے لئے یہ شرطیں قبول کی ہیں۔ اگر میں تجھے حاصل کرنے سے پہلے مارا گیا تو مجھے کیا ملے گا؟“

قظامہ بڑی چالاک تھی اس نے کہا۔ ”اگر شادی کے بعد تو عیش و آرام میں پڑ گیا اور تیسری شرط پوری کرنے سے انکار کر دیا تو میں کیا کروں گی۔ کس کے پاس جا کر فریاد کروں گی؟“

”امام دوراں شاہد ہیں کہ میں نے آج تک وعدہ خلافی نہیں کی۔“ ابن ملجم نے

اپنی بات پر زور دینے کے لئے کہا۔ ”اس کے علاوہ تو جس قسم کی ضمانت چاہے وہ میں دینے کو تیار ہوں۔“

عبداللہ ابن سبا اب تک بالکل خاموش تھا لیکن دل ہی دل میں اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش میں تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے۔ اس کو پورا یقین تھا کہ ابن ملجم ضرور کامیاب ہو گا لیکن مشکل یہ تھی کہ وہ قظامہ کو کس طرح سمجھاتا۔

ادھر قظامہ کو ابن ملجم پر اعتبار نہ تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ شادی کے بعد ابن ملجم بکر جائے تو اس کا کوئی کیا بگاڑ لے گا۔ اس کے ہاتھ تو صرف تین ہزار درہم اور ایک لونڈی غلام لگیں گے۔ اگر اسے رقم ہی درکار ہے تو پھر وہ ابن ملجم سے شادی کیوں کرے۔ کئی رئیس زادے اسے تیس ہزار درہم تک کی پیش کش کر چکے تھے۔ آخر قظامہ نے فیصلہ کن انداز میں کا۔ ”میں عقد سے انکار کرتی ہوں۔ شادی کے بعد میں تجھ پر قابو نہ رکھ سکوں گی۔“

”لیکن میں تو قابو رکھ سکتا ہوں۔“ یہ مکار عبداللہ ابن سبا کی آواز تھی۔ ”قظامہ، ابن ملجم کی میں ضمانت دیتا ہوں۔ یہ شادی کے بعد اپنا وعدہ وفا کرے گا۔“

قظامہ حیرت سے ابن سبا کا منہ دیکھنے لگی۔ وہ کشمکش میں مبتلا ہو گی۔ اقرار کے لئے وہ تیار نہ تھی اور ابن سبا کی ضمانت سے انکار بھی اس سے ممکن نہ تھا۔ وہ تنہا تھی اگر انکار کرتی تو تمام سبائی فرقہ بگڑ جاتا کیونکہ ان کے خیال میں امام دوراں کی حکم عدولی کرنے والا قابل گردن زونی تھا۔

قظامہ شکست خوردہ آواز میں بولی۔ ”اگر امام دوراں کا بھی حکم ہے تو میں انکار کی جرات کیسے کر سکتی ہوں؟“

ابن ملجم کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔

ابن سبا نے محبت سے قظامہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولا۔ ”میں تیرے ساتھ ہوں قظامہ۔ اگر ابن ملجم نے تیرے ساتھ بد عہدی کا تصور بھی کیا تو میرے وفادار اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔“

علم ہوا کہ وہ شام جا کر حضرت امیر معاویہؓ کا سرائار لے اور تیسرا سبائی عمر بن بکر
جس مصر کے گورنر عمرو بن عاصؓ کا خاتمہ کر دے۔

اس اہم منصوبے کی سب سے اہم بات یہ تھی کہ ایک ہی تاریخ اور وقت مقررہ
رہیں قاتل ایک ساتھ ان تینوں بزرگان دین اور اسلام کی جلیل القدر ہستیوں کو
قتل کرنے کے لئے روانہ کئے گئے۔ اس گھٹاؤ نے اور بزدلانہ منصوبے کی تکمیل کی
تاریخ، ۱۷ رمضان ۴۰ھ اور وقت نماز فجر مقرر ہوا۔

چونکہ مقامات میں کافی فاصلے تھے۔ اس لئے تینوں سبائی یا خارجی فوراً مکہ سے
روانہ ہوئے۔ برک بن عبد اللہ تمیمی نے شام کا رخ کیا۔ عمرو بن بکر تمیمی مصر کی
طرف چلا اور عبدالرحمن بن ملجم، زہریلی ناگن قظامہ کے ساتھ کوفہ واپس آگیا۔
کوفہ پہنچ کر قظامہ کو اپنے ناز و نخرے اور سحر میں ابن ملجم کو آخری وقت تک
گرفتار رکھا۔ حضرت علیؓ اس منصوبے سے بے خبر خارجیوں کے بچے کھجے گروہ کے
اتصال میں مصروف تھے۔ خارجیوں کا زور اگرچہ ٹوٹ گیا تھا تاہم وہ جا بجا فتنہ و فساد
میں مصروف تھے اور حضرت علیؓ کا سانس نہ لینے دیتے تھے۔

اسی دوران خیرت ابن راشد ناجی نے بنی ناجیہ کے تین سو آدمیوں کے ساتھ
حضرت علیؓ کے خلاف شورش پاپا کی اور ملک کے مختلف حصوں میں قتل و غارتگری
شروع کر دی۔ حضرت علیؓ نے زیاد بن حصہ کو اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ زیاد
نے مزار کے مقام پر خیرت کو شکست دی۔ خیرت بھاگ کر رامرمر کی پہاڑیوں میں جا
بچا۔ حضرت علیؓ نے معقل بن قیس کو اس کے پیچھے بھیجا۔ معقل نے خیرت کو
پہاڑیوں میں گھیر کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ پھر بھی خارجیوں نے حضرت علیؓ کو آخری وقت
تک سکھ کا سانس نہ لینے دیا اور جا بجا فتنہ پروازی کرتے رہے۔

آخر وہ منحوس ساعت آگئی۔ ۱۷ رمضان کو قظامہ نے نصف شب کے بعد
عبدالرحمن اب ملجم کو جگا دیا اور بڑے چاؤ سے اسے تیار کیا۔ آج قظامہ سب دنوں
سے زیادہ ابن ملجم پر مہربانی تھی وہ بار بار اس کے گلے میں بانئیں ڈالتی اور اس کے
جسم کے مختلف حصوں پر پیار کرتی رہی۔

قظامہ کیا جواب دیتی۔ وہ اپنے جال میں آپ ہی پھنس گئی تھی۔

عبداللہ ابن سبا نے اسی وقت قظامہ اور ابن ملجم کا عقد کر دیا۔ ابن سبا نے عقد
کی پہلی دو شرطیں پوری کیں۔ قظامہ کے طلب کردہ تین ہزار درہم اور لونڈی اور
غلام اسکے حوالے کئے گئے۔ شیب بن نجمہ حموری اور وردان نے سینے پر سل رکھ کر
ابن ملجم کو مبارک باد دی لیکن قظامہ نے انہیں بزدلی کا جو طعنہ دیا تھا۔ اس کا داغ
مٹانے کے لئے انہوں نے ابن ملجم کا اس معاملے میں ساتھ دینے کا اعلان کیا اور اپنی
خدمات اس کے سپرد کیں۔ ابن ملجم نے اسے قبول کر لیا۔

بعض روایتوں میں کہا گیا ہے کہ یہ سازش مکہ معظمہ میں تیار ہوئی تھی کیونکہ ان
ایام میں عبداللہ بن سبا کی مکہ میں موجودگی کچھ حوالوں سے ثابت ہوتی ہے لیکن اس
سے انکار کرنا مشکل ہو گا کہ اس سازش میں ابن سبا کا ہاتھ نہ تھا۔ یہ سازش کوئی
معمولی نہ تھا۔ اس کی منصوبہ بندی کوئی اعلیٰ دماغ ہی کر سکتا تھا۔ ابن ملجم جیسے معمولی
اور غیر معروف آدمی کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اتنا بڑا منصوبہ بناتا۔

قظامہ سے شادی کے بعد ابن ملجم نے بڑی داد عیش دی۔ ہ جانتا تھا کہ علیؓ پر
ہاتھ ڈالنے میں نناوے فیصد موت کا امکان ہے۔ اس لئے وہ موت کا آہنی پنجہ اپنی
گردن تک پہنچنے سے قبل قظامہ کی جوانی سے جتنی خوشہ چینی کر سکتا تھا وہ کی اور
قظامہ نے بھی قربانی کا بکرا سمجھتے ہوئے اس کی ولداری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی پھر کچھ
دن بعد عبداللہ ابن سبا نے اسے بیدار کیا اور اسے اس کا وعدہ یاد دلایا۔ ابن سبا کو
قظامہ کی تو پرواہ نہ تھی۔ وہ ابن ملجم جیسے مفید آدمی پر قظامہ جیسی ہزاروں حسناؤں کو
قربان کر سکتا تھا مگر اس مسئلے میں خود اس کا ذاتی مفاد پوشیدہ تھا۔

اس دوران میں عبداللہ ابن سبا نے اپنے منصوبے میں کچھ اور اضافہ کیا۔ اس
نے دو اور سبائیوں کو تیار کیا اور ایک بڑا منصوبہ تیار کیا۔ اس نے حضرت علیؓ کے
علاوہ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ کو بھی شہید کرنے کی اسکیم ترتیب دی۔
چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ عبدالرحمن ابن ملجم کوفہ پہنچ کر حضرت علیؓ کو شہید کرے۔
اس کی مدد شیب اور وردان کریں گے۔ دوسرا سبائی برک بن عبد اللہ تمیمی تھا اسے

قدرت کو حضرت امیر معاویہؓ اور عمرو بن عاصؓ کی موت ابھی منظور نہ تھی۔
برک بن عبد اللہ دمشق پہنچا اور تاریخ مقررہ پر اس نے حضرت امیر معاویہؓ پر اس وقت
حملہ کیا جب وہ نماز فجر سے فارغ ہو کر باہر آ رہے تھے۔ وار اچھا تھا۔ زخم معمولی لگا
جو جلدی اچھا ہو گیا۔ برک گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔

تیسرا قاتل عمرو بن بکر مصر پہنچا اور وقت معینہ پر اپنا عہد پورا کرنے کی کوشش کی
حسن اتفاق دیکھئے کہ اس وقت عمرو بن عاصؓ بیمار تھے۔ وہ نماز کے لئے مسجد میں نہ آ
سکے۔ ان کے بجائے خارجہ بن ابی حبیبہ نے نماز فجر کی امامت فرمائی۔ عمرو بن بکر نے
خارجہ کو عمرو بن عاصؓ سمجھ کر حملہ کر دیا۔ حملہ اتنا زبردست تھا کہ خارجہ بن ابی حبیبہ
نے اسی وقت جان دے دی۔ عمرو بن بکر بھی گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔

ابن ملجم کے دونوں ساتھی شیب بن نجمہ اور وردان اس کے ساتھ ہی ٹھہرے
ہوئے تھے۔ وہ جمعہ کی شب تھی۔ تینوں قاتل صبح سے بہت پہلے کونے کی جامع مسجد
میں جا کر چھپ گئے نماز فجر کے وقت حضرت علیؓ مسجد میں داخل ہوئے اور حسب
معمول مسجد میں سونے والوں کو نماز فجر کے لئے جگانا شروع کر دیا۔ اس وقت شیب
بن نجمہ کمین گاہ سے نکلا۔ اس نے خلیفہ چہارم پر زہر آلود ٹکوار سے وار کیا۔ حضرت
علیؓ قلعی بے خبر تھے۔ آپ زخم کھا کر محراب پر گرے۔ ابن ملجم آگے بڑھا اور ٹکوار
کا بھرپور وار حضرت علیؓ کے سر مبارک پر کیا۔ فاتح خیبر کی ریش مبارک خون میں
ترہتر ہو گئی۔ آپ سنبھل نہ پائے تھے کہ ابن ملجم مردود نے تلے اوپر کئی وار اور کر
دیئے۔ حضرت علیؓ نے آواز دی کہ میرے قاتل کو پکڑو۔

ابن ملجم مسجد سے نکل کر بھاگا۔ لوگوں نے اسے بھاگتے دیکھا تو دوڑ کر پکڑ لیا۔
شیب اور وردان اس وار و گیر میں نکل گئے۔

حضرت سیدنا علیؓ ابن ابی طالب کو گھر پر لایا گیا۔ ابن ملجم کو آپ کے سائے
پیش کیا گیا۔

حضرت علیؓ نے قاتل کو دیکھا۔ اسے پہچانا اور فرمایا۔ ”اگر میں مر گیا تو اس شخص
کو قتل کر دینا اور زندہ رہا تو خود جو سزا مناسب سمجھوں گا دوں گا۔“

زخم کاری تھے زہر تمام جسم میں پھیل گیا۔ آپؓ نے حضرت حسن و حسین اور
بن حنیفہ کو بلا کر اتفاق و اتحاد اور رشد و ہدایت کی تلقین فرمائی۔ پھر ۲۰ رمضان
ہ یک شنبہ کی سیر میں جگر گوشہ رسولؐ خاتون جنت حضرت فاطمہؓ کا شوہر، شہید کربلا
اور بنائے لا الہ، حسینؑ کے مشفق باپ اور شمس الضحیٰ، بدر الدجہ، شافع محشر، خاتم
النبین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی اور داماد سیدنا علی مرتضیٰ کر
اللہ وجہ نے اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔

عبدالرحمان ابن ملجم کو قتل کر دیا گیا اور کہتے ہیں کہ قظامہ بنت جند ربالی پاگل
ہو گئی۔ اس نے تڑپ تڑپ اور سسک سسک کر جان دے دی۔ اس دن سے قلم
کا لفظ ایک گالی بن گیا۔

کنیز اس عجیب سوال پر گھبرا گئی۔ دربار اس وقت سویرے، سویرے پھر بغیر کسی اعلان کے۔ کنیز نے ذہانت سے کام لیا اور بولی۔
 ”حکم عالی ہو تو دربار لگوا یا جائے؟“
 ”ضرور“ اور فرعون پھر ٹہلنے لگا۔

کنیز کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ اس نے تیزی سے باہر کی طرف قدم اٹھائے۔
 فرعون نے اپنے قدم روکے اور پہلے حکم میں اضافہ کیا۔
 ”دربار میں تمام نجومیوں، کاہنوں اور قیافہ شناسوں کو حاضر کیا جائے۔“
 کنیز، فرعون کی آواز کے ساتھ ہی رک گئی تھی۔ اس نے توجہ سے حکم سنا اور
 پھر باہر کی طرف چلی۔

کنیز نے دو ہی قدم اٹھائے تھے کہ اس کے کانوں سے فرعون کی آواز پھر
 گرائی۔

”دربار میں ان لوگوں کو بھی بلایا جائے جنہیں خواب کی تعبیر بیان کرنے میں
 کمال حاصل ہو۔“

دوسرا حکم سننے کے بعد کنیز پھر آگے بڑھی۔ یہاں تک کہ وہ راہداری پار کر کے
 نصر شاہی کے متصل مہمان خانہ کے پاس سے گذر کر محل کے سنگی دروازے پر پہنچ
 گئی۔ کنیز نے فرعون کے احکامات پریداردوں کو کس طرح بتائے اس کا تو علم نہیں
 لیکن دیکھنے والوں نے دیکھا کہ پورے محل میں بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔

مشکل سے ایک گھنٹہ گزرا ہو گا کہ دربار ہال امرا و ذرا اور دوسرے عمائدین
 حکومت سے بھر گیا۔ ان سب کا لباس بہت مختصر تھا۔ ان کے جسم کا گھٹنوں سے کمر
 تک کا حصہ ایک تہہ بند میں پوشیدہ تھا۔ پیروں میں کچے چڑے کی چپل نما جوتیاں
 تھیں۔ ان کی کلائیوں اور کہنیوں پر اسی طرح کا چڑا چڑھا تھا۔ باقی بدن ننگا تھا۔
 مرنے پر ایک چنٹ دار ٹوپی سی منڈھی تھی۔

فرعون کا لباس بھی کچھ اسی قسم کا تھا۔ اس کے سر پر گھونگریا لے بالوں جیسا
 آئنا یا کٹوپ تھا اس کے ہاتھ میں ایک لانا بھالا تھا اور ایک خنجر کمر میں اڑسا تھا۔

ابلیس مصر

فرعون کا مزاج آج صبح ہی سے برہم تھا۔

ہوا یہ کہ فرعون رات کسی وقت ایک بھیانک خواب سے چونکا اور پریشان ہو
 کر خواب گاہ شاہی کے باہر راہداری میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ کنیزیں اور غلام بھی جاگ
 پڑے تھے۔ پریدار اپنے مقام پر چوکس کھڑے تھے۔ سب کی نظریں فرعون پر
 تھیں مگر کسی میں یہ ہمت نہ تھی کہ اس کے پاس جا کے حال دریافت کرے۔ فرعون
 حکم تھا کہ جب تک وہ گھٹنی نہ بجائے، یا تالی کی آواز نہ پیدا کرے اس وقت تک کمر
 اس کے پاس نہ آئے۔

نہ فرعون کا بھاری بھاری قدموں سے ٹہلنا بند ہوا اور نہ غلاموں، کنیزوں اور
 پریداروں نے اپنی اپنی جگہ چھوڑی۔ پھر سورج دیوتا (رع) کے بڑے مندر کا بڑا گھنٹہ
 بجنا اس کے ساتھ ہی تمام چھوٹے مندروں کے گھنٹے بجنے لگے۔ پھر دھوپ پھیلی اور
 دن چڑھنے لگا۔

آخر فرعون کی کنیز خاص نے ہمت کی۔ وہ ڈرتے ڈرتے فرعون کے پاس پہنچی۔
 ”عالی جاہ!“ کنیز آگے کچھ نہ کہہ سکی۔

فرعون کے قدم اک دم رک گئے۔ اس نے گھور کے کنیز کو دیکھا۔
 ”دربار لگ گیا کیا؟“ فرعون نے یوں کہا جیسے وہ ہوش میں نہ ہو۔

بات پر اتفاق کیا ہے کہ فرعون اعظم کے خواب کی صرف اور صرف یہ تعبیر ہے کہ مصر کے عظیم شہنشاہ فرعون رامیس کی حکومت کا زوال ایک اسرائیلی لڑکے کے ہاتھ سے ہو گا۔

بڑھے کاہن کی بیان کی ہوئی تعبیر کی تصدیق ہر ایک نے باری باری کھڑے ہو کر کی۔ اس سے تمام تعبیر دینے والے موت کے گھاٹ اترنے سے بچ گئے۔ چونکہ یہ تعبیر متفقہ تھی اس لیے فرعون نے بھی اسے تسلیم کر لیا۔ فرعون نے دربار برخواست کر دیا اور اس غور و فکر میں ڈوب گیا کہ اگر کاہنوں کا یہ کہنا درست ہے تو پھر پورے ملک مصر میں آباد ہزاروں اسرائیلیوں میں سے اس لڑکے کو کیسے تلاش کیا جائے جو اس کی سلطنت کے زوال کا باعث ہو سکتا تھا۔

تمام دن غور و فکر کرنے کے بعد بھی فرعون کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا اور کوئی ترکیب اس کے ذہن میں ایسی نہ آئی جس کے ذریعہ وہ اس لڑکے کی شناخت کر سکے جو اس کی سلطنت کا تختہ الٹ سکتا تھا۔ پھر اس نے رات کی تنہائی میں شہر منفس کے سب سے بڑے کاہن کو اپنے محل میں طلب کیا۔

یہ کاہن صرف فرعون کو مشورہ دینے پر مامور تھا۔ فرعون نے سب سے پہلے اپنے خواب کی تعبیر اسی کاہن سے پوچھی تھی مگر وہ فوری طور پر کوئی جواب نہ دے سکا تھا اور اس نے اس کے جواب کے لیے چند دن کی مہلت مانگی تھی۔ فرعون اب اس کی تسلی اور مشورہ کی سخت ضرورت تھی۔

شاہی کاہن کو پہلے ہی علم تھا کہ فرعون اسے کسی وقت طلب کر سکتا ہے کیونکہ تعبیر بتانے والوں نے اسرائیل کے اس بچے کی کوئی شناخت نہیں بتائی تھی جو اس کے زوال کا باعث ہو سکتا ہے۔ اس کے کئی جواب کاہن نے سوچ رکھے تھے۔ چنانچہ اپنی طبی پر وہ قطعی ہراساں نہ ہوا اور بڑے اطمینان کے ساتھ قصر شاہی پہنچا۔

شاہی کاہن کو فوراً بلا لیا گیا۔ فرعون پریشانی کے عالم میں اپنے کمرے کے باہر کی راہداری میں ٹھل رہا تھا۔ وہ کاہن کو دیکھ کر رکا اور بولا۔

کاہن سیدھے ہو اور میرے ساتھ آ جاؤ۔

تیر کمان اس کا غلام ساتھ لئے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ دربار ہال میں کوئی دروازہ نہ تھا ہال کی چھت کو کئی سو پتھر کے ستونوں پر بنایا گیا تھا۔ تخت دائیں جانب پتھر کی بڑی سورج دیوتا کی مورتی رکھی تھی۔ مورتی کو ایک انسانی شکل میں تراشا گیا تھا جس کے چاروں طرف کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔

فرعون کو آتے دیکھ کر درباری کھڑے ہو گئے۔ پہلے فرعون نے مورتی کے سامنے سر جھکایا پھر درباری مورتی کے سامنے جھک کر آداب بجالائے۔ فرعون جو بد گھبرایا اور خاموش خاموش تھا۔ اس نے سامنے بیٹھے ہوئے نجومیوں، قیافہ شناسوں اور کاہنوں کو اشارے سے اپنے تخت کے قریب بلا لیا۔ پھر اس نے ان لوگوں سے اپنا خواب بیان کیا جو اسے نصف شب سے بے چین کئے ہوئے تھا۔

خواب کچھ ایسا الجھا ہوا تھا کہ کوئی اس کی فوری طور پر تعبیر نہ بتا سکا۔ نہ نے غور و فکر کے لیے ایک ایک دو دو دن کی مہلت طلب کی۔ فرعون بگڑ گیا اور بائیں طرف کھڑے ہوئے اپنے سپہ سالار لشکر جو ملک کا وزیر اعظم بھی ہوتا تھا، حکم دیا۔
”اگر دو گھنٹے کے اندر اندر خواب کی تعبیر نہیں بیان کی گئی تو تمام کاہنوں، قیافہ شناسوں اور منجموں کے سر قلم کر دیئے جائیں۔“

دربار پر ایسا سناٹا چایا جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ پھر سرگوشیاں اور آواز کے بعد تعبیر دینے والوں میں سے ایک نے کھڑے ہو کر کہا۔

”ہم نے اس خواب پر الگ الگ پر سر جوڑ کر غور کیا ہے۔ ہم سب خواب ایک تعبیر پر تقریباً متفق ہو گئے ہیں۔ ہم فرعون اعظم سے درخواست کرتے ہیں کہ اس تعبیر کو جو ہمارا صرف ایک رکن پیش کرے گا، ہم سب کی متفقہ تعبیر سمجھیں۔“
فرعون بہت بے چین ہو رہا تھا۔ اس نے چیخ کے کہا۔

”تعبیر پیش کی جائے۔ تم سب کی موت و زندگی مشترک ہے۔“

تعبیر بتانے والوں میں سب سے ضعیف ایک کاہن تھا۔ سب نے اس کو نمائندہ منتخب کیا اور اس نے کھڑے ہو کر فرعون کے خواب کی تعبیر بیان کی۔

”اے فرعون اعظم ہم سب نے یعنی تمام قیافہ شناسوں اور کاہنوں کے ا

کاہن تعظیم کے لیے کمر تک جھکا کھڑا تھا۔ فرعون کی آواز سن کے وہ سیدھا ہوا اور اس کے عقب میں آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ فرعون راہداری کے کئی کمرے چھوڑ کے ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ کاہن دروازے پر پہنچ کے رک گیا۔ اندر داخل ہونے کی اسے ہمت نہ پڑی۔ فرعون جس شخص کو اپنے محل میں طلب کرتا اس کے ساتھ مہمان کے کمرے میں ملاقات کرتا تھا۔ فرعون نے اپنے رہائشی حصہ میں آج تک نہ کسی کو بلایا تھا اور نہ کسی نے اس حصہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ یہ کاہن کی عزت افزائی تھی کہ اس نے شاہی کاہن کو اپنے پاس طلب کیا اور اس سے اپنے خاص محل کی راہداری میں گفتگو بھی کی تھی اور اسے ساتھ آنے کا حکم دیا تھا۔ شاہی کاہن مودب دروازے پر کھڑا تھا کہ اندر سے آواز آئی۔

”اندر آ جاؤ کاہن۔ تمہیں اجازت ہے۔“

کاہن نے فرعون کی آواز سنی۔ پہچانی پھر اندر داخل ہوا۔ فرعون کا اتنا رعب تھا کہ شاہی کاہن کمرے میں پہنچ جانے کے باوجود نظر گھما کر کسی طرف نہ دیکھ سکا۔ ”بیٹھ جاؤ۔“ فرعون نے ایک پتھر کے اسٹول کی طرف اشارہ کیا۔ کاہن نظریں جھکائے اسٹول پر بیٹھ گیا۔

”شاہی کاہن۔“ فرعون نے بغیر کسی تمہید کے گفتگو کا آغاز کر دیا۔ ”میں بہت فکر مند ہوں تم اس فکر کو دور کر سکتے ہو شاید؟“

”اے فرعون اعظم۔“ کاہن نے ادب سے کہا ”میں کیا اور میری بساط کیا پھر بھی اگر فکر کی نوعیت معلوم ہو جائے تو شاید کوئی مفید مشورہ پیش کر سکوں۔“

شاہی کاہن نے بھی ”شاید“ کا سہارا لے کر اپنا پہلو بچایا۔ ”نہیں کاہن۔ تم آسانی دیوتاؤں کے راز دار ہو۔“ فرعون نے اس کی تعریف کی۔ ”تم ضرور کوئی تدبیر کرو گے۔“

”اے فرعون اعظم۔“ کاہن نے فوراً جواب دیا۔ ”میں تو صرف دیوتاؤں کا راز دار ہوں مگر آپ تو ان کے ہم مرتبہ اور ہم مشرب ہیں۔ فرمائیے کس سلسلہ میں آپ کو مشورہ درکار ہے؟“

فرعون اس کے پاس آیا اور اس کے اسٹول پر ایک پیر رکھ کر بولا۔ ”تم لوگوں نے میرے خواب کی جو تعبیر بتائی ہے۔ وہ ضرور درست ہو گی اس لیے کہ وہ میرے دل کو لگتی ہے مگر اب سوال یہ ہے کہ اس لڑکے کو کس طرح تلاش کیا جائے جو ہماری حکومت کے لیے خطرہ بن سکتا ہے مصر میں بنی اسرائیل کی آبادی لاکھوں تک پہنچ چکی ہے۔ اگر بنی اسرائیل کے تمام لڑکوں کو قتل کرا دیا جائے تو یہ نخواستہ دور ہو سکتی ہے مگر اس سے بغاوت کا خطرہ ہے۔ کیا اچھا ہو کہ تم کوئی ایسی تدبیر بتاؤ جس سے سانپ مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے؟“

کاہن سمجھ گیا کہ فرعون نے تعبیر کے الفاظ کا غلط مطلب نکالا ہے اور اس وجہ سے یہ زیادہ پریشان ہے۔ آخر کاہن الفاظ تو لیتے ہوئے بولا۔

”اے فرعون اعظم۔ آپ کو یہ خیال کس طرح آیا کہ بنی اسرائیل کے تمام لڑکوں کو قتل کرا کے اس نخواستہ سے نجات حاصل ہو سکتی ہے؟“

فرعون نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔ ”کیا تم لوگوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ مصر کی عظیم سلطنت کا زوال ایک اسرائیلی لڑکے کے ہاتھ سے ہو گا۔ کیا میں نے غلط سنا ہے کچھ؟“

”اے فرعون اعظم۔“ کاہن بولا۔ ”بے شک خواب کی تعبیر یہی ہے لیکن اسرائیلی لڑکے سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس وقت کے اسرائیلی لڑکوں میں سے کوئی ایک سلطنت مصر کے زوال کا باعث ہو گا۔“

”پھر کیا مطلب ہے اس کا؟“ فرعون نے پریشان نظروں سے کاہن کو دیکھا۔ ”کیا تم لوگوں کا مطلب بنو اسرائیل میں جو بچے اب پیدا ہوں گے ان میں وہ لڑکا بھی ہو گا جو سلطنت مصر کا تختہ الٹ دے گا؟“

”اب فرعون اعظم صحیح مطلب سمجھیں تعبیر کا۔“ کاہن نے تصدیق کی۔ ”یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے؟“

”بے شک۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں۔“ فرعون دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔

”ہم اسی وقت فرمان جاری کئے دیتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے گھرانوں میں گزشتہ کل سے اور آئندہ ہمیشہ کے لیے جس کسی گھرانے میں لڑکا پیدا ہو اسے فوراً قتل کر دیا جائے۔ اگر کسی اسرائیلی نے نوزائیدہ بچے کی پیدائش کو چھپانے کی کوشش کی تو اس لڑکے کے ساتھ اس کے ماں اور باپ کو بھی قتل کر دیا جائے گا۔“

شاہی کاہن نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

”اے فرعون اعظم آپ دنیا میں سب سے زیادہ دانا، بینا اور ذہین ہستی ہیں۔ اس دنیا میں کیا آسمانوں کے خداؤں میں بھی بہت کم خدا آپ کی عقل و دانش کے برابر ہوں گے۔ آپ کے اس اعلان سے اس خطرے کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے گا جس کے لیے آپ کل سے فکر مند ہیں۔“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ فرعون اپنی تعریف سے اور زیادہ پھول گیا۔ ”تم بھی عقلمند ہو کہ تم نے ایک ذرا سا اشارہ کیا اور ہم نے فوراً اس کا حل ڈھونڈ لیا۔“

پوری مصری سلطنت میں منادی کرا وی گئی کہ جس کسی اسرائیلی گھرانہ میں لڑکا پیدا ہو وہ فوراً اسے قتل کر ڈالے اور اس کی اطلاع قریب ترین سرکاری دفتر میں درج کرائے بصورت دیگر لڑکے کے ساتھ ساتھ اس کے والدین کو بھی تہ تیغ کر دیا جائے گا۔

اسرائیلی گھرانوں میں فرعون کے اس ظالمانہ اعلان سے کھرام مچ گیا مگر صدیوں کی غلامی نے ان کی ہمتوں کو پست کر دیا تھا اور ان کے ذہن تک غلام ہو چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے نہ کوئی احتجاج کیا اور نہ کسی طرف سے کوئی آواز بلند ہوئی۔ تمام اسرائیلیوں (یہودی) نے اسے تقدیر کا فیصلہ سمجھ کر قبول کر لیا اور خاموش ہو کے بیٹھ گئے۔

اسرائیلی اور یہودی کون تھے اس کے بارے میں آپ ضرور جانتے ہوں گے پھر بھی نہ جاننے والے قاریوں کے لیے اس موضوع پر تھوڑی ردشنی ڈالی جا رہی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کئی بیویاں تھیں۔ ان میں تین بیگمات زیادہ مشہور ہیں ایک حضرت سارہ دوسری حضرت ہاجرہ اور تیسرہ حضرت قطورہ۔

حضرت سارہ سب سے بڑی بیگم ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت سارہؑ بوڑھے ہوئے مگر ان کے کوئی اولاد نہ ہوئی تو خود حضرت سارہؑ نے حضرت ابراہیمؑ کا عقد حضرت ہاجرہؑ سے کرا دیا حضرت ہاجرہؑ دراصل ایک فرعون مصر کی بیٹی تھیں مگر توریت میں انہیں فرعون کی لونڈی لکھا گیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کافی ضعیف ہو چکے تھے مگر اللہ نے انہیں اس عمر میں حضرت خدیجہ کے بطن سے ایک فرزند عطا فرمایا جس کا نام اسماعیل رکھا گیا۔

حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کی خدا کے حکم سے قربانی کرنا چاہی تو خدا نے ان کی چھری کے نیچے سے اسماعیلؑ کو نکال کر ایک گوسفند (بھیڑ) کو رکھ دیا۔ اسی قربانی کی یاد میں تمام مسلمان عید الاضحیٰ کو قربانی دیتے ہیں۔ ہم سب مسلمان حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں ہیں اور ہمارا صحیفہ آسمانی قرآن حکیم ہے۔

حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش کے بعد اللہ نے ابراہیمؑ کو حضرت سارہؑ کے بطن سے بھی لڑکا دیا جس کا نام اسحاق رکھا گیا۔ خیال رہے کہ اسحاقؑ جس وقت پیدا ہوئے اس وقت حضرت اسماعیلؑ کی عمر نو سو سال کی ہو چکی تھی یعنی حضرت اسماعیلؑ حضرت اسحاقؑ سے بڑے ہیں مگر یہودی یعنی اسرائیلی حضرت اسحاقؑ کو بڑا بیٹا کہتے ہیں جو قطعی غلط ہے اور اس کی درستی بہت ضروری ہے۔

حضرت اسحاقؑ کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے۔ حضرت یعقوبؑ کا ایک نام اسرائیل بھی تھا اس لیے ان کی اولاد بنی اسرائیل یا یہودی کہلاتی ہے۔ حضرت یوحنا علیہ السلام جو ہماری کمائی کے موضوع ہیں وہ بھی بنی اسرائیل خاندان یا قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت یعقوبؑ کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام تھے جن کا حسن و جمال دنیا بھر میں مشہور ہے۔ ”داستان یوسف“ کے نام سے جو کمائی اس کتاب میں شامل ہے وہ انہی یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی زلیخا کے بارے میں ہے۔

جس طرح مسلمانوں کے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا نے قرآن نازل فرمایا تا اسی طرح بنی اسرائیل کی آسمانی کتاب توریت شریف ہے اور اگرچہ قرآن حکیم ہی کی طرح مقدس ہے اور ہم مسلمان اسے آسمانی صحیفہ

مصر ایم کی اولاد ملک شام میں آباد تھی۔ وہ ہجرت کر کے وادی نیل میں آکر آباد ہوئی۔ خیال رہے کہ نیل، مصر کا سب سے بڑا دریا ہے اور اس کے کنارے قاہرہ کا مشہور شہر آباد ہے۔ اللہ کا کرم ہے کہ آج کل مصر ایک مضبوط، طاقتور اور خوشحال اسلامی ملک ہے۔ اس ملک کو عہد امیر معاویہ میں ان کے مشہور سالار عمرو بن العاص نے فتح کیا تھا اور فاتح مصر کے نام سے مشہور ہوئے تھے۔

قدیم مصر اور بھارت دونوں کا مذہب بت پرستی تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ دنیا کی ابتدا پانی سے ہوئی ہے۔ اسی سے خشک زمین نکلی اور اسی میں سے سورج دیوتا نکلا۔ چنانچہ سورج دیوتا کا نوروز دریا کے سیلاب سے ایک دن پہلے منایا جاتا ہے۔ وہاں کے مندروں کے ساتھ تالاب اور بچ میں ٹیلا ہوتا ہے جو اس بات کی یادگار تھی کہ ابتدا میں پانی سے خشک زمین نکلی تھی۔ بھارت میں بھی تالاب کے درمیان میں ٹیلہ پر کوئی مندر بنا ہوتا ہے تو زیادہ مقدس سمجھا جاتا ہے۔ مصریوں کی روایات کے مطابق قدیم زمانہ میں ایک طوفان آیا تا جس سے تمام زمین ڈوب گئی تھی۔

مصر قدیم میں آبادی پانچ طبقوں میں تقسیم تھی۔ کاہن، جنگی جماعت، تاجر، کاشتکار اور گلہ بان۔ کاہن دینی پیشوا ہوتے تھے۔ ان کے حکم کو مثل خدا کے حکم کے تسلیم کیا جاتا تھا۔ جنگی جماعت دشمنوں سے مقابلہ کے لیے تھی کاہنوں اور جنگی جماعت کے سوا باقی تینوں طبقوں یعنی تاجر، کاہن اور کاشتکار کو زمین کی ملکیت نہیں حاصل ہو سکتی تھی وہ زمین کرایہ یا ٹھیکہ پر حاصل کر کے کاشت کرتے تھے۔

مصر کے باشندوں کا بڑا مشغلہ کھیتی باڑی تھا۔ پھر عرصہ دراز کے بعد ان میں چھوٹی چھوٹی سرداریاں بن گئیں جو آپس میں برسر پیکار رہتی تھیں۔ آخر دو بڑی سرداریاں بنیں اور تمام چھوٹی سرداریاں ان میں ضم ہو گئیں۔ یہ دونوں سرداریاں دراصل حکومتوں کی تشکیل کی ابتدائی صورت تھی ایک شمالی یا بالائی حکومت تھی جس کا دارالسلطنت تبس بنا۔ اس حکومت کا نشان سفید رنگ تھا۔ دوسری حکومت وسط مصر کی تھی۔ اس کا دارالحکومت منفس اور نشان سرخ رنگ تھا۔ تبس سب سے قدیم شہر تھا۔

تسلیم کرتے ہیں لیکن اس میں اس قدر ترمیم کر دی گئی ہے کہ اصل توریت کیس نہیں آتی۔

بنی اسرائیل کی اس تشریح کے بعد اگر فرعونوں کی سرزمین یعنی ملک مصر کا ہم تھوڑا سا حال بیان کر دیا جائے تو وہ قاری کی معلومات میں اضافہ کا باعث ہو گا، اب ہم مصر کا کچھ حال بیان کرتے ہیں۔

فارسی زبان کا ایک مشہور مقولہ ہے۔

”ہر فرعون نے راموسی“

یعنی اللہ تعالیٰ ہر فرعون (خود سر۔ مغرور) کا دماغ ٹھکانے لگانے کے لیے ایک موسیٰ یعنی ایک نیک بندہ پیدا کر دیتا ہے۔ اس کو حق و باطل کا مقابلہ بھی کما جاتا ہے۔ ہماری کہانی کا عنوان ”ایلیس مصر“ ہے۔ یہ ایلیس دراصل وہ فرعون ہے جو نے حضرت موسیٰ اور ان کی امت کو مصر سے نکالنے کی کوشش کی تھی مگر فرعون ان کو کوشش میں ناکام رہا۔

فرعون کسی بادشاہ کا نام نہیں ہے بلکہ مصر کے ہر بادشاہ کا لقب ”فرعون“ ہو تھا۔ اسی لیے مصری بادشاہوں کو ”فراعنہ مصر“ کہا جاتا ہے۔ جس فرعون کے زمانہ میں حضرت موسیٰ اپنی قوم بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لے گئے تھے اس فرعون کا نام منفتاح اول تھا۔ اس کہانی کے شروع کرنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہونا ہے کہ مصر کی تھوڑی سی تاریخ پر روشنی ڈال دی جائے۔

ملک مصر براعظم افریقہ کے شمالی مشرقی کونہ پر آباد اس پورے براعظم میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور خوشحال ملک ہے۔ قاہرہ جہاں کی جامعہ ازہر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی یونیورسٹی ہے۔ اس ملک کا دارالسلطنت اور بحر روم پر واقع اسکندریہ سے بڑا بندرگاہ ہے۔ عظیم مسلمان مورخ علامہ ابن خلدون نے قدیم اہل مصر کو ”بنی نوح کے بیٹے“ مصر ایم کی اولاد سے لکھا ہے۔ محققین کہتے ہیں کہ عہد حجری (پتھر کر زمانہ) میں پہاڑ پر رہنے والے وہاں سے اتر کر آئے اور انہوں نے مصر کو آباد کیا۔

فرعون کو ایک بھی اسرائیلی لڑکے کے قتل کی خبر نہ پہنچائی گئی۔ فرعون کو اس بات پر سخت غصہ آیا اس نے دارالسلطنت منفس کے شر کو تو ال کو طلب کر کے اس سے سوال کیا۔

”کیا دارالسلطنت منفس میں آباد ہزاروں اسرائیلیوں کے گھر گزشتہ ایک ماہ کے دوران ایک بھی لڑکا پیدا نہیں ہوا؟“

”عالی جاہ“ شر کو تو ال نے سر جھکا کے جواب دیا۔ ”اسرائیلی گھرانوں سے کسی لڑکے کے پیدا ہونے کی خبر مجھے نہیں ملی۔“

”ہونہ — یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“ فرعون غصہ سے کھڑا ہو گیا۔ ”ملک مصر الگ رہا صرف دارالسلطنت منفس میں ایک ماہ میں کم از کم دس بیس بچے ضرور پیدا ہوئے ہوں گے۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی بچہ پیدا نہ ہوا ہو۔“

”عالی جاہ“ شر کو تو ال نے وضاحت کی۔ ”شہر میں بچے تو بہت سے پیدا ہوئے مگر ان سب کا تعلق مصری خاندانوں اور گھرانوں سے ہے۔ بنی اسرائیل کے گھرانوں میں بھی بچے پیدا ہوئے مگر وہ تمام کی تمام لڑکیاں ہیں۔ حکم ہو تو اسرائیلی گھرانوں میں پیدا ہونے والی لڑکیوں کو قتل کر دیا جائے؟“

”نہیں نہیں۔“ فرعون چیخا۔ ”لڑکیوں کے قتل سے ہمیں کوئی فائدہ نہ ہو گا۔“ پھر فرعون کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ”یقیناً تمہاری اطلاعات ناقص ہیں۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے اس سلسلے میں کیا کیا انتظامات کئے ہیں؟“

شر کو تو ال نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

”عالی جاہ۔ ہم نے پوری سلطنت مصر اور خاص کر شر منفس میں منادی کرائی تھی کہ جس اسرائیلی گھرانے میں لڑکا پیدا ہو اس کا باپ اس کی اطلاع فوراً دفتر آباد کاری میں پہنچائے اگر اس نے اس میں ذرا کوتاہی کی تو اسے اور اس کے گھر والوں کو سزا دلایا جائے گا۔ پھر جب ایک ہفتہ تک کسی طرف سے کسی اسرائیلی لڑکے کی پرائس کی اطلاع نہ ملی تو میں نے شر کی تمام دایوں کو بلا کر انہیں حکم دیا کہ وہ جب کسی بچہ پیدا کرنے جائیں تو یہ معلوم کریں کہ وہ بچہ کسی اسرائیلی گھرانہ میں تو پیدا

دونوں حکومتوں کے حکمرانوں نے بڑے بڑے محلات، مندر، اونچے بت اور وسیع تہ خانے بنائے تھے۔ آئندہ زمانہ میں منفس زیادہ ترقی کر گیا۔ ۳۴۰۰ قبل مسیح میں منفس کا شہنشاہ منیس تھا۔ منیس کو مصر کا سب سے پہلا شہنشاہ کہا جاتا ہے۔ اس نے مصریوں کے لیے آداب اور مذہبی رسومات مرتب کئے تھے۔ اس نے اکٹھ سال (۶۱) حکومت کی اور ایک دریائے گھوڑے کے حملہ سے ہلاک ہوئے۔

قطبی زبان میں مصر کو خم کہتے تھے، عبرانی زبان میں مصریم کہا جاتا تھا۔ جس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ٹوکرے میں بستے ہوئے دریائے نیل سے نکالا گیا تھا اس جگہ کو مصریم کہتے تھے۔ اسے آگے چل کر مصر کہا جانے لگا۔

شہنشاہ منیس سے جس سلطنت کی بنیاد ڈالی اس پر اکتیس شاہی خاندانوں نے حکومت کی۔ ان بادشاہوں کی مجموعی تعداد دو سو ستر (۲۷۰) ہوتی ہے۔ ان کی حکومت ۵۲۵ ق۔ م تک رہی پھر مصر کو ایرانیوں کے فتح کر لیا۔ مصر کے ان تمام بادشاہوں کو فرعون کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

مصریوں کا مذہب اگرچہ سورج پرستی اور بت پرستی تھا مگر مسلمان اس سرزمین کو اس لیے مقدس سمجھتے ہیں کہ یہاں عہد قدیم ہی سے پیغمبروں کی آمد شروع ہو گئی تھی۔ ۲۲۰۰ ق۔ م میں جب جنوبی مصر میں سامی بادشاہ ابو ملک (اقیون) کی حکومت تھی تو وہاں توریت کی ایک روایت کے مطابق حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ تشریف لے گئے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے پڑپوتے، سامی بادشاہ ایابی اول ”ریان بن دلید“ کے عہد میں مصر تشریف لے گئے تھے۔ ریان بن دلید جسے رع کا نزن بھی کہا جاتا ہے کے وزیر عزیز مصر تفسیر (دو فرہہ الشمس) نے حضرت یوسف علیہ اسلام کو خریدا تھا اور آگے چل کر حضرت یوسفؑ ریان کے وزیر مال مقرر ہوئے تھے۔

ان حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر کو ہمارے انبیائے کرام کے قدم چومنے کا اکثر موقعہ ملتا رہا ہے۔ اس مختصر تعارف کے بعد ہم پھر اپنی اصل کہانی کی طرف آتے ہیں۔

بنی اسرائیل کے لڑکوں کے قتل کا اعلان کرائے ہوئے ایک ماہ گزر گیا مگر

اسی وقت فرعون نے شر کو توال کو حکم دیا۔

”ان دائیوں سے دریافت کیا جائے کہ انہوں نے کتنے اسرائیلی لڑکوں کو پیدا کرایا ہے اور اپنی رحمہ کی وجہ سے اس کی اطلاع سرکاری دفتر میں نہیں دی گئی اگر انہوں نے اس وقت بھی اسرائیلی لڑکوں کی پیدائش کی نشاندہی کر دی تو انہیں معاف کر دیا جائے گا ورنہ اگر کسی دوسرے ذریعے سے یہ معلوم ہو گیا کہ فلاں اسرائیلی کے گھر فلاں دائی نے لڑکا پیدا کرایا تھا تو اسے فوراً سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔“

شر کو توال نے باری باری ہر دائی سے سوال کیا کہ آیا انہوں نے کسی اسرائیلی بچہ کو پیدا کرایا ہے۔ اس نے دائیوں کو یقین دلایا کہ ان کی اس پہلی غلطی کو معاف کر دیا جائے گا لیکن کسی دائی نے اقبال نہیں کیا کہ اس نے کسی اسرائیلی گھر میں کسی لڑکے کو پیدا کرایا ہے ممکن ہے بعض دائیوں نے رحم کھا کر کسی اسرائیلی لڑکے کی پیدائش کی اطلاع نہ دی ہو مگر اس وقت جو صورت حال تھی اس نے انہیں اس قدر خوفزدہ کر دیا کہ تمام کی تمام دائیاں انکار کر گئیں۔

فرعون کو طیش آگیا۔ فرعون نہ صرف مصر کے خود مختار بادشاہ ہوتے تھے بلکہ ان کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ آسمانی خداؤں کی ربوبیت اور الوہیت میں ہی حصہ دار ہیں۔ اس وجہ سے بعض فرعونوں نے خود کو خدا کہلوانا شروع کر دیا تھا اور ان کے بت بنا کے اسی طرح پوجے جاتے تھے جس طرح آسمانی دیوتاؤں کی پرستش ہوتی تھی۔ فرعون کے طیش سے ہر شخص گھبراتا تھا۔ شر کو توال نے فرعون کی تیوریاں ڈھکی دیکھیں تو وہ کانپ گیا کہ پتہ نہیں فرعون کا غصہ کس پر اترے گا۔ وہ ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ فرعون نے حکم دیا۔

”یہاں موجود تمام دائیوں اور شر کو توال کی گردنیں قلم کر دی جائیں۔“ شر کو توال کا تو رنگ فق ہو گیا مگر دائیوں نے چیخا چلانا شروع کر دیا۔ بعض انہیں فرعون کے سامنے سجدے میں گر گئیں۔ بعض نے سورج دیوتا ”رع“ کے اگلے درجہ شروع کر دیئے غرضیکہ اس کھلے دربار میں ہر طرف چیخ پکار کی آوازیں آ رہی تھیں۔ درباریوں میں بڑے بڑے سردار تھے۔ جنہوں نے بیسیوں جنگوں میں حصہ

نہیں ہوا مگر اس تدبیر کے باوجود مجھے کسی اسرائیلی گھرانہ میں لڑکا پیدا ہونے کی اطلاع نہیں ملی۔“

فرعون نے ایک نیا نکتہ نکالا۔ اس نے شر کو توال سے کہا۔

”ہمارا خیال ہے کہ دائیاں عورتیں ہونے کی وجہ سے نرم دل ہوتی ہیں وہ اپنی اس فطرت کی وجہ سے لڑکے کی پیدائش کو پوشیدہ رکھتی ہوں گی۔ تمہارا کیا خیال ہے شر کو توال؟“

شر کو توال فرعون کی یہ بات سن کر بہت حیران ہوا۔ اس کا خیال تھا اور یہ خیال بڑی حد تک درست بھی تھا کہ ”فرعون مصر“ جنگ و جدل اور شراب و کباب کے علاوہ کسی دوسرے انسانی جذبہ کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے مگر فرعون نے جو نکتہ بیان کیا تھا وہ انسانی سرشت کا ایک اہم موضوع تھا۔ پھر بھی اس نے اپنی جان بچانے کے لیے فرعون کی ہاں میں ہاں ملائی۔ اس نے کہا۔

”عالی جاہ کا اندازہ درست معلوم ہوتا ہے۔ دائیوں نے واقعی حکومتی احکامات کی خلاف ورزی کی ہوگی۔“

فرعون خوش ہو گیا کہ اس نے شر کو توال کے سامنے ایک ایسا نکتہ پیش کیا ہے جس کی اسے خبر نہ تھی۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی اور بولا۔

”شر کو توال حکومت کی حکم عدولی ناقابل برداشت ہے۔ تم تمام دائیوں کو حاضر کرو اور اگر وہ ہمیں مطمئن نہ کر سکیں تو انہیں ایک قطار میں کھڑا کر کے ان کے سر قلم کر دیئے جائیں۔“

”عالی جاہ کی عقل و دانش کو کون پہنچ سکتا ہے۔“ شر کو توال نے اور زیادہ چالپوسی کی۔ ”یہ دائیاں واقعی اسی قابل ہیں۔“

چنانچہ دوسرے دن دربار میں شر کی تمام دائیوں کو پیش کیا گیا دائیوں نے شر کو توال کی بہت زیادہ خوشامد کی کہ انہیں یہ تو بتایا جائے کہ ان کی دربار میں پیشی کیوں ہوئی ہے مگر شر کو توال بہت چالاک تھا اس نے آئیں بائیں شائیں کر کے بات کو بال

دیا۔

دائی کا اس قدر اعتماد سے جواب دینا فرعون کو اور زیادہ ناگوار گزرا اور اس نے چیخے ہوئے کہا۔

”فضول باتیں بنانے کی ضرورت نہیں۔ بیان کر تو اپنی کوتاہی کے لیے کیا دلیل پیش کرتی ہے؟“
دائی نے بڑے تحمل سے جواب دیا۔

”اے فرعون اعظم اور خدائے رب کے ہم نشین۔ ہم سب کو معلوم ہے کہ اسرائیلی عورتیں، مصری عورتوں سے زیادہ تندرست و توانا اور محنت کش ہوتی ہیں۔ اسرائیلی حاملہ عورتیں ہم دایوں کی مدد سے بچہ پیدا کرنا پسند نہیں کرتیں۔ وہ خود ہی بغیر کسی مدد کے اپنا بچہ پیدا کرتی ہیں اور ہمیں اس کی خبر بھی نہیں ہونے دیتیں۔ اس صورت میں جبکہ اسرائیلی عورتیں ہم سے اپنے بچے پیدا ہی نہیں کراتیں تو ہمیں کس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ کس کے میاں کب ولادت ہوئی اور اس کی جنس کیا تھی۔ امید ہے کہ فرعون اعظم ہماری مجبوری کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمیں معاف فرمائیں گے۔“

پورے دربار پر سناٹا چھا گیا۔ فرعون خود بھی دائی کی اس دلیل کو رونہ کر سکا۔ مصر میں چونکہ مصری حاکم تھے اس لیے ان کی عورتیں عیش و آرام کی زندگی گزارتی تھیں برخلاف اسرائیلی عورتوں کے جو محکوم ہونے کی وجہ سے گھر کا کام کرنے کے بعد باہر جا کر بھی محنت مزدوری کرتی تھیں تاکہ ان کے گھر کا خرچ چل سکے۔ چنانچہ فرعون نے دائی کی دلیل کے پیش نظر تمام دایوں کو معاف کر دیا اور وہ سب خوشی خوشی فرعون اور اس دائی کو دعائیں دیتی ہوئی اپنے اپنے گھروں کو واپس چلی گئیں۔

مختصر یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصر میں پیدا ہونا تھی اور انہیں نبی بھی ہوتا تھا۔ اس لیے اس کے انتظامات قدرت کی طرف سے خود بخود ہونا شروع ہو گئے چنانچہ عمران کے گھر جن کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا، ایک رات ایک خوبصورت اور تندرست و توانا بچہ پیدا ہوا۔ یہی بچہ آگے چل کر موسیٰ علیہ السلام کے نام سے جانا اور پہچانا گیا اور فرعون مصر جیسے قاہر اور ظالم کے مقابلہ پر خم ٹھونک کے کھڑا ہوا۔

لیا تھا اور فرعون انہیں قدر کی نظر سے نہیں دیکھتا تھا مگر کسی سردار کی ہمت نہ ہٹا کہ وہ دایوں کی سفارش کرے۔

مشہور ہے کہ جب موت سامنے آ جائے اور بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہ جائے تو انسان بہادر ہو جاتا ہے اور اپنے دفاع کی پوری کوشش کرتا ہے ان میں ایک دائی جو دوسروں کی بہ نسبت جوان تھی۔ اس نے چیخ کے کہا۔

”فرعون اعظم کی یہ بے انصافی ہے کہ انہوں نے ہمیں صفائی کا موقعہ دیئے بغیر موت کا حکم صادر کر دیا۔ یہ سراسر ظلم ہے خداوند راع کے بندوں کے ساتھ زیادہ ہے اور قانون کے خلاف حکم ہے۔“

فرعون کے بعض سرداروں نے دائی کے اس بیان کو توجہ سے سنا اور انہیں بھی یہ محسوس ہوا کہ فرعون واقعی اس وقت ظلم کر رہا ہے۔ اسے کم از کم دایوں جواب تو سن لینا چاہیے تھا۔ چنانچہ انہوں نے گردنیں اٹھا اٹھا کر فرعون کی طرف دُعا شروع کیا کہ شاید فرعون اپنے حکم میں کوئی ترمیم، منسوخ کرے۔

فرعون اگر مطلق العنان شہنشاہ اور خدائی کا بھی دعویدار تھا مگر اس نے اس سرداروں میں بے چینی اور بے یقینی کی کیفیت دیکھی تو وہ بھی گھبرا گیا۔ اس اعتراض کرنے والی دائی کو اشارہ سے اپنے قریب بلایا اور اس سے کہا۔

”کیا تجھے یقین ہے کہ تو اپنی کوتاہی کی کوئی ایسی دلیل پیش کر سکے گی جس ہم مطمئن ہو جائیں اور تو قتل سے بچ جائے؟“

”بے شک میں خدائے رب عیسیٰ کے سامنے ایسی دلیل پیش کروں گی جس کے انہیں اپنا حکم بدلنا پڑے گا۔“ دائی نے کچھ ایسے پر یقین لہجے میں کہا کہ والے حیران رہ گئے۔ خدائے رب عیسیٰ اس فرعون کا نام جس نے بنی اسرائیل بہت تنگ کیا تھا مگر یہ وہ فرعون نہیں ہے جو حضرت موسیٰ کا تعاقب کرتے ہوئے دریائے نیل میں غرق ہو گیا تھا۔ وہ اس رب عیسیٰ کا بیٹا، فرعون مفتاح تھا۔ موسیٰ کی مصر سے روانگی کے وقت رب عیسیٰ مرچکا تھا اور اس کا بیٹا مفتاح تھا۔ اقتدار تھا۔

پپ بنانے کے لیے مسخ کیا جاتا ہے حالانکہ یہ خیال نہ صرف غلط ہے بلکہ حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ تاریخ دراصل افسانے اور کہانی سے بدرجہا دلچسپ ہے بشرطیکہ اسے سلیقے سے لکھا اور پیش کیا جائے۔ دوسری کہانیوں سے قطع نظر اگر ہم صرف ذاتی کہانیوں پر نظر دوڑائیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حقیقی کہانیاں اس انداز سے سنائی ہیں کہ ان کی دلچسپی پر عیش عیش کرنے کو دل چاہتا ہے۔

قصہ یوسفؑ زلیخا ہو یا سلیمانؑ بلقیس سبا یا پھر یہ قصہ موسیٰؑ اور فرعون کا۔ اس کی ہر کہانی اور ہر قصہ سو فیصد سچا ہے اور دلچسپ اس قدر کہ ایک بار آپ شروع کیجئے تو بغیر ختم کئے نہ اٹھ سکیں گے۔ راقم الحروف نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ تمام قرآنی کہانیوں میں قرآن حکیم میں لکھے ہوئے واقعات اور مکالموں کو سمویا جائے اب دیکھئے کہ کلام اللہ نے فرعون اور حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ کا قصہ کس انداز سے شروع کیا ہے۔

جناب عمران اور بی بی یوکابد خوف و دہشت کے عالم میں گزشتہ دو ہفتوں سے جلتا تھے۔ بی بی یوکابد کو نواں مہینہ شروع ہو چکا تھا اور بچے کی پیدائش کسی وقت بھی متوقع تھی۔ عمران نے اپنے طور پر بہت احتیاط برتی تھی۔ سوائے پاس پڑوس کے دو چار عورتوں کو کسی اور کو یہ خبر ہی نہ تھی کہ عمران کے گھر ولادت متوقع ہے۔ مگر یوکابد اور عمران کا یہ حال تھا کہ وہ ایک نذیرہ خطرہ کی آمد سے انتہائی خوفزدہ تھے۔ انہیں ہر وقت یہ خیال ستاتا رہتا تھا کہ اگر لڑکا پیدا ہوا تو اسے گھر میں کس طرح پوشیدہ رکھا جائے گا اور آنے جانے والوں کی نظروں سے اسے کیسے چھپایا جاسکے گا۔

آخر وہ دن بھی آگیا کہ بی بی یوکابد نے ایک خوبصورت لڑکے کو جنم دیا۔ والدین کے لیے اس بچے کی آمد کسی مصیبت کا پیش خیمہ بن سکتا تھا مگر اصل میں یہ بچہ والدین کے لیے نہایت مبارک ثابت ہوا کیونکہ نومولود کو خداوند نعمت اپنا نبی اور پیغمبر بنانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ بچہ کی حفاظت اور پرداخت کا ذمہ خود قدرت نے اٹھالیا تھا مگر عمران یا یوکابد اس سے واقف نہ تھے اور دن رات ایک نا معلوم خوف سے

اس بچے کی ماں کا نام ”یوکابد“ تھا اور باپ عمران تھے جن کا شجرہ نسب چند پشتوں کے واسطے سے حضرت یعقوب علیہ السلام سے مل جاتا ہے۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے۔

عمران بن قامت بن الادی بن یعقوب۔ یہی یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے محترم والد بزرگوار ہیں جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ حضرت یوسفؑ کا خاندان مصری میں آباد ہو گیا تھا۔ حضرت یعقوب کا دوسرا نام اسرائیل تھا اس لیے یہ خاندان بنی اسرائیل کہلایا اور اسی خاندان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔

یہ وہ وقت تھا کہ شہر کو توال کے آدمی اسرائیلی آبادیوں، قصبوں اور محلوں میں سو سمجھتے پھرتے تھے کہ کسی اسرائیلی کے گھر لڑکا تو نہیں ہوا۔ ادھر بی بی ”یوکابد“ ہر وقت خوفزدہ رہتی کہ وہ پورے دنوں سے تھیں اور کسی وقت بھی ان کے یہاں ولادت ہو سکتی تھی یہ ایک فطری بات ہے کہ مظلوم ہوں یا مظلوم یا پھر کسی رعیت ہوں، ان میں آپس میں اتحاد پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ پورے مصر کے اسرائیلیوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا تھا کہ وہ پیدا ہونے والے اسرائیلی لڑکوں کو بچانے کی انتہائی کوشش کریں گے خواہ اس میں کچھ جانیں ہی کیوں نہ چلی جائیں۔

اس کا یہ اثر ہوا کہ اسرائیلیوں کی تمام حاملہ عورتیں گھروں میں چھپ کے بیٹھ گئیں اور باہر کے لوگوں کو یہ معلوم ہی نہ ہونے دیا کہ کس کے گھر کب ولادت ہوئی۔ جہاں ولادت ہوتی وہاں محلے کی چار چھ معتبر اور تجربہ کار عورتیں جمع ہو جاتیں وہ اس طرح زچہ بچہ کو سنبھالتیں کہ کسی کو کانوں کان خبر ہی نہیں ہوتی۔

حضرت موسیٰؑ کی ولادت ایسے ہی خوف و دہشت کی فضا میں ہوئی۔ ماں باپ نے ہزاروں وعائیں مانگی تھیں کہ خدا ان کے گھر لڑکی دے مگر وہاں تو حکم خداوندیؑ کہ ایک نبی کی ایسے پرہول ماحول میں پیدائش ہوگی اور اس کی پرورش بھی اس دشمنوں کے گھر ہوگی۔

ہمارے بعض نادان دوست یہ کہتے ہیں کہ تاریخی کہانیوں اور ناول میں تاریخی

آپ کو نجات دلانے کی کوشش کرے۔

ہمیں یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ کی ذات پاک کو ”صمد“ کہا جاتا ہے صمد کے معنی بے نیاز کے ہیں۔ یعنی اللہ کو آپ کی نمازوں کی ضرورت نہیں۔ آپ نماز پڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دیتا ہے لیکن یہ خیال رہے کہ اللہ کو آپ کی نماز کے پڑھنے نہ پڑھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا گویا نماز آپ اپنے فائدے اور اجر کے لیے پڑھتے ہیں۔ پھر اللہ کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ آپ کی ہر مصیبت کو دور کرتا پھرے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ ذات باری تعالیٰ غفور الرحیم ہے، غفور و درگزر کرنے والا ہے۔ وہ جس کو چاہے دے جس کو چاہے نہ دے ہم اس سے کسی قسم کا شکوہ نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس کے احسانات میں تو ہمارا بال بال جکڑا ہوا ہے۔ اس نے ہمیں اتنی نعمتوں سے نوازا ہے کہ ہم اس کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتے پھر اس سے شکوہ اور شکایت کیسی اس کی اپنی نیک بندوں پر نظر رہتی ہے اور ان کے لیے وہ جو مناسب سمجھتا ہے وہ بندوبست کر دیتا ہے اور یہ بندوبست بھی اس طور ہوتا ہے کہ جس کو وہ دیتا ہے اس کی اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔

اب رہا اولیا اللہ اور انبیائے کرام کا معاملہ تو ان کا معاملہ ہم سے مختلف ہوتا ہے وہ اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو خدا کے احکامات کے لیے وقف کر دیتے ہیں تو پھر اللہ کو بھی ان کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ یہاں موسیٰ کی پیدائش ہوتی ہے فرعون اور اس کے تمام ہرکارے موسیٰ کو گلی گلی کوچے کوچے ڈھونڈتے پھرتے ہیں پھر وہ وقت آ جاتا ہے کہ موسیٰ کے پکڑے جانے کے خطرات پیدا ہو جاتے ہیں ہم جانتے ہیں کہ ”نبی“ پیدائشی طور پر نبی ہوتا ہے۔

بس موسیٰ چونکہ پیدائشی طور پر نبی تھے پھر انہیں کون ہاتھ لگا سکتا تھا۔ ایک فرعون کی طاقت کیا اگر تمام عالم کی طاقت یکجا ہو کر موسیٰ کو گزند پہنچانے کی کوشش کرتے تو وہ بھی ناکام ہو جاتے اس لیے کہ اللہ کے نبی کی پرورش و پرواغت تو خود دست قدرت کرتا ہے اور جس کی حفاظت و دست قدرت کرے اسے کون نقصان پہنچا

لرزاں اور ترسان رہتے تھے۔

اسی خوف و وہشت کی فضا میں بچہ تین ماہ کا ہو گیا اب تک تو خیریت رہی تھی مگر اب ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا شہر کو تو ال نے اسرائیلی مخلوق میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کی گشت کا بھی انتظام کر دیا تھا اور یہ خواتین سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے وقت بے وقت بے دھڑک گھروں میں گھس آتی تھیں اور چاروں طرف نظریں دوڑا کر واپس چلی جاتی تھیں۔ خواتین کی اس گشت نے عمران اور یو کابد کا کھانا پینا حرام کر دیا تھا۔

ایک دن انتہائی پریشانی کے عالم میں یو کابد نے شوہر سے کہا۔
”عمران۔ کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ بچہ کو لے کر ہم کسی ایسی جگہ چلے جائیں جہاں اس پر کسی کی نظر نہ پڑے اور یہ ظالموں سے محفوظ رہے؟“
عمران نے ایک لمبی ٹھنڈی سانس لے کے کہا۔

”یو کابد۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تمہارا غم میرا غم نہیں یا میں اس بچہ کا باپ نہیں جس بات کا تم ذکر کر رہی ہو اس پر میں بچہ کی پیدائش کے دن سے غور کر رہا ہوں۔ مگر یہ تو سوچو ہم بھاگ کے کہاں جائیں گے مصری حکومت دور دور تک پھیلی ہوئی ہے جہاں ہم جائیں گے وہاں یہی حکومت ہو گی اور اسی طرح شہر کو تو ال کے آدمی گھر گھر گھمتے پھر رہے ہوں گے۔“

عمران نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ کہیں جانا تو دور کی بات تھی۔ گھر کے باہر نکلنا بھی دشوار ہی نہیں بلکہ موت کو دعوت دیتا تھا۔ چنانچہ دونوں میاں بیوی خاموش ہو گئے اور ان کا منہ لنگ گیا۔

یہ ایک عام بات ہے کہ جب ہم پر مصیبت پڑتی ہے تو ہم اللہ سے گڑگڑا کر گڑا کے دعا مانگتے ہیں کہ وہ ہماری دیکھیری فرمائے اور ہمیں اس مصیبت سے نجات دے۔ اللہ کے حضور میں دعا کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے مگر اس سے پہلے ہمیں سوچنا چاہیے کہ آخر ہماری مصیبت کی وجہ کیا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ مصیبت خود ہماری لائی ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں خدا کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ

ہے حضرت موسیٰ کے والد اور والدہ نہ تو نبی تھے اور نہ ولی۔ چنانچہ اللہ نے ان کے دل میں جو ہدایات پہنچائیں اسے ”القا“ کہا گیا ہے۔

یہ الفاظ جب بی بی ”یوکابد“ کے دل میں القا ہوئے تو انہوں نے اس کا ذکر اپنے شوہر عمران سے کیا عمران کو یہ سن کے بہت خوشی ہوئی اور دونوں کو یہ امید بھی بندھ گئی کہ اب اللہ تعالیٰ نے ”موسیٰ“ کی زندگی کی ذمہ داری خود سنبھال لی ہے اس لیے وہ ضرور زندہ رہیں گے۔ احکامات خداوندی کے تحت یوکابد اور عمران نے بالکل دیا تابوت نما صندوق تیار کیا جس کا حکم القا میں ہوا تھا۔ پھر انہوں نے تین ماہ کے شیر خوار موسیٰ کو اس صندوق میں لٹایا اور دریائے نیل کے کنارے پہنچے۔

”یوکابد“ نے اپنا دل مضبوط کر کے صندوق کو دریائے نیل کے پانی پر رکھا مگر ان کے سینے میں ماں کا دل تھا اور دوسری طرف شیطان ان کے دل میں طرح طرح کے دوسے پیدا کر رہا تھا۔ چنانچہ ان کے ہاتھ کانپنے لگے اور آنکھیں بھر آئیں۔ جناب عمران اور ان کی بیوی اس پریشانی میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یوکابد کے دل میں پھر القا کیا۔

”ہم اس بچہ کو تیری ہی جانب واپس کر دیں گے اور یہ ہمارا پیغمبر

اور رسول ہو گا۔“

ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ القا اور پہلا القا ایک ساتھ ہوا تھا بہر حال اس القا نے یوکابد کا دل مضبوط کر دیا اور اس نے صندوق کو سپرد خدا کتے ہوئے دریائے نیل کی لہروں میں چھوڑ دیا۔ اس بات کا خیال رہے کہ جس وقت جناب عمران اور یوکابد صندوق کو دریائے نیل کے حوالے کرنے روانہ ہوئے تھے تو ان کی بڑی بیٹی بھی ان کے ساتھ آئی تھی۔

صندوق دریائے نیل میں ہچکولے کھاتا آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ اس وقت یوکابد نے اپنی بیٹی سے کہا۔

”تم دریا کے کنارے کنارے صندوق کی سیدھ میں چلتی رہو اور دیکھو کہ صندوق پر کیا گزرتی ہے۔“

سکتا ہے۔

جب حالات موسیٰ کے والدین کے ہاتھ سے نکلنے لگے تو ان کے باپ نے خدا کے حضور دعا کی۔

”اے باری تعالیٰ ہم موسیٰ کی حفاظت نہیں کر سکتے اگر تیری مصلحت اسے زندہ رکھنا چاہتی ہے تو پھر غیب سے کوئی صورت پیدا کر۔“

موسیٰ کی ماں یوکابد نے بھی اسی طرح کی دعا کی مگر بہت مختصر الفاظ میں انہوں نے کہا۔

”اے موت و زندگی کے مالک۔ میں موسیٰ کو تیرے حوالے کرتی ہوں۔“

یہ دونوں دعائیں ایک ہونے والے نبی کے والدین کی زبان سے نکلی تھیں چنانچہ فرشتوں نے ان دعاؤں کو طشت زریں میں سنبھال کے رکھا اور اللہ پاک کے حضور وہ طشت بھجوا دیا۔ قدرت مسکرائی اور اس وقت جناب موسیٰ کی والدہ یوکابد کے دل میں یہ القا ہوا۔

”یوکابد تابوت کی طرح کا ایک صندوق بناؤ جس پر رال اور

روغن کی پالش کرو تاکہ پانی اندر اثر نہ کر سکے۔ پھر اس میں اس

بچہ کو محفوظ کر دو اور صندوق کو دریائے نیل کے بہاؤ پر چھوڑ

دو۔“

آپ وحی کے بارے میں تو جانتے ہی ہوں گے۔ وحی کے معنی وہ پیغام جو اللہ جل شانہ اپنے نبی کے پاس جبرائیل فرشتہ کے ذریعہ بھیجتا ہے یا پھر اللہ کا پیغام بغیر کسی واسطے کے نبی پر نازل ہوتا ہے نبی کے بعد اولیاء اللہ کا نمبر آتا ہے۔ اللہ پاک انہیں جو پیغام بھیجتا ہے وہ براہ راست دلی تک پہنچتا ہے اور اسے ”الہام“ کا نام دیا گیا ہے۔ نبی اور ولی کے بعد عام لوگ ہوتے ہیں اکثر ایسا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ خاص موقعوں پر عام لوگوں کو کسی خاص معاملہ میں ہدایات دیتا ہے اسے القا کا نام دیا جاتا

ہت موزوں ہے۔ وہ دودھ بھی پلائے گی اور اس ننھے کی پرورش بھی کرے گی؟“
ملکہ نے پوچھا۔

”وہ عورت کہاں رہتی ہے؟“

مریم نے بتایا۔

”ملکہ عالیہ۔ پتہ بتانے کی کیا ضرورت ہے اگر اجازت دی جائے تو میں اس عورت کو اپنے ساتھ لے کر آجاؤں۔“

ملکہ آسیہ نے مریم کو جانے کی اجازت دیدی۔

مریم خوشی خوشی گھر پہنچی۔ والدین کو تمام حالات سے آگاہ کیا اور ماں کو اپنے

ساتھ لے کر آگئی۔ کلام پاک میں اس تفصیل کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

(قرآن) ”ہم تجھے بتاتے ہیں۔ اس وقت کیا ہوا تھا جب ہم نے

تیری ماں کے دل میں بات ڈال دی تھی۔ ہم نے اسے سمجھایا تھا

کہ بچہ کو ایک صندوق میں ڈال دے۔۔۔۔۔ میں تمہیں ایسی

عورت بتا دوں جو تجھے پالے پوسے اور اس طرح ہم نے تجھے پھر

تیری ماں کی گود میں لوٹا دیا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔

(ط ع ۲)

اس طور حضرت موسیٰ نے فرعون کے محل میں پرورش پائی جس نے تمام

نواذیہ اسرائیلی لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس بچے کا نام موسیٰ رکھا۔ موسیٰ

جوان ہوئے تو بڑے قوی ہیکل اور خوبصورت تھے۔ اتفاق سے ایک مصری کی مدد

کرتے کرتے ان کے ہاتھ سے دوسرا مصری قتل ہو گیا اور یہ بات فرعون کے کانوں

تک پہنچ گئی۔

فرعون نے حکم دیا کہ موسیٰ کو گرفتار کر کے اس کے سامنے پیش کیا جائے۔

موسیٰ کے ایک مصری دوست نے دربار میں یہ حکم سنا تو بھاگ بھاگ موسیٰ کے پاس

پہنچا۔ اس نے موسیٰ سے کہا۔

موسیٰ۔ تم پر مصری کا قتل ثابت ہو چکا ہے۔ تمہاری گرفتاری کا حکم جاری ہو

بڑی بہن حسب الحکم صندوق کی سیدھ میں دریا کے کنارے کنارے چلتی رہی
پھر اس نے دیکھا کہ صندوق شاہی محل کے کنارے آگیا اور فرعون گھرانے کی ایک
عورت نے اپنے خادموں کے ذریعہ صندوق کو اٹھوا لیا اور اسے محل کے اندر لے
گئی۔ حضرت موسیٰ کی بہن نے یہ دیکھا تو وہ خوش ہوئی اور خدا کا شکر بجالائی۔

اس نے گھر واپس جانے کے بجائے یہ ضروری سمجھا کہ وہ موسیٰ کا حال معلوم
کرنے کے لیے کسی طرح شاہی محل میں داخل ہو جائے۔ پس اس نے محل کے
داروغہ سے مل کر اپنے لئے کنیز کی نوکری حاصل کر لی اور کنیزوں میں شامل ہو کے
شاہی محل میں داخل ہو گئی۔

قرآن حکیم کے مطابق دریا سے صندوق اٹھوانے کا حکم دینے والی عورت کو
فرعون کی بیوی آسیہ ہیں۔ جبکہ توریت نے اس عورت کو فرعون کی بیٹی کہا ہے بہر حال
جب محل کے اندر لے جا کر صندوق کو کھولا گیا تو اس میں ایک خوبصورت بچہ اپنا
انگوٹھا چوستا دکھائی دیا۔ فرعون کی بیوی نے بچہ کو دیکھا تو ایسی خوش ہوئی کہ اس نے
اسے پیار کر لیا۔

اس وقت کنیزوں میں سے ایک نے خبردار کیا۔

”ملکہ عالیہ یہ بچہ تو اسرائیلی معلوم ہوتا ہے۔ اس کا قتل کر دینا ضروری ہے۔“

فرعون بھی وہاں موجود تھا۔ کنیز کی یاد دہانی پر وہ بھی چونک پڑا۔ اس کی بیوی

آسیہ نے شوہر کے بگڑتے ہوئے تیور دیکھے تو بولی۔

”ایسے پیارے بچے کو قتل نہ کراؤ۔ کیا عجب یہ بچہ میری اور تمہاری آنکھوں

کی ٹھنڈک بنے اور ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں۔“

فرعون نے بیوی کی بات مان لی اور بچہ کے قتل سے باز رہا۔ اب سوال یہ پیدا

ہوا کہ بچہ کو دودھ کون پلائے گا۔ پس کئی عورتوں نے موسیٰ کو دودھ پلانے کی کوشش

کی مگر انہوں نے کسی کے سینہ سے دودھ نہیں پیا۔ موسیٰ کی بہن مریم نے یہ رنگ

دیکھا تو ملکہ سے عرض کیا۔

”ملکہ عالم اگر حکم ہو تو میں ایک ایسی دایہ کا پتہ بتاؤں جو اس خدمت کے لیے

بیان کیا اس سے احوال کہا۔ مت ڈر تو اس قوم بے انصاف سے۔

(سورہ قصص ع ۳)

یہاں پر اس بات کو سمجھ لیجئے کہ لڑکیاں، ان آدمیوں کی وجہ سے الگ دہلی کھڑی تھیں۔ حضرت موسیٰ نے ان آدمیوں کو پانی سے ہٹا کر لڑکیوں کی بکریوں کو پانی پلا دیا۔ لڑکیوں نے واپس جا کر اپنے باپ کو تمام باتیں بتائیں تو باپ کو انہیں اپنے پاس بلوایا۔ لڑکیوں نے باپ سے موسیٰ کی بہادری کی تعریف کی اور اسے اجرت پر ملازم رکھنے کی سفارش کی۔ جیسا کہ قرآن نے فرمایا۔

بولی ان دونوں میں سے ایک اے باپ اس کو نوکر رکھ لے البتہ بہتر نوکر جس کو تو نوکر رکھنا چاہے وہ ہے جو زور آور ہو امانت دار ہو۔ کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ بیاہ دوں تجھ کو ایک بیٹی اپنی ان دونوں میں سے اس شرط پر کہ تو نوکری کرے آٹھ سال میری پھر اگر پورے کر دے دس برس تو تیری طرف سے ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر تکلیف ڈالوں تو پائے گا مجھ کو اگر اللہ نے چاہا نیک بختوں سے۔ بولا یہ وعدہ ہو چکا میرے اور تیرے بیچ جو میں مدت دونوں میں سے پوری کروں سو زیادتی نہ ہو مجھ پر اور اللہ پر بھروسہ ہے اس چیز کا جو ہم کہتے ہیں۔

(قصص ع ۳)

پھر تو نے مدین میں چند سال قیام کیا پھر تو اے موسیٰ مقررہ انداز پر پورا اترا اور میں نے تجھ کو اپنے لیے اپنے خاص کام کے لیے بنایا ہے۔

(ط ع ۱)

اس مقام پر لڑکیوں کے باپ کا نام کلام اللہ میں موجود نہیں۔ مفسرین کا خیال ہے کہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام ہیں۔ لڑکیوں نے گھر جا کر باپ سے جس انداز

کیا ہے ”قرآن نے اسے یوں بیان کیا ہے۔“

(قرآن) اے موسیٰ۔ دربار والے مشورہ کرتے ہیں تیرے متعلق کہ تجھ کو مار ڈالیں۔ سو نکل جا۔ میں تیرا بھلا چاہنے والا ہوں۔ پھر نکلا وہاں سے ڈرتا ہوا۔ راہ دیکھتا۔ بولا۔ اے خدا بچا لے مجھے اس قوم نا انصاف سے۔ اور تو نے ایک شخص کو مار ڈالا پھر ہم نے تجھ کو غم سے نجات دی اور جانچا تجھ کو معمولی طریقے سے۔“

حضرت موسیٰ وہاں سے بھاگ کے مدین پہنچے۔ حضرت موسیٰ کے آگے کے تہذبات قرآن حکیم میں بڑی ترتیب سے درج ہیں۔ کلام الہی سننے اور اسلوب کی داد دیجئے۔ مدین کے ایک کنوئیں پر پانی کے لیے مردوں کی بھیڑ لگی تھی اور ایک طرف لڑکیاں کھڑی تھیں اور مردوں کے جانے کا انتظار کر رہی تھیں۔ جیسا کہ قرآن عکبر نے ارشاد فرمایا۔

(قرآن) اور جب منہ کیا مدین کی سیدھ پر، بولا امید ہے میرا رب لے جائے مجھ کو سیدھی راہ پر۔ جب پہنچا مدین کے پانی پر۔ پایا وہاں پر ایک جماعت لوگوں کی پانی پلاتے ہوئے اور پایا ان سے کچھ فاصلہ پر دو عورتوں کو کہ روکے ہوئے کھڑی تھیں اپنی بکریاں۔ بولا۔ تمہارا کیا حال ہے۔ بولیں ہم نہیں پلاتے پانی جب تک چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلا کر نہیں لے جاتے اور ہمارا باپ بوڑھا ہے بڑی عمر کا۔ پھر اس نے پانی پلا دیا پانی اس کے (عورتوں) جانوروں کو۔ پھر ہٹ آیا چھاؤں کی طرف پھر بولا۔ اے رب تو اتارے جو چیز میری طرف اچھی میں اس کا محتاج ہوں۔ پھر آئی اس کے پاس دونوں میں سے ایک چلتی تھی شرم سے۔ میرا باپ تجھ کو بلاتا ہے کہ دیوے حق اس کا کہ تو نے پانی پلا دیا ہمارے جانوروں کو پھر جب پہنچا اس کے پاس اور

اپنی رسالت کے لیے جن لیا ہے پس جو کچھ وحی کی جاتی ہے
اسے کان لگا کے سن۔

(ط ع ۱)

موسیٰ علیہ السلام کی جوتیاں مردہ گدھے کی کھال سے بنی تھیں
اس لیے پاک نہ تھیں۔

(حدیث)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت حاصل ہوئی تو انہیں حکم دیا گیا کہ وہ مصر
واپس جائیں اور وہاں فرعون کے ظلم و ستم سے بنی اسرائیل کو نجات دلائیں۔ ارشاد
خداوندی کے تحت موسیٰ بیوی کے پاس واپس آئے اور انہیں لے کر مصر کی طرف
روانہ ہوئے۔

اس وقت حضرت موسیٰ نے خدا تعالیٰ سے درخواست کی کہ چونکہ ان کی زبان
میں لکنت ہے اس لیے ان کے بڑے بھائی ہارون کو ان کا ساتھی بنا دے۔ خدا نے
موسیٰ کی درخواست پر ان کے بھائی ہارون (بڑے بھائی تھے اور مصر میں تھے) کو بھی
نبوت کے عہدے پر سرفراز کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام رات کے وقت مصر میں داخل ہوئے اور اپنے گھر
پہنچے۔ کوئی انہیں پہچان نہیں پایا مگر جب ہارون آئے تو وہ چونکہ نبوت پر فائز ہو چکے
تھے اس لیے انہوں نے موسیٰ کو فوراً پہچان لیا۔ اب دونوں بھائیوں نے دربار فرعون
بل جانے کا فیصلہ کیا یہاں یہ بات کہنے سے رہ گئی ہے کہ جب خدا نے موسیٰ کو حکم
یا تھا کہ مصر جا کے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دلائیں تو حضرت موسیٰ نے
انہیں کیا تھا کہ فرعون بڑا ظالم ہے اس لیے اس کے مقابلہ کے لیے خدا تعالیٰ انہیں
میں طاقت عطا کرے جس کے سامنے فرعون بے بس ہو جائے

حضرت موسیٰ کی اس درخواست کو بھی اللہ پاک نے قبول کر لیا اور انہیں دو
بھڑے عطا فرمائے تھے۔ پہلا معجزہ یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ کے ہاتھ میں جو بکریاں
رانے کا عصا (ڈنڈا) رہتا تھا اسے خدا نے اپنی قدرت سے موسیٰ کے لیے اڑا دیا

سے موسیٰ کی تعریف کی ہو گی اس سے باپ نے جن کے بارے میں خیال ہے کہ وہ
بغیر تھے کیا کچھ اندازہ نہ لگا لیا ہو گا اور اس کا اثر تھا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ کو
اپنی فرزندگی میں قبول کیا۔

آٹھ یا دس سال حضرت شعیب کی خدمت گزاری کے بعد جناب موسیٰ اپنی
بیوی (جن کا نام صفورہ لکھا گیا ہے) اور بکریوں کے ایک ریوڑ کے ساتھ مدین سے
روانہ ہوئے۔ اسی سفر میں حضرت موسیٰ جب ”وادی مقدس“ میں پہنچے تو انہیں حکم ملا
کہ تم مصر واپس جاؤ اور قوم بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے نجات دلاؤ۔

قرآن حکیم میں اس کا تذکرہ اس طرح ہے۔

(قرآن) پھر موسیٰ نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم یہاں ٹھہرو۔ میں
نے آگ دیکھی ہے شاید اس میں سے کوئی چنگاری تمہارے لئے
لا سکوں یا وہاں الاؤ پر کسی رہبر کو پاسکوں۔

(ط ع ۱)

اس وقت حضرت موسیٰ کوہ سینا کی وادی المین میں تھے۔ سخت سردی ہو رہی
تھی اور چتھماق تک کام نہ کر رہا تھا۔ حضرت موسیٰ نے نظر دوڑائی تو وادی میں ایک
جگہ شعلہ نظر آیا مگر جب موسیٰ اس شعلہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ عجیب
طرح کی آگ تھی۔ درخت پر روشنی نظر آتی تھی مگر درخت جلتا تھا اور نہ آگ بجھتی
تھی۔ حضرت موسیٰ جوں جوں آگے بڑھتے گئے ان سے دور ہوتی جاتی یہ ماجرہ دیکھ کر
حضرت موسیٰ خوف زدہ ہو گئے اور پلٹنے کا ارادہ کیا تو آگ قریب آگئی اور صدائے
رہی بلند ہوئی۔

اے موسیٰ میں ہوں میں اللہ پروردگار جانوں کا۔

(قصص)

پس جب موسیٰ اس آگ کے قریب آئے تو پکارے گئے۔

اے موسیٰ۔ میں ہوں تیرا پروردگار۔ پس اپنی جوتی اتار
دے تو طوبیٰ کی مقدس وادی میں کھڑا ہے اور دیکھ میں نے تجھے

(قرآن) پس موسیٰ علیہ السلام نے حکم خداوندی پر عمل کیا اور اپنی لاشی زمین پر پھینکی۔ لاشی نے زمین پر گرتے ہی تمام جادو کی نمائشی چیزوں کو ٹگنا شروع کر دیا۔
 پس حق قائم اور باطن فنا ہوا۔

اب فرعون کو یہ فکر ہوئی کہ کہیں اس کی رعایا اس کے خلاف بغاوت کر کے موسیٰ کو اپنا بادشاہ نہ بنا لے۔ اس لیے اس نے طے کیا کہ موسیٰ کو قتل کر دیا جائے تو یہ جگہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔ انہوں نے یہ طے تو کر لیا مگر اس پر عمل کرتے ٹھہراتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے یہ حکم دیا کہ بنی اسرائیل کی نسل کشی پر سختی سے عمل کیا جائے اور ان کی اولاد نرینہ کو قتل کر دیا جائے۔ اس حکم پر سختی سے عمل شروع ہوا اور روزانہ دو چار نوزائیدہ اسرائیلی لڑکے قتل کئے جانے لگے۔

فرعون نے حضرت موسیٰ کو ذلیل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی اختیار کیا کہ اس نے مصریوں سے کہا کہ موسیٰ جھوٹ بولتا ہے کہ میرے سوا اس کا کوئی اور خدا ہے۔ اگر اس کا کوئی اور خدا ہے تو وہ موسیٰ کے ہاتھ میں اس طرح کے کنگن کیوں نہیں بناتا جیسے میرے ہاتھوں میں ہیں اور اس کو سجدہ کرنے کے لیے میری جیسی فوج کہاں ہے۔

فرعون کی ان فضول باتوں پر غضب خداوندی جلال میں آگیا اور بنی اسرائیل ہر طرح کی آفتیں نازل ہونے لگیں لطف کی بات یہ تھی جب بنی اسرائیل پر کوئی مصیبت نازل ہوتی تو وہ حضرت موسیٰ کے پاس آ کے کہتے کہ آپ اس آفت کو دفع کر دیجئے تو ہم آپ کو نبی اور آپ کے خدا کو اپنا خدا مان لیں گے مگر جب حضرت موسیٰ اللہ سے دعا کر کے مصیبت دور کرا دیئے تو وہ پھر فرعون کو خدا ماننے لگتے۔

پس جب فرعون اور اس کی قوم خدا کو مسلسل جھٹلاتی رہی تو اللہ نے موسیٰ کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لے جائیں اور اپنے باپ دادا کی کرائین (فلسطین) میں جا کے آباد ہو جائیں ادھر جاسوسوں نے فرعون کو اطلاع دی کہ بنی اسرائیل شہروں کو خالی کر گئے ہیں اور وہ جمع ہو کر کسی اور طرف جانا چاہتے ہیں۔

فرعون یہ خبر پاتے ہی ایک زبردست لشکر کے ساتھ ان کے تعاقب میں روانہ

سانپ بنا دیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام اسے زمین پر پھینکتے تو وہ سانپ بن جاتا تھا۔ دوسرا معجزہ انہیں یہ دیا گیا کہ جب وہ اپنا ہاتھ بغل میں ڈال کر باہر نکالتے تو وہ چمکنے لگتا تھا اور اس سے دور دور تک روشنی پھیل جاتی تھی۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام فرعون کے دربار میں پہنچے۔ حضرت موسیٰ نے فرعون کو ”خداے واحد“ کا سبق دیا تو وہ ہنسنے لگا اور کہا کہ وہ تو خود خدا ہے۔ اگر تو خدا ہے تو کوئی معجزہ دکھا۔ حضرت موسیٰ نے عصا کو پھینک کر سانپ بنایا پھر بغل میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ چمک رہا تھا۔

فرعون اگرچہ یہ کرامات دیکھ کر گھبرا گیا مگر اس نے کہا یہ جادو ہے پھر اس نے موسیٰ کو جادو گروں سے مقابلہ کرنے کی دعوت دی جو موسیٰ علیہ السلام نے قبول کر لی۔ فرعون نے مقابلہ کے لیے نو روز کا دن مقرر کیا اور تمام بڑے بڑے سرداروں اور معززین کو اس مقابلہ کے دیکھنے کی دعوت دی۔

اس مقابلہ کو دیکھنے کے لیے بڑی خلقت اکٹھا ہوئی اس دلچسپ حیرت انگیز اور عبرت انگیز مقابلہ کا حال آپ قرآن کی زبان سے سنئے (قرآن) :-

جادو گروں نے کہا اے موسیٰ تم پہلے اپنی لاشی پھینکو یا ہماری طرف سے پہل ہو۔ موسیٰ نے کہا نہیں۔ تم ہی پہلے پھینکو۔ چنانچہ انہوں نے اپنا کرتب دکھایا اور اچانک موسیٰ کو ان کے جادو کی وجہ سے ایسا دکھائی دیا کہ ان کی رسیاں اور لاشیاں سانپ کی طرح دوڑ رہی ہوں۔ موسیٰ نے دل میں ہراس محسوس کیا ہم نے کہا اندیشہ نہ کر غالب تو ہی ہو گا تیرے دائیں ہاتھ میں جو لاشی ہے وہ فوراً پھینک دے۔ جادو گروں کی تمام ہتھکڑیاں چیزیں ٹگل جائے گی انہوں نے جو کچھ کیا ہے محض جادو گروں کا فریب ہے اور جادو گر کسی راہ سے آئے کبھی کامیابی نہیں پا سکتا۔

سے ایک قلم غافل رہتے ہیں۔

(سورہ یونس ع ۹)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو بحر قلزم کے اس پار لے گئے تھے۔ (واللہ اعلم) یہ عبرت ناک انجام تھا اس فرعون کا جس کو ہم نے ایلین مصر کا نام دیا ہے۔

جدید تحقیق کے مطابق فرعون منفتح کی لاش سمندر سے ۱۹۰۴ء میں برآمد ہوئی اور اس وقت وہ جہیزہ کے عجائب خانہ میں رکھی ہوئی ہے اس طرح کلام پاک کی وہ بات سچ ثابت ہوئی کہ ہم اس کی لاش کو آنے والوں کے لیے نشانی کے طور پر محفوظ رکھیں گے۔

ہو گیا۔ دوسری طرف بنی اسرائیل نے رات بھر سفر کرنے کے بعد جب صبح کو بلند دیکھا تو فرعون اور اس کے لشکر کو سر پر پایا۔ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو تسلی دی کہ فکر نہ کرو خدا انہیں اپنے وعدے کے مطابق ضرور نجات دے گا۔

یہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت فرعون رعمیس دوم برسر اقتدار تھا۔ اس نے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کروینے کا حکم دیا تھا مگر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا کے حکم سے اپنی قوم کو مصر سے لے کر چلے اس وقت رعمیس دوم مرچکا تھا اور اس کا بیٹا فرعون منفتح برسر اقتدار اور وہی اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کر رہا تھا۔

اس تعاقب کا یا یوں کہئے کہ فرعون کا کیا انجام ہوا اس کا حال بھی آپ قرآن کی زبان میں ملاحظہ فرمائیں :-

(قرآن) اور پھر ایسا ہوا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا (یہاں سمندر سے مراد دریائے نیل ہے جس کے درمیان حکم خداوندی سے خشک راستہ بن گیا تھا اور حضرت موسیٰ اپنی قوم کو بے خطر نکال لے گئے تھے مگر جب فرعون نے دریا پار کرنا چاہا تو وہ خشک راستہ غائب ہو گیا) یہ دیکھ کر فرعون اور اس کے لشکر نے پیچھا کیا۔ مقصد یہ تھا کہ ظلم اور شرارت کریں۔ لیکن جب حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ فرعون سمندر میں غرق ہونے لگا تو اس وقت پکار اٹھا۔ ”میں یقین کرتا ہوں کہ اس ہستی کے سوا اور کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں اور میں بھی اس کے فرمانبرداروں میں حساس ہوں۔ (ہم نے کہا) ہاں اب تو ایمان لایا حالانکہ پہلے برابر نافرمانی کرتا رہا۔۔۔۔۔ پس ہم آج ایسا کریں گے کہ تیرے جسم کو (سمندر کی موجوں سے بچا لیں گے) ان لوگوں کے لیے جو تیرے بعد آنے والے ہیں (نشانی کے طور پر) اور اکثر انسان ایسے ہیں جو ہماری نشانیوں کی طرف

نہیں کرتے؟“ بی بی ہتیش نے دوسری دلیل پیش کی۔
حضرت داؤد نے بی بی ہتیش کی اس رائے سے بھی اتفاق کیا تو وہ بولیں۔ ”آپ
کو یاد ہو گا کہ جب میرا سلیمان پیدا ہوا تھا تو تائن نبی نے آپ کو خوشخبری سنائی تھی
کہ یہ بچہ، اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے؟“

”مجھے اس سے بھی انکار نہیں۔“ حضرت داؤد نے سنجیدہ لہجے میں فرمایا۔
”تو پھر آپ کو یہ بھی یاد ہو گا کہ تائن نبی نے یہ بھی کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس
بچے کا نام، یدبداہ، تجویز فرمایا ہے۔“ بی بی ہتیش دلیلوں پر دلیس دے کر حضرت
داؤد کو رنج کرنا چاہتی تھیں تاکہ وہ صاف الفاظ میں سلیمان کی ولی عہدی کا اعلان کر
دیں۔

حضرت داؤد نے انہیں سنبھالتے ہوئے کہا۔ ”ہتیش، ہمارا سلیمان سب سے زیادہ
ذہن و بصورت، دلیر اور منصف مزاج ہے۔ مجھے اس سے محبت بھی زیادہ ہے لیکن یہ ایک
ملکی اور انتظامی معاملہ ہے۔ مجھے اور بھی بہت سی باتیں دیکھنا ہیں۔ سلیمان کے بہت
سے بھائی ہیں میں چاہتا ہوں، کسی کی حق تلفی نہ ہو۔“
بی بی ہتیش بڑی عاقلہ تھیں۔ فوراً بولیں۔ ”تخت و تاج کا وارث ہمیشہ وہی ہوتا
ہے جس میں دوسروں کی نسبت زیادہ خوبیاں موجود ہوں جسے زیادہ لوگ پسند کرتے
ہوں اور پھر آپ کے فیصلے سے کون انکار کر سکتا ہے؟“
”ہتیش! ضد نہ کرو۔“ حضرت داؤد نے پھر سمجھاتے ہوئے کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ
ہمیں اپنی محبت کی وجہ سے سلیمان کی خامیاں نہ نظر آتی ہوں۔ اس کے لئے
کراروں سے مشورے کی ضرورت ہے۔ سلیمان کے دوسرے بھائیوں کے حق پر بھی
غور کرنا ہے۔“

مورخین نے بی بی ہتیش کا نام کئی طریقوں سے لکھا ہے۔ کسی نے بابتبا لکھا ہے
ذکیس بائس اور بنت سبع درج ہے۔ بی بی ہتیش سے حضرت داؤد نے بیت المقدس
(یروشلم) میں پہنچ کر عقد کیا تھا۔ حضرت داؤد کی دوسری خاص بیگمات کے نام اخنوعم،
نگہ، ابی طال، حنی اور عجلتہ ہیں۔ بعض تاریخوں میں ایک اور بیوی کا ذکر ملتا ہے جن

سلیمان بلیقین سبا

بی بی ہتیش نے حضرت داؤد سے فرمایا۔ ”آپ مجھ سے وعدہ کیجئے کہ تخت و تاج
کا وارث اور بنی اسرائیل کا آئندہ بادشاہ، میرا بیٹا سلیمان ہو گا۔“
حضرت داؤد علیہ السلام اپنی چیمپی بیوی کی بات پر چونک پڑے، پھر نرمی سے
بولے۔ ”ہتیش! مجھے بھی سلیمان سب بیٹوں سے زیادہ عزیز ہے اور میری بھی بچی
خواہش ہے کہ میرے بعد سلیمان بنی اسرائیل کی شہنشاہی کی باگ دوڑ سنبھالے
لیکن۔۔۔۔۔“
بی بی ہتیش نے شوہر کی بات کاٹ دی اور ذرا شوخی اور سختی سے کہا۔ ”لیکن
ویکن کچھ نہیں، آپ دو ٹوک فیصلہ کیجئے۔ کیا آپ کے تمام بیٹوں میں سلیمان سب سے
زیادہ عقلمند اور دلیر نہیں؟“

”ضرور ہے۔ میں انکار تو نہیں کرتا۔“ حضرت داؤد نے ہتیش کی بات کی تصدیق
کی۔
”کیا وہ سب سے زیادہ انصاف پسند نہیں اور کیا آپ اس کے فیصلوں کو پسند

نکاح کیا تھا۔ روایت ہے کہ بی بی ہشمت کے ساتھ آپ نے خواہش نفسانی کے
نکاح کیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ناراض ہو گیا اور حضرت داؤد پر عتاب نازل فرمایا۔
حضرت داؤد نے بڑی توبہ استغفار کی جب جا کے آپ کو معافی ملی۔ ہشمت
بیگمات سے زیادہ خوبصورت اور عقلمند تھیں۔ اس لئے حضرت داؤد کی سب سے بڑی
چیمٹی بیوی تھیں۔ چونکہ آپ پر ان کے سلسلے میں ایک بار عتاب نازل ہو چکا تھا
یہ تمام باتیں ایسی تھیں جن کو ذہن میں رکھتے ہوئے حضرت داؤد نے سلیمانؑ کو
ہی عہد تو کر لیا لیکن اس کا اعلان نہیں کیا۔ وہ اس سلسلے میں خدا سے رہنمائی کے
خواہش مند تھے اور چاہتے تھے کہ کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے جس سے سلیمانؑ کی
برزی تمام بھائیوں پر ثابت ہو جائے۔۔۔۔۔ اور عوام بھی سلیمانؑ کو سب سے
افضل مان لیں۔

بی بی ہشع نے بڑی کوشش کی۔ طرح طرح کی دلیلیں دیں۔۔۔۔۔ خفا بھی، امرار اور بڑھا کہ سلیمانؑ کو ولی عہد بنانے کا اعلان کر دیا جائے تاکہ بعد میں ہنگامہ نہ لگس لیکن اس شب حضرت داؤد نے سلیمان کو ولی عہد بنانے کا وعدہ نہیں کیا بلکہ کھڑا ہو۔ حضرت داؤد اسی تردد میں تھے۔۔۔۔۔ کہ دریائے رحمت جوش میں آیا۔ عورت کو جب کسی بات کی دھن لگ جائے تو وہ اس میں کامیابی حاصل کر کے چھوڑا۔ ارشاد اعلیٰ پر حضرت جبرائیلؑ کو حکم ہوا کہ اے جبرائیلؑ جاؤ اور میرے نیک بندے کی ہے۔ بی بی ہشع، حضرت داؤد پر برابر زور دیتی رہیں کہ وہ سلیمانؑ کو ولی عہد بنادیں۔ شکل آسان کر دو۔

انصار، سلیمان سے ہوتا رہتا تھا۔ آخر حضرت داؤد نے کچھ بیوی کی خد سے مجبور کر، کچھ سلیمان کی غیر معمولی باتوں اور ذہانت سے مجبور ہو کر سلیمان کو ولی عہد بنانے فرمایا۔

کا وعدہ فرمایا۔
حضرت داؤد نے وعدہ تو فرمایا لیکن ول میں ڈرتے رہے کہ ان کا یہ فعل کہیں خدا کی مرضی کے خلاف نہ ہو اور پھر وہ کسی بلا میں گرفتار ہو جائیں۔ وہ دوسرے بیٹوں کی طرف سے بھی متفکر تھے۔ سلیمانؑ عقل و دانش اور شجاعت و سیاست میں ہرچند کہ

طرف بڑھا دیا۔

پیدا ہوا تھا۔ حضرت داؤد کے وہ بیٹے۔۔۔۔۔ جو بیت المقدس میں آ کے پیدا ہوئے، ان میں شمع، سوباب، تاش، سلیمان، ہماز، الیو، نفع، نفع، امداع اور ایلفظ۔ ان کے کئی بیٹیاں بھی تھیں۔ حیمت کا بیٹا اودنیاہ سب سے زیادہ فتنہ پرور اور بادی تھا۔ وہ سلیمان کا جانی دشمن تھا کیونکہ حضرت داؤد سلیمان کو سب سے زیادہ پسند کرتے تھے۔

حضرت داؤد نے صندوقچہ حضرت جبرائیلؑ سے لے کر آنکھوں سے لگا لیا اور اسے کئی بوسے دیئے۔ پھر پوچھا۔
”اے مکیں عالم بالا! اس کے اندر کیا ہے اور اس حقیر و گنہگار کے لئے خالق جہاں کا کیا حکم ہے؟“

جب دربار لگ گیا اور تمام لوگ آ گئے تو حضرت داؤد دربار میں تشریف لائے۔ ان کے ساتھ حضرت جبرائیلؑ بھی تھے۔ حضرت جبرائیلؑ سوائے حضرت داؤد کے اور کسی کو نظر نہ آ رہے تھے۔ وہ حضرت جبرائیلؑ کی ہدایت پر عمل کر رہے تھے کیونکہ یہ بات دراصل احکام الہی تھے جو حضرت داؤد کو حضرت جبرائیلؑ کے ذریعے پہنچائے جا رہے تھے۔

حضرت جبرائیلؑ بولے۔ ”حکم باری ہے کہ آپ اپنے تمام بیٹوں کو بلا لیں۔ رؤسائے سلطنت اور اراکین سلطنت کو بھی حاضری کا حکم دیں پھر اس صندوقچے کے سامنے رکھ کر ہر لڑکے سے باری باری سوال کریں کہ وہ بتائیں، اس صندوقچے میں کیا ہے۔ آپ کا جو لڑکا اس صندوقچے کے مضمرات سے پردہ اٹھائے اور اس میں موجود چیزوں کی تفصیل اور اثرات بیان کرے، وہی نبی اسرائیل کا بادشاہ اور خدا کا برگزیدہ نبی ہو گا۔“

حضرت داؤد نے تمام اہل دربار اور اپنے بیٹوں پر نظر ڈالی اور فرمایا۔ ”اے رے بیٹو اور درباریو! میں اب عمر کے اس حصے میں پہنچ چکا ہوں کہ کسی وقت بھی حق حقیقی سے مل سکتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں اس عظیم سلطنت اور اپنی اسرائیل کا وارث مقرر کر دوں۔ میرے تمام بیٹے یہاں موجود ہیں اور بحیثیت آپ کے میری نظروں میں سب برابر ہیں۔ اس لئے یہ مشکل کہ میں کسی ایک کو اپنا اعمد نامزد کروں۔“

یہ سنتے ہی حضرت داؤد پھر سجدے میں گر پڑے اور خدا کا شکر بجالائے۔ (د) بوجھ ہلکا ہو گیا اور فکر و تردد سے نجات مل گئی۔

حضرت داؤد سانس لینے کے لئے رکے ہی تھے کہ ان کا سب سے بڑا بیٹا اسنون لڑا ہو گیا اور جلدی سے بولا۔ ”بابا جان! سب جانتے ہیں کہ عمر کے لحاظ سے میں بچے بھائیوں سے بڑا ہوں۔ اس لئے آپ کی دراشت کا سب سے پہلے میں حقدار ہوں۔“

سجدے سے سر اٹھانے کے بعد حضرت داؤد نے کہا۔ ”اے مقرب بارگاہ! میں تیرا بھی شکر گزار ہوں کہ تو نے مجھے ایسی خبر پہنچائی ہے جو نور ایمان میں تابانی پیدا کرتی ہے اور جس کی وجہ سے مجھے ایک عظیم ذہنی بوجھ سے نجات مل گئی ہے۔“

حضرت جبرائیلؑ بولے۔ ”بس، اے خدا کے نبی! آپ دیر نہ کیجئے اور تمام لوگوں کو فوراً بلائیے۔ مجھے حکم ہے کہ تمام کاروائی کے دوران میں موجود رہوں اور آپ کو مشورہ دیتا رہوں۔“

حضرت جبرائیلؑ بولے۔ ”بس، اے خدا کے نبی! آپ دیر نہ کیجئے اور تمام لوگوں کو فوراً بلائیے۔ مجھے حکم ہے کہ تمام کاروائی کے دوران میں موجود رہوں اور آپ کو مشورہ دیتا رہوں۔“

حضرت داؤد نے اپنے بیٹوں کو بلاوا بھیجا اور ایک بڑا دربار لگایا جس میں سلطنت کے تمام چھوٹے بڑے سرداروں اور معززین کو مدعو کیا گیا۔ حضرت داؤد کے سب سے بڑے بیٹے کا نام اسنون تھا اور یہ اختوعم بزرعیل کے بطن سے تھا۔ دوسرا بیٹا کلاب ابی غیل کے پیٹ سے تھا۔ تیسرا بیٹا تلمی یا قلمی، شاہ جستور کی بیٹی محکمہ سے تھا۔ چوتھے بیٹے کا نام سفینا اور ماں کا نام ابی طال تھا۔ چھٹا بیٹا شرعام تھا اور یہ عبت کے

ہم رہا۔ پھر تیسرا چوتھا یہاں تک کہ تمام لڑکوں نے شکست تسلیم کر لی اور کوئی نہ بتا سکا کہ صندوقے میں کیا راز ہے۔“

اب صرف سلیمان باقی رہ گئے تھے۔ حضرت داؤد نے سلیمان کی طرف دیکھا۔ سلیمان کی یہ کیفیت تھی کہ ان کی آنکھیں بند تھیں اور چہرہ آسمان کی طرف اٹھا ہوا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اللہ سے لو لگائے ہوئے ہیں اور ان کی نظریں عرش اعلیٰ کا طواف کر رہی ہوں۔

حضرت داؤد نے ان سے پوچھا۔ ”سلیمان! اب صرف تم باقی رہ گئے ہو۔ تمہارے تمام بھائی، صندوقے کے راز سے پردہ اٹھانے میں ناکام ہو چکے ہیں کیا تم بتا سکتے ہو اس کے اندر کیا ہے؟“

باپ کی آواز سلیمان کے کانوں میں پہنچی تو انہوں نے آنکھیں کھول دیں اور حضرت داؤد کی طرف دیکھا۔ سلیمان کی آنکھوں سے اس وقت عجیب طرح کی ملکوتی نغمیں منعکس ہو رہی تھیں اور انہیں دنیا کی ہر پوشیدہ چیز آئینے کی طرح نظر آ رہی تھی۔

سلیمان بڑے ادب سے بولے۔ ”بابا جان! اگر حکم ہو تو میں ناچیز اس راز سے پردہ اٹھاؤں؟“

سلیمان کے بھائیوں اور درباریوں نے اس کسن شہزادے کو حیرت سے دیکھا۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ جس راز کو دربار کے بڑے بڑے کاہن نہ سمجھ سکے اس راز سے یہ شہزادہ کس طرح پردہ اٹھا سکے گا۔

حضرت داؤد نے فرمایا۔ ”سلیمان بیٹے! یہ میرا سوال ہے۔ اس میں میرے حکم کو ملحوظ نہیں۔ اگر تم بتا سکتے ہو کہ اس صندوقے میں کیا ہے تو میری طرف سے اجازت ہے۔“

سلیمان نے دل میں بسم اللہ کہا اور بڑی متانت سے جواب دیا۔ ”اے خدا کے نبی اور میرے مشفق باپ! اس صندوقے میں ایک انگشتری، ایک لکڑی اور ایک تمہ کیا ہوا کانڈ رکھا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں اور کوئی چیز نہیں۔“

آپ کے ایک اور بیٹے کیلاب کو غصہ آ گیا۔ اس نے کہا ”تخت اور تاج کے لئے صرف بہادری کافی نہیں۔ اس کے لئے عقل و دانش پہلی شرط ہوتی ہے اور تمہارا اہل دربار جانتے ہیں کہ فہم و فراست میں، کوئی بھائی، میری گرد کو بھی نہیں ہٹا سکتا۔“

دربار میں شور و غل مچ گیا۔ تمام بھائی بولنے لگے۔ ہر ایک اپنے کو دوسرے سے افضل بتا رہا تھا۔ صرف سلیمان جو عمر میں سب سے چھوٹے تھے، ایک طرف خاموش بیٹھے اس ہنگامہ کو دیکھ رہے تھے۔ حضرت داؤد نے مجبور ہو کر سب کو اشارے سے چپ ہو جانے کا حکم دیا اور آہستہ آہستہ دربار میں خاموشی چھا گئی۔

حضرت داؤد نے فرمایا۔ ”میرے بچو! اس ہنگامے اور فتنے فساد کو ختم کرنے کے لئے میں حکم خداوندی سے تم سے کچھ سوالات کروں گا۔ میرا جو لڑکا ان سوالات کے صحیح جواب دے گا وہی میرا ولی عہد ہو گا اور اللہ تعالیٰ اسے نبوت کے درجے پر بھی سرفراز فرمائے گا۔“

حضرت داؤد نے اتنا کہہ کر آسمانی صندوقہ اپنے سامنے رکھا اور بڑے بیٹے سے سوال کیا۔ ”اسنون! تم میرے بڑے بیٹے ہو، اس لئے سب سے پہلے، میں تم سے پوچھتا ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ اس صندوقے میں کون کون سی چیزیں ہیں؟“

اس زمانے میں سحر اور جادو کا بہت زور تھا اور بڑے بڑے کاہن جادو کے زور پر عجیب عجیب تماشے دکھایا کرتے تھے۔ حضرت داؤد کے کئی بیٹے ایسے کاہنوں کے جال میں پھنسے ہوئے تھے۔ اسنون کا کاہن، اس کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ اس نے چپکے سے پوچھا کہ وہ بتائے، اس صندوقے میں کیا ہے لیکن خدائی طاقت کے سامنے کس کا زور چل سکتا ہے۔ وہ صندوقہ آسمانی تھا۔ اس کے اندر جو کچھ تھا اس حال تو خدا ہی جانتا تھا یا پھر وہ شخص جسے خدا خود مطلع کرے۔

اسنون کا کاہن ناکام ہو گیا تو اس نے کھڑے ہو کر کہا ”بابا جان! میں نہیں بتا سکتا کہ اس صندوقے میں کیا ہے۔“

پھر حضرت داؤد نے دوسرے بیٹے سے وہی سوال کیا۔ وہ بھی جواب دینے سے

سامنے تمام عالم کے پوشیدہ خزانے عیاں ہو جائیں گے، انگوٹھی کا مالک دنیا کے تمام درندوں، چرندوں اور پرندوں کی بولی سمجھ سکے گا اور ہوا اس کے قبضہ قدرت میں ہو گی۔ جب تک انگوٹھی، انگلی میں رہے گی، اس پر کوئی جادو اثر نہ کرے گا اور نہ اس کی بادشاہت پر آج آ سکے گی اور اس چابک میں یہ اثر ہے کہ اگر کوئی شخص اس چابک کے مالک کے حکم سے سرتابی کرے گا تو چابک اس پر عذاب بن کر گرے گا اور اس کو سزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے سلیمان کو بادشاہت بھی عطا فرمائی اور نبوت کے درجے پر بھی سرفراز کر دیا۔ اب سلیمان، حضرت سلیمان علیہ السلام ہو گئے اور قوم بنی اسرائیل کے زبردست بادشاہ بن گئے۔

حضرت داؤدؑ گوشہ نشین ہو کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے لیکن ان کے بعض بیٹوں نے انہیں سکون سے عبادت بھی نہ کرنے دی۔

حضرت سلیمان کے تحت نشین ہوتے ہی ان کے چوتھے بھائی اودنیاہ نے علم بنات بلند کیا۔ اودنیاہ کے ساتھ یوآب اور ابی شیر کاہن بھی شریک ہو گئے۔ حضرت سلیمان کا ساتھ تائیں بنی، نیابا کاہن اور صدون کاہن نے دیا۔ شاہی لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور جنگ شروع ہو گئی۔

چونکہ سلیمان حق پر تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیاب اور فتح یاب کیا۔ یوآب اور ابی شیر کاہن، دونوں نیابا کاہن کے ہاتھوں مارے گئے۔ اودنیاہ کا کچھ پتہ نہیں چلا کہ آیا وہ مارا گیا یا کہیں روپوش ہو گیا۔

دشمنوں کا زور ٹوٹ گیا اور حضرت سلیمان کی بادشاہت مستحکم ہو گئی تو حضرت داؤدؑ نے انتقال فرمایا۔ ان کی پیاری بیوی، شمع بھی شوہر کے انتقال کے بعد زیادہ دن تک زندہ نہ رہ سکیں اور انہوں نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔



حضرت سلیمان کو جب ملک کے اندرونی خلفشار سے نجات ملی اور حکومت میں استحکام پیدا ہو گیا تو آپ نے مصر کے فرعون ہسپ خانو دوم کی لڑکی کے لئے شادی کا

حضرت داؤدؑ نے سب کے سامنے صندوقچہ کھولا اور اس میں سے سامان نکالا تو اس میں ان تین چیزوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ حضرت داؤدؑ کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ انہوں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا جس نے ان کے بے شمس سے کئے ہوئے وعدے کی لاج رکھ لی۔ سلیمان کے تمام بھائی شرمندہ اور حیران تھے کاہن و انہوں میں انگلیاں دبائے بیٹھے تھے۔

پھر حضرت داؤدؑ نے جبرائیلؑ کے اشارے پر کہا۔ ”سلیمان! تم نے ایک سوال کا جواب تو دیا ہے لیکن تمہارا جواب ابھی نامکمل ہے۔ تمہیں یہ بھی بتانا ہو گا کہ اس تمہ کئے ہوئے کانف میں کیا لکھا ہوا ہے؟“

سلیمان نے اس طرح جواب دیا جیسے وہ کھلا ہوا خط پڑھ رہے ہوں۔ انہوں نے کہا۔ ”بابا جان! اس بند خط میں پانچ مسائل تحریر ہیں۔ پہلا مسئلہ ایمان، دوسرا محبت، تیسرا عقل، چوتھا شرم اور پانچواں مسئلہ طاقت کا لکھا گیا ہے۔“

حضرت داؤدؑ نے فرمایا۔ ”سلیمان! یہ جواب اس وقت تک اب بھی نامکمل ہے جب تک تم یہ نہیں بتاؤ گے کہ اس میں سے ہر مسئلے کا قرار انسان کے بدن کے کس حصہ میں ہوتا ہے؟“

سلیمان نے فوراً جواب دیا۔ ”اے نبی خدا! ایمان اور محبت دل میں ہوتا ہے، عقل کی جگہ سر ہے، شرم کا مقام آنکھیں ہیں اور طاقت، ہڈیوں میں قرار پاتی ہے۔“

حضرت داؤدؑ فرط محبت سے کھڑے ہوئے۔ انہوں نے سلیمان کو سینے سے لگایا اور اسی وقت انہیں اپنا خلیفہ مقرر کر دیا۔ حضرت داؤدؑ نے وہ انگشتری آسمانی (سلیمانی انگوٹھی) اپنے دست مبارک سے سلیمان کی۔۔۔۔۔ انگلی میں پہنا دی اور چابک بھی انہیں عطا کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے بوجہ پیران سالی تخت و تاج سے دست برداری کا اعلان کر کے سلیمان کو بادشاہ بنا دیا۔ تمام درباریوں نے بظاہر سلیمان کو بادشاہ تسلیم کر لیا لیکن ان کے بعض بھائی، اس سے خوش نہ تھے۔

حضرت جبرائیلؑ کا کام ختم ہو چکا تھا۔ جانے سے پہلے انہوں نے حضرت داؤدؑ کو بتایا کہ اس انگشتری میں یہ قوت ہے کہ جس کی انگلی میں یہ ہو گی، اس کی نظروں کے

ذہب میں آگئیں اور بت بنا کر اسے پوجنے لگیں۔۔۔۔۔ لیکن جلد ہی راز کھل گیا اور حضرت سلیمان نے انہیں زوجیت سے خارج کر دیا۔

حضرت داؤد نے اپنے دور حکومت میں رہائش کے لئے کوئی خاص محل تعمیر نہ کیا تھا لیکن حضرت سلیمان نے سلطنت میں امن و امان ہوتے ہی ملک صور کے بادشاہ جہرام کو حکم دیا کہ ان کے لئے ایک ایسا قصر معلیٰ تعمیر کیا جائے جس کی مثال دنیا میں نہ ہو۔

اس حکم کی تعمیل میں جہرام نے جو وسیع و عریض عمارت تعمیر کی وہ واقعی لاجواب اور عظیم المنظر تھی۔ اس قصر کا احاطہ چھتیس کوس کا تھا اور دیواروں میں سونے، چاندی کی اینٹیں لگائی گئی تھیں۔ اس احاطے کے اندر ایک ہزار محل بنائے گئے۔ حضرت سلیمان کا محل خاص، بارہ کوس کے رقبے پر مشتمل تھا۔ اس محل میں آپ تخت پر جلوس فرماتے تھے۔ روایت ہے کہ آپ کے تخت کا طول تین کوس تھا اور پورا تخت ہاتھی کے دانت سے تیار کیا گیا تھا۔ تخت کی مرصع کاری لعل، یاقوت اور زمرد سے کی گئی تھی اور چاروں طرف سونے کی اینٹیں لگائی گئی تھیں۔ تخت کے چاروں کونوں پر چار، چاند نما درخت لگائے گئے تھے جن کی ڈالیاں سونے کی اور پتیاں ہرزرد کی تھیں۔ ہر ڈالی پر طوطی اور طاؤس بنا کر بٹھائے گئے تھے جن کے پیٹ کے اندر مشک اور دیگر خوشبوئیاں بھری تھیں۔ درخت کے خوشے انگوڑ کے تھے جو لعل و یاقوت سے بنائے گئے تھے۔ تخت سے ایک میز بھی نیچے، سونے کی ایک ہزار کرسیاں رکھی جاتی تھیں جن پر ارکان حکومت بیٹھتے تھے۔ ان کے پیچھے جنوں اور انسانوں میں سے غلام کھڑے رہتے تھے۔ جب حضرت سلیمان، تاج شاہی سر پر رکھ کر اور انگشتری سلیمانی انگلی میں پہن کر تخت پر قدم رکھتے تو ان کی ہیبت سے تخت لرزنے لگتا تھا اور اس وقت طوطی و طاؤس بجکم خدا اپنے پروں کو پھیلا دیتے اور مشک کی خوشبو سے تمام فضا مرکب اٹھتی۔

کہتے ہیں اس تخت پر بیٹھ کر حضرت سلیمان، صحیفہ آسمانی توریت پڑھتے اور مخلوق خدا پر حکمرانی کرتے تھے۔ آپ ہر پرندے کی بولی سمجھتے تھے۔ جب تک حضرت سلیمان

پیغام دیا۔ اس فرعون کا تعلق خاندان کنہ سے تھا۔ جس زمانے میں حضرت سلیمان کا پیغام اس کے پاس پہنچا تو وہ جزر کے بادشاہ سے جنگ کر رہا تھا۔

اس کی صرف ایک ہی لڑکی تھی جو بڑی حسین اور ذہین تھی۔ ہسپ خانہ دوم اس کی شادی کسی عالی نسب شہزادے سے کرنا چاہتا تھا۔ جس دن حضرت سلیمان کو پیغام پہنچا اسی دن اسے فتح حاصل ہوئی۔ ہسپ نے اسے ایک نیک شگون سمجھا اور فوراً پیغام قبول کر لیا۔

حضرت سلیمان، اس کی بیٹی کو بڑی دھوم دھام سے بیاہ کر لائے ہسپ نے بیٹی کو بہت جیز، سینکڑوں کنیزوں اور غلاموں کے ساتھ رخصت کیا۔ حضرت سلیمان کی ان زوجہ کے بطن سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ بڑی لڑکی جس کا نام طافت تھا، کا عقد انبیاداب سے ہوا اور چھوٹی لڑکی ہسعت کی شادی، امحض سے کی گئی۔ انبیاداب اور امحض دونوں حضرت سلیمان کے گورنر تھے۔

اس بیوی سے ایک لڑکا رجھام بھی پیدا ہوا جو حضرت سلیمان کے بعد تخت پر بیٹھا لیکن تاریخ گزیدہ بتاتی ہے کہ رجھام، ملکہ بلقیس سبا کے بطن سے تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب سلاطین اول تواریخ باب نمبر ۱۰ کا یہ اندراج قطعی مہمل اور خلاف عقل ہے کہ حضرت سلیمان کی ان زوجہ کے علاوہ سات سو بیویاں اور تین سو بیگمات تھیں۔ توریت شریف میں یقیناً یہ تصرف اور اضافہ کیا گیا ہے۔ یہ تعداد ان کنیزوں اور خادماؤں کی ہے جو محلات شاہی میں مختلف فرائض اور خدمات سرانجام دیتی تھیں۔ افسوس کہ ان زوجہ کا نام اور تفصیلی حالت کہیں سے دستیاب نہ ہو سکے۔

حضرت سلیمان کی دوسری بیگم کا نام جراہ تھا۔ یہ شاہ صیدون کی ناز پرور بیٹی تھیں۔ یہ اپنے باپ سے بہت محبت کرتی تھیں۔ شاہ صیدون جنگ میں مارا گیا اور یہ یہ مسلمان ہو کر حضرت سلیمان کی زوجیت میں آگئیں۔ یہ بہت حسین و جمیل تھیں لیکن باپ کی محبت نے انہیں جاہ حق سے ہٹا دیا۔ انہیں شیطان نے مشورہ دیا کہ باپ کا بت بنا کر پوشیدہ طور پر اس کی پوجا کرو تاکہ باپ کا غم باقی نہ رہے۔ یہ شیطان کے

طرح کھینچا گیا ہے کہ-----

”جب حضرت سلیمانؑ کا تخت ہوا کی لہروں پر رواں ہوتا تو پرندے جھنڈ کے جھنڈ، آپ کے تخت کے اوپر اپنے پروں کا سایہ کرتے اور انسانوں کی فوج وائیں اور جنوں کی فوج بائیں جانب ہوتی۔ اس تخت رواں کی رفتار کا یہ عالم تھا کہ شام سے یمن تک کا فاصلہ آٹھ دن میں طے ہوتا۔ آپ جس راستے سے گزرتے وہاں کی زمین آواز دیتی کہ اے سلیمان! جو دلہنے مجھ میں ہیں وہ اٹھو لو اور انہیں اپنے کام میں لاؤ۔ آپ جنوں کو حکم دیتے کہ زمین کے خزانے سمیٹ لو۔ یہ جن، سمندر اور خشکی سے آپ کے لئے موتی اور جواہرات اکٹھا کرتے تھے۔ اس طرح حضرت سلیمانؑ کے خزانے کی کوئی حد و انتہا نہ تھی۔“

ایک بار تخت سلیمانؑ ہوا کے دوش پر رواں دواں تھا۔ کرسیوں پر ہزاروں اراکین سلطنت بیٹھے تھے۔ وزیر اعظم آصف ابن برخیا کی کرسی تمام اراکین سے آگے تھی۔ جن و انس، تخت کے گرد اپنی اپنی جگہ پر مودب کھڑے تھے۔ پرندے، چپ و راست، پیش و پس، تخت سلیمانؑ پر سایہ کئے ہوئے تھے۔ اس وقت حضرت سلیمانؑ کے کان میں فرشتوں کی تسبیح کی آواز آئی۔ فرشتے کہہ رہے تھے۔

”اے رب! تو نے حضرت سلیمانؑ کو جیسا جاہ و جلال و حشم عطا فرمایا، یہ کسی اور جن و بشر کو نہیں دیا۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ”اے فرشتو! میں نے سلیمانؑ کو ہفت اقلیم کی بادشاہت عنایت کی ہے اور اس کو نبوت سے بھی سرفراز کیا۔ لیکن اس کو غرور و تکبر ذرا بھی نہیں۔ اگر وہ غرور کرتا تو اسے ہوا پر لے جا کر زمین پر ڈال دیتا اور پھر اس کو نیست و نابود کر دیتا۔“

حضرت سلیمانؑ کے کانوں میں یہ آواز آئی تو آپ خدا کے حضور فوراً ”سجدہ بجا لائے پھر آپ نے تخت کو زمین پر اترنے کا حکم دیا ہوا، تخت سلیمانؑ کو آہستہ آہستہ زمین پر لے آئی۔

یہ بستی، چوٹیوں کی تھی۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا۔ ”حتی اذا۔۔۔۔۔۔“ یہاں

تخت پر جلوس فرما رہتے تمام پرندے ہوا میں معلق ہو کر آپ کے اوپر سایہ کئے رہتے۔ سفر کے دوران بھی پرندے آپ کو اپنے سائے میں لئے رہتے تھے۔ تخت گاہ کے اس مکان میں صد ہا محرمیں تھیں جن میں عابد و زاہد ہر وقت ذکر خداوندی میں مشغول رہتے۔

حضرت سلیمانؑ کے قبضے میں تمام جن تھے۔ یہ جن فرش فروش اور باورچی خانے کا انتظام پر تعینات تھے۔ یہ تمام کھانا لوگوں میں تقسیم کرویا جاتا تھا۔ حضرت سلیمانؑ رزق حلال کے لئے اپنے ہاتھ سے زمبیل (تھیلی) بناتے اور اسے بازار میں فروخت کر کے جو خریدتے تھے جو کو وہ خود ہی پیس کر آٹا بناتے اور اس کی روٹی پکاتے تھے۔ آپ اپنے ہاتھ کی پکائی ہوئی روٹیاں لے کر بیت المقدس میں جاتے اور وہاں روزے واروں اور غریب و رویشوں کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے اور خدا کا شکر ادا کرتے تھے۔

حضرت سلیمانؑ روزانہ خدائے ذوالجلال کی مناجات کرتے اور فرماتے۔ ”اے خداوند! میں رویشوں کے ساتھ بھی شامل ہوں اور بادشاہوں کے ساتھ بادشاہ بھی ہوں، پیغمبروں کے ساتھ پیغمبر بھی ہوں۔ اے میرے مالک! میں تیری نعمتوں کا کہاں تک شکر ادا کروں، تیرا شکر ادا کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں۔“



اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ”وَوَدَّ سَلِمَانَ۔۔۔۔۔۔“ اور وارث ہوا سلیمانؑ حضرت واؤد کا۔ یعنی نبی اور بادشاہ ہوا، اپنے باپ کی جگہ یہ عظمت اور بزرگی حاصل کرنے کے بعد حضرت سلیمانؑ نے لوگوں سے فرمایا۔

”اے لوگو! سکھائی گئیں، ہمیں بولیاں ہر جانور کی اور دیئے گئے ہم ہر چیز سے۔“ یعنی دنیا کی جو چیز و کار ہے وہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائی ہے۔

ایک جگہ اور قرآن میں آیا ہے۔ ”سَلِمَانَ الرِّيحِ۔۔۔۔۔۔“ اور مسخر کیا واسطے سلیمان کے ہوا کو صبح کی۔

اس طرح کی بہت سی آیات قرآنی، حضرت سلیمانؑ کے بارے میں آئی ہیں جن کی تفسیر اور روایات کے حوالوں سے حضرت سلیمانؑ کی شان و شوکت کا نقشہ اس

شاہ مور نے بے دھڑک کہا۔ ”اے نبی! میری سلطنت! آپ کی سلطنت سے بہتر ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جس کا میں نے بے خوف اظہار کیا ہے۔“

حضرت سلیمانؑ بولے۔ ”ہر بات کا ثبوت اور دلیل ہوتی ہے۔ تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ تمہاری سلطنت میری سلطنت سے بہتر ہے؟“

شاہ مور نے جواب دیا۔ ”اے نبی! میری سلطنت آپ کی سلطنت سے اس لئے بہتر ہے کہ آپ کے تخت کو ہوا اٹھاتی ہے اور تخت آپ کو اٹھاتا ہے۔ آپ تخت پر تشریف رکھتے ہیں۔ یہ کتنے بڑے تکلف اور شان و شوکت کا اظہار ہے۔“

حضرت سلیمانؑ شاہ مور کے اس جواب پر بہت حیران ہوئے۔ انہوں نے پوچھا۔ ”اے شاہ مور! تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا! تمہیں یہ کس نے بتایا کہ میرے تخت کو ہوا اٹھاتی ہے؟“

شاہ مور بولا۔ ”اے حضرت سلیمان! اللہ تعالیٰ نے آپ کو عقل و دانش دی ہے لیکن یہ عقل صرف آپ ہی کو نہیں دی گئی ہے بلکہ اس سے ہم جیسے نحیف و ناتواں کو بھی سرفراز کیا گیا ہے۔“

حضرت سلیمانؑ اور زیادہ حیران ہوئے۔ شاہ مور نے حضرت سلیمانؑ کو حیران دیکھا تو بولا۔ ”اے نبی خدا! اگر اجازت ہو تو میں آپ سے کچھ مسائل پوچھوں؟“

حضرت سلیمانؑ شاہ مور کی گفتگو سے بڑے متاثر تھے۔ انہوں نے اسے اجازت دے دی۔

شاہ مور نے عرض کیا۔ ”اے حضرت سلیمان! آپ نے خداوند تعالیٰ سے سوال کیا تھا، قل رب۔۔۔ اے پروردگار! مغفرت کر میری اور بخش مجھ کو۔ ایسا ملک نہ ملے کہ میں اس کو میرے پیچھے۔ تو ہے، سب سے زیادہ بخشے والا تو اے نبی! آپ کے اس سوال سے حسد کی بو آتی ہے۔ نبیوں اور پیغمبروں کو حسد نہیں کرنا چاہئے۔ یہ بات ان کی شان کے خلاف ہے آپ اس سے پوری طرح واقف ہیں کہ اللہ تعالیٰ، دونوں جہانوں کا مالک ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اس سے یہ کہنا کسی طرح مناسب نہیں کہ اے میرے پروردگار! تو میرے سوا کسی اور کو بادشاہی نہ دے۔ وہ مالک اور خالق جس

تک کہ جب پہنچے، حضرت سلیمانؑ چیونٹیوں کے میدان پر کہا، ایک چیونٹی نے۔۔۔ اے چیونٹیو! گھس جاؤ اپنے گھروں میں تاکہ میں نہ ڈالے تم کو سلیمانؑ اور اس کا لشکر اور پھر ان کو خبر بھی نہ ہو۔

حضرت سلیمانؑ نے شاہ مور ”چیونٹیوں کے بادشاہ“ کی یہ بات سنی تو مسکرا کر کہا۔ ”یہ بھی اپنی رعیت پر شفقت اور مہربانی کرتی ہے۔“

پھر حضرت سلیمانؑ نے شاہ مور کو زمین سے اٹھا کر اپنی ہتھیلی پر رکھا اور دریافت فرمایا۔ ”اے شاہ مور! تم نے اپنے لشکر سے یہ کیوں کہا کہ سلیمانؑ آتا ہے، تم اپنے بلوں میں گھس جاؤ۔ تم نے میرا کیا ظلم دیکھا؟“

شاہ مور نے ادب سے جواب دیا۔ ”اے اللہ کے نبی! بے شک آپ نے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ لیکن یہ ممکن تھا کہ غلطی سے آپ کے لشکریوں کے پیروں کے نیچے ہمارا لشکر آجاتا اور اس طرح آپ کو خبر بھی نہ ہوتی اور ہم ہلاک ہو جاتے۔ میں نے یہ بات حفظ ماتقدم کے طور پر کہی تھی۔“

حضرت سلیمانؑ نے پوچھا۔ ”اے شاہ مور! کیا تم ہمیشہ ہی ان پر ایسی شفقتیں کرتے ہو؟“

شاہ مور نے جواب دیا۔ ”جی ہاں، اے اللہ کے نبی! ان کی خوشی، میری خوشی اور ان کا غم، میرا غم ہے۔ ان کی غم خواری اور دلداری مجھ پر واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی واسطے ان کا بادشاہ بنایا ہے۔ اگر میری ایک چیونٹی بھی مر جائے تو جب تک میں اسے اٹھا کر اس کے مسکن تک نہیں پہنچا دیتا مجھے چین نہیں ملتا۔“

حضرت سلیمانؑ نے دریافت فرمایا۔ ”اے شاہ مور! تمہارے ساتھ ہر وقت کتنی چیونٹیاں رہتی ہیں؟“

شاہ مور نے بتایا۔ ”اے نبی! چالیس ہزار چیونٹیاں ہر دم میرے ساتھ ہوتی ہیں۔“

حضرت سلیمانؑ نے پھر پوچھا۔ ”اے شاہ مور! یہ تو بتاؤ کہ تمہاری سلطنت بہتر ہے یا میری؟“

حضرت سلیمانؑ شاہ مور کی یہ بات سن کر رونے لگے اور اللہ کے حضور توبہ و استغفار کی پھر بولے۔ ”اے شاہ مور! تم نے ٹھیک کہا یہ دنیا ہوا کی مثال ہے۔“
شاہ مور نے پھر کہا۔ ”اے سلیمان علیہ السلام! کیا آپ سلیمانؑ کے معنی جانتے ہیں؟“

حضرت سلیمانؑ نے کہا۔ ”اے شاہ مور! اس کے معنی بھی تم ہی بتاؤ میں نہیں جانتا۔“
شاہ مور نے کہا۔ ”اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کی زندگی میں دل مت لگائیے۔ کیونکہ موت ہر ساعت ہے۔“

حضرت سلیمانؑ نے فرمایا۔ ”اے شاہ مور! میں تمہاری عقلمندی کا قائل ہو گیا۔ مجھے تم کچھ نصیحت کرو اور نیک کام بتاؤ؟“
شاہ مور نے کہا۔ ”اے پیغمبر خدا! اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت پر سرفراز فرمایا اور دنیا کی بادشاہی دی ہے۔ آپ کو چاہئے کہ اپنی رعیت کی جگہبانی کریں۔ عدل و انصاف فرمائیں تاکہ رعایا خوش رہے۔ مظلوم کی داد رسی کریں اور ظالم کو سزا دیں۔ میں غریب، ضعیف اور مسکین ہوں لیکن ہر دم رعیت کا خیال رکھتا ہوں، ان کا بار اٹھاتا ہوں، کسی پر ظلم نہیں ہونے دیتا۔“
حضرت سلیمانؑ شاہ مور کی ایمان آموز اور ایمان افروز باتیں سن کر بہت خوش ہوئے اور بولے۔

”اے شاہ مور! تمہاری باتوں سے میرا دل بہت خوش ہوا اور میں نے تم نے بہت کچھ حاصل کیا۔ تمہارا بہت بہت شکریہ! اب مجھے آگے جانے کی اجازت دو۔“
شاہ مور بولا۔ ”اے حضرت سلیمانؑ! آپ میرے مہمان ہیں اور مہمان کو بغیر کچھ کھلائے پلائے جانے دینا کسی طرح مناسب نہیں۔۔۔۔۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دال دیا دیا ہے، اس میں سے آپ اور آپ کا لشکر تناول فرمائیں پھر آگے کا قصد کریں۔“

حضرت سلیمانؑ نے بلا عذر شاہ مور کی دعوت قبول کر لی۔ شاہ مور حضرت سلیمانؑ

کو چاہے دے۔ نبی کی شان سے ایسی حسد کی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔“
حضرت سلیمانؑ کو شاہ مور کی زبان سے یہ باتیں چھوٹا منہ اور بڑی بات معلوم ہوئیں۔ آپ کو شاہ مور کی گفتگو اور نصیحت ناگوار گزری۔ شاہ مور نے اس کا اندازہ آپ کے چہرے سے لگا لیا اور کہا۔

”اے پیغمبر! آپ کو میری باتوں سے بیزار نہیں ہونا چاہئے کیونکہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ درست ہے اور درست بات پر خفا ہونا بے جا ہے۔“
شاہ مور کی باتیں درست تھیں۔ حضرت سلیمانؑ کا غصہ تو ٹھنڈا ہو گا مگر وہ خاموش رہے۔

شاہ مور بولا۔ ”اے نبی! آپ خفا نہ ہوئے اور مجھے ایک بات بتائیے۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو انگشتی دی ہے اس کا کیا راز ہے؟“
حضرت سلیمانؑ نے جواب دیا۔ ”مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں اگر تم جانتے ہو تو ضرور بتاؤ۔“

شاہ مور نے حضرت سلیمانؑ کو بتایا۔ ”اے پیغمبر خدا! اللہ نے آپ کو سلطنت دی ہے۔ قاف سے قاف تک لیکن اس پوری سلطنت کی قیمت ایک تکینے سے زیادہ نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے پیش نظر یہ بات رہے کہ اس دنیا کی کوئی حقیقت نہیں۔“

شاہ مور کی ہر بات سے حضرت سلیمانؑ کی حیران میں اضافہ ہو رہا تھا ان کی فکری ختم ہو گئی۔

شاہ مور نے دوسرا سوال کیا۔ ”اے سلیمان علیہ السلام! خدا نے ہوا کو آپ کے تابع کر دیا ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ اس میں کیا راز ہے؟“
”میں اس راز سے بھی واقف نہیں۔“ حضرت سلیمانؑ نے جواب دیا۔ ”کیا تم اس بات سے آگاہ ہو؟“

”تو سنئے، اے نبی خدا! شاہ مور نے بتایا۔“ اس کا مطلب ہے کہ موت کے وقت یہ دنیا آپ کو ہوا کے مانند معلوم ہوگی۔“

حکم دیتے جن فوراً ہد کے بتائے ہوئے مقام پر پہنچ کر کنواں یا تالاب کھودتے اور لشکر کو پانی مہیا کر دیتے۔

تمام پرندے تو شاخوں پر بیٹھ کر آرام کرنے لگے مگر حضرت سلیمانؑ کے ہد ہد کو کچھ اور ہی سوچھی۔ اس نے سوچا جب تک حضرت سلیمانؑ اور شاہ مور میں گفتگو ہو رہی ہے کیوں نہ میں ادھر ادھر کی سیر کر لوں۔ چنانچہ ہد ہد ہوا میں بلند ہوا اور چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ معاؑ اس کی نظر اپنے ایک ہم جنس پر پڑی جو ایک باغ کی دیوار پر بیٹھا تھا۔ حضرت سلیمانؑ کے ہد ہد نے فوراً ہوا میں غوطہ لگایا تاکہ اجنبی ہد ہد کے پاس بیٹھ کر کچھ دیر گپ شب کرے۔

اجنبی ہد ہد نے اپنے ہم جنس کو دیکھا تو بہت خوش ہوا اور سلام و دعا کرنے کے بعد پوچھا۔ ”اے، ہم جنس! تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟“
حضرت سلیمانؑ کا ہد ہد مسکرایا اور بولا۔ ”اے، بھائی! شاید تم اجنبی ہو اور کسی دور دلس سے آئے ہو!“

اجنبی ہد ہد نے جواب دیا۔ ”اے برادر! تمہارا خیال درست ہے لیکن پہلے تم بتاؤ کہ تم کون ہو؟“
حضرت سلیمانؑ کے ہد ہد نے کہا۔ ”اجنبی دوست! میں، شہنشاہ سلیمانؑ کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔ میں، ان کا نامہ بر بھی ہوں اور ضرورت پڑنے پر پانی کی تلاش کی خدمت بھی بجالاتا ہوں۔“

اجنبی ہد ہد نے دریافت کیا۔ ”یہ سلیمانؑ کسی ملک کے بادشاہ ہیں؟“
حضرت سلیمانؑ کے ہد ہد نے کہا ”بھائی تعجب ہے کہ تم شاہوں کے شاہ حضرت سلیمانؑ کو نہیں جانتے۔ وہ ہفت اقلیم کے بادشاہ ہیں اور ان کی حکومت بشر کے علاوہ جنوں پر ہے۔ ملک شام میں ایک مقام یرد شلم ہے۔ وہاں حضرت سلیمانؑ کا اتنا بڑا اور عالیشان محل ہے کہ تم دیکھو تو دیکھتے ہی رہ جاؤ۔“

اجنبی ہد ہد نے ہنس کر کہا۔ ”اے، دوست! تم اپنے بادشاہ کی شان اور شوکت کا حال بیان کر رہے ہو لیکن اگر تم میری ملکہ کا ملک اور اس کی سطوت اور دبہہ دیکھو تو

کے ہاتھ سے اتر کر بل میں گیا اور مٹی کی ایک ٹانگ لا کر حضرت سلیمانؑ کے سامنے رکھ دی۔

حضرت سلیمانؑ ہنس کر بولے۔ ”اے، شاہ مور! میرا اور میرے لشکر کا، مٹی کی اس ایک ٹانگ سے کیا بھلا ہو گا؟“

شاہ مور نے کہا۔ ”اے، حضرت سلیمانؑ! آپ اس ٹانگ کو کم نہ سمجھئے۔ اس میں بڑی برکت ہے۔ آپ بسم اللہ کیجئے اور خدا کی قدرت کا تماشا دیکھئے۔“
روایت ہے کہ مٹی کی اس ٹانگ سے حضرت سلیمانؑ اور پورا لشکر کھاتا رہا اور جب سب کا پیٹ بھر گیا تو اس کا کچھ حصہ پھر بھی باقی رہ گیا۔

حضرت سلیمانؑ یہ حال دیکھ کر بہت حیران ہوئے اور فوراً ”سجدے میں گر گئے اور عرض کیا۔ ”اے، پروردگار! تیری قدرت بے انتہا ہے اور بے شک تو ہی عظمت اور بزرگی کے لائق ہے۔“



جس وقت حضرت سلیمانؑ کا تخت اترا اور حضرت سلیمانؑ شاہ مور سے گفتگو کرنے لگے تو وہ تمام پرندے جو ان کے تخت پر سایہ کئے ہوئے تھے آرام کرنے کے لئے درختوں کی شاخوں پر بیٹھ گئے تاکہ اس وقت تک تھکن دور کریں جب تک حضرت سلیمانؑ اور شاہ مور میں گفتگو ہوتی رہے۔

روایت ہے کہ ہد ہد کو یہ تاج، حضرت سلیمانؑ نے خوش ہو کر عطا فرمایا تھا۔ ہد ہد پرندہ سیرد سفر میں حضرت سلیمانؑ کے ساتھ رہتا تھا۔ اس پرندے سے ایک کام تو نامہ برادر قاصد کا لیا جاتا تھا اور دوسرا کام پانی کی تلاش کا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے بہت تیز نظردی تھی۔

جب حضرت سلیمانؑ کے لشکر کو دوران سفر پیاس لگتی اور پانی کی ضرورت پڑتی تو حضرت سلیمانؑ ہد ہد کو پانی کی تلاش میں بھیجتے۔ ہد ہد ہوا میں بلند ہو کر چاروں طرف دیکھتا۔ اسے جہاں بھی زمین کے اوپر یا اندر، پانی دکھائی دیتا۔ وہ واپس آ کر حضرت سلیمانؑ کو پانی کی جگہ کی نشاندہی کر دیتا۔ حضرت سلیمانؑ اپنے تابع جنوں کو پانی لانے کا

وانتوں میں انگلیاں دبا کر رہ جاؤ۔ اس دنیا میں اس کا ثانی موجود نہیں۔“

”کیا نام ہے، تمہاری ملکہ کا؟“

”ملکہ بلقیس سب۔“

”یہ کس ملک کی ملکہ ہے؟“

اجنبی ہد ہد نے بتایا۔ ”ملک یمن میں ایک سرزمین صناء ہے۔ یہی سلطنت سبا ہے

اور اس کا دار الخلافہ شہر مارب میں ہے۔“

حضرت سلیمانؑ کے ہد ہد کا تجسس بڑھا۔ اس نے ”پوچھا کتنی فوج اور لاؤ لشکر ہے۔ تمہاری ملکہ کے پاس؟“

اجنبی ہد ہد نے بتایا۔ ”میری ملکہ بلقیس کے پاس بارہ ہزار سردار ہیں اور ہر سردار کے ماتحت ایک ایک لاکھ کا لشکر ہے۔“ (یہ بات مبالغہ معلوم ہوتی ہے۔ اجنبی ہد ہد نے اپنی ملکہ کا رعب ڈالنے کے لئے لشکر کی تعداد بڑھا کر بتائی ہوگی۔)

حضرت سلیمانؑ کا ہد ہد سوچتے ہوئے بولا۔ ”بھائی! تم نے جو باتیں اپنی ملکہ کے بارے میں بتائی ہیں اگر یہ سچ ہیں تو تمہارا ملک اور تمہاری ملکہ واقعی دیکھنے کے قابل ہیں۔“

اجنبی ہد ہد نے کہا۔ ”میرے دوست! ہاتھ کلن کو آرسی کیا ابھی میرے ساتھ چلو۔ دودھ کا دودھ، پانی کا پانی ہو جائے گا۔ مجھے، تمہاری مہمان نوازی کر کے بڑی خوشی ہوگی۔“

حضرت سلیمانؑ کا ہد ہد فوراً بولا۔ ”دل تو میرا بھی چاہتا ہے کہ تمہارا ملک اور ملکہ دیکھوں لیکن مشکل یہ ہے کہ شاہ سلیمانؑ کہیں روانگی کا حکم نہ دے دیں۔ اسی وقت میری تلاش ہوگی۔“

اجنبی ہد ہد نے کہا۔ ”اس میں فکر کی کیا بات ہے؟ میرا ملک دور ہی کتنا ہے بس یوں گئے اور یوں آئے۔“

”ملک یہاں سے کتنی دور ہے؟“

”آدمیوں کے لئے پیدل کا سفر تو ایک ماہ کا ہے لیکن ہم تم پرندے ہیں۔ صرف

چند گھنٹے لگیں گے آنے جانے میں۔“

حضرت سلیمانؑ کے ہد ہد کے دل میں ملک یمن اور ملکہ بلقیس سب کو دیکھنے کا زہرست شوق پیدا ہوا۔ اس نے یہ بھی سوچا کہ میں اس ملکہ اور ملک کو دیکھ آؤں اور واپس آ کر اس کا حال حضرت سلیمانؑ کو سناؤں تو وہ یقیناً خوش ہوں گے۔

کچھ جذبہ شوق سے مجبور ہو کر اور کچھ اجنبی ہد ہد کے اصرار پیہم کے تحت، وہ ملک یمن جانے پر آمادہ ہو گیا اور اجنبی ہد ہد کے ساتھ یمن کی طرف پرواز کرنے لگا۔

شامت اعمال دیکھئے کہ حضرت سلیمانؑ شاہ مور کی گفتگو اور ضیافت سے جلدی فارغ ہو گئے اور انہوں نے مراجعت کا قصد کیا۔ اراکین دولت اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے اور ہوا نے تخت سلیمانی کو بلند فضاؤں میں پہنچا دیا تمام پرندے اپنے پروں سے تخت سلیمانی پر سایہ کئے ہوئے تھے یکایک حضرت سلیمانؑ کو آفتاب کی تمازت محسوس ہوئی۔ ”آپ نے اوپر کی طرف دیکھا اور بہت عمیق نظر کی تو تمام پرندے نظر آئے مگر ہد ہد دکھائی نہ دیا۔“

حضرت سلیمانؑ نے فرمایا۔ (قرآن حکیم) ”وتفقد الطير——“ اور خبر لی، حضرت سلیمانؑ نے اڑتے ہوئے پرندوں کی۔ پس کہا کہ کیا ہے مجھ کو کہ نہیں دیکھتا ہوں میں، ہد ہد پرندے کو یا وہ مجھ سے غائب ہو گیا ہے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو البتہ میں عذاب کروں گا، اس کو اور عذاب سخت یا ذبح کروں گا میں، اس کو یا پھر لاوے گا، میرے پاس کوئی دلیل ظاہر۔

پھر اسی وقت حضرت سلیمانؑ نے عقاب کو حکم دیا کہ وہ جائے اور ہد ہد جس جگہ ہو اسے تلاش کر کے، ان کے سامنے حاضر کرے۔ عقاب نے اپنے پر کھولے اور تیزی سے بلند ہوتا چلا گیا۔ اس نے اوپر جا کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ جنوب کی سمت ایک پرندہ اڑتا ہوا نظر آیا جو اسی طرف آ رہا تھا۔ عقاب نے جھٹ سے غوطہ لگایا اور فوراً اس پرندے کے پاس پہنچ گیا۔ وہ پرندہ حضرت سلیمانؑ کا ہد ہد تھا جو تیزی سے اڑتا ہوا یردِ ظلم کی طرف آ رہا تھا۔

عقاب نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔ ”اے کبخت! تو کہاں مر گیا تھا۔ شہنشاہ

ہفت اقلیم کو تیری تلاش ہے اور وہ سخت ناراض ہیں۔ مجھے تیری تلاش میں بھیجا ہے۔ فرما رہے ہیں کہ اگر تو نے اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول دلیل پیش نہ کی تو تجھے عذاب میں ڈالا جائے گا۔“

ہد ہد نے اسی طرح اڑتے ہوئے جواب دیا۔ ”مجھ سے یہ غلطی ضرور ہوئی کہ میں شمشاہ کو بتائے بغیر غائب ہو گیا لیکن میں جس جگہ سے آرہا ہوں اور جو کچھ میں نے دیکھا ہے جب اس کا ذکر اور تفصیل بیان کروں گا تو مجھے امید ہے کہ ان کی ناراضگی دور ہو جائے گی اور کیا عجب کہ مجھے انعام و اکرام سے سرفراز فرمائیں۔“

عقاب نے ذرا بگڑتے ہوئے کہا۔ ”یہ تو اب دربار ہی میں جا کر معلوم ہو گا کہ حضرت سلیمان تجھے انعام دیتے ہیں یا ذبح کراتے ہیں۔“

اس موضوع پر باتیں کرتے ہوئے دونوں حضرت سلیمان کے دربار میں پہنچ گئے۔ حضرت سلیمان نے ہد ہد کو دیکھتے ہی سوال کیا۔ ”تو ہماری مرضی کے بغیر کہاں چلا گیا تھا؟“

ہد ہد بولا۔ (قرآن حکیم) ”میں ایک چیز کی خبر لایا ہوں۔“

حضرت سلیمان نے دریافت کیا۔ ”تو کہاں سے خبر لایا ہے؟“

ہد ہد نے جواب دیا۔ ”اے شمشاہ ہفت اقلیم! میں یمن کی ایک سلطنت سبا سے خبر لایا ہوں۔“

حضرت سلیمان نے توقف فرماتے ہوئے پوچھا۔ ”تو وہاں کس طرح گیا اور کیا خبر لایا ہے۔ اسے تفصیل سے بیان کر؟“

ہد ہد نے جواب دیا۔ ”اے نبی اللہ! جس وقت آپ کا تخت شاہ مور کی بستی میں اترتا تھا اس وقت میں نے ہوا میں بلند ہو کر اوہر اوہر نظر دوڑائی تو مجھے اپنا ایک ہم جنس ایک باغ کی دیوار پر نظر آیا۔ میں اڑ کر اس کے پاس جا پہنچا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو۔ میں نے بتایا کہ میں ملک شام سے آرہا ہوں اور حضرت سلیمان میرے آقا ہیں۔ اس نے آپ کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے لہا کہ حضرت سلیمان اس وقت شمشاہ ہفت اقلیم اور بادشاہ جن و انس و وحوش و

بلور اور جمیع مخلوقات ہیں۔ پھر میں نے اس سے دریافت کیا کہ تم کس ملک سے آئے ہو اور تمہارا بادشاہ کون ہے۔ تو اس نے مجھے بتایا کہ وہ ملک یمن سلطنت سبا کا رہنے والا ہے اور وہاں کی حاکم بلقیس نامی ایک خاتون ہیں جن کے تحت بارہ ہزار سردار اور ہر سردار کے ماتحت ایک ایک لاکھ کا لشکر ہے۔ مجھے اس کی بات پر بڑا نپ ہوا۔ اس نے مجھے حیران دیکھا تو اپنے ملک چلنے کی دعوت دی تاکہ میں خود اپنی آنکھوں سے وہ تمام چیزیں دیکھ سکوں جن کا اس نے ذکر کیا تھا۔ میں نے بہت عذر کیا کہ میرے آقا مجھے غیر حاضر پا کر ناراض ہوں گے اور سزا دیں گے مگر وہ اصرار کرتا رہا۔ میرے دل میں بھی تجسس پیدا ہوا اور میں اس کے ساتھ سلطنت سبا چلا گیا۔“

حضرت سلیمان اور تمام اراکین ہد ہد کی باتیں بڑی دلچسپی سے سن رہے تھے۔ ہد ہد خاموش ہوا تو حضرت سلیمان نے اس کی طرف اس طرح دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں کہ آگے بیان کر۔

ہد ہد نے کہا۔ ”میں نے شہر سبا پہنچ کر ملکہ بلقیس کو دیکھا کہ وہ عظیم تخت پر بیٹھی ہے۔ اس کے شاہی تخت کا طول و عرض تیس گز ہے اور وہ تمام کا تمام جواہرات سے رُخ ہے۔ اس کا کوئی شوہر نہیں اور وہ بے دین ہے۔“

حضرت سلیمان نے اسے ٹوکتے ہوئے دریافت کیا۔ ”سب باتیں تو ٹھیک ہیں ان تو نے یہ کیسے جانا کہ وہ بے دین ہے؟“

ہد ہد نے حضرت سلیمان کو جواب دیا۔ (قرآن) ”میں نے پایا اس صورت شاہی کرتی اپنی قوم کی اور اس کو ہر چیز عنایت کی گئی اور میں نے وہاں یہ بھی دیکھا کہ اس کی قوم اس کو سجدہ کرتی ہے اور وہ سب کے سب سورج کو سجدہ کرتے ہیں راکھ کو خدا مانتے تھے۔ حقیقی خدا کو کوئی نہیں جانتا تھا۔“

حضرت سلیمان نے فرمایا۔ (قرآن) ”ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹا ہے۔“

ہد ہد نہایت احترام سے بولا۔ ”اے نبی خدا! میں آپ سے جھوٹ نہیں بولتا۔ بے شک اس کی تصدیق فرمائیں۔“

حضرت سلیمانؑ نے ہد سے کہا۔ ”تو ہمارا خط بلقیس کے پاس لے جا۔“
جیسا کہ قرآن میں آیا ہے۔ ”اور کہا حضرت سلیمانؑ نے کہ میرا خط لے جاؤ
اور وہ خط لے جا کر اس کی طرف ڈال دو اور پھر اس کے پاس سے چلے جاؤ اور دیکھو
وہ کیا جواب دیتی ہے۔“

پھر جب حضرت سلیمانؑ نے ملکہ بلقیس کے نام پر ایک خط لکھا، اس پر مہر سلیمانی
لگا کر ہد کے حوالے کیا کہ اسے شہر سباجا کر بلقیس کو پہنچائے۔

ہد نے خط کو چونچ میں دیا اور دبایا میں بلند ہو کر سلطنت سباجا کی طرف چلا۔
اسے راستہ پہلے ہی معلوم تھا۔ اس لئے اسے سبائینچے میں کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ وہ
سیدھا بلقیس کے شاہی محل میں پہنچا۔ ملکہ بلقیس اس وقت اپنے خاص کمرے میں
استراحت فرما تھی۔ کمرے کے تمام دروازے بند تھے لیکن کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ ہد
ہد کھڑکی کے ذریعے ملکہ بلقیس کے کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے ملکہ بلقیس کو سوتے
پایا تو کچھ دیر سوچنے کے بعد خط کو ملکہ کے سینے پر رکھ کر چپکے سے نکل گیا۔

کچھ دیر بعد ملکہ بیدار ہوئی تو اپنے سینے پر خط رکھا دیکھ کر بڑی حیران ہوئی۔ اس
کے کمرے کے تمام دروازے بند تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ خط اس کے
پاس کیسے پہنچا اور اسے لے کر کون آیا۔ جب اس نے بند خط دیکھا تو اس پر حسرت
سلیمانؑ کی مرگئی ہوئی تھی۔ مہر سلیمانی کو دیکھ کر بلقیس بہت ڈری اس نے تمام
محافظوں اور کارپردازوں کو بلا کر پوچھا کہ انہوں نے کسی اجنبی کو اندر آتے جاتے
دیکھا ہے؟

کسی نے دیکھا ہوتا تو بتاتا۔ ہر ایک نے نفی میں جواب دیا۔ اس لئے خط وہاں
تک پہنچنے کا راز کسی طرح نہ کھل سکا۔

ملکہ بلقیس نے حضرت سلیمانؑ کا خط پڑھا تو اور زیادہ خوفزدہ ہوئی۔ اس نے اسی
وقت اپنا دربار لگایا۔ جب تمام وزیر اور امیر اپنی جگہ آ کر بیٹھ گئے تو ملکہ بلقیس نے
حضرت سلیمانؑ کا خط انہیں دکھاتے ہوئے کہا۔

(قرآن) ”اور کہنے لگی بلقیس۔ اے درباریو! مجھے بتاؤ کہ میرے پاس یہ خط کس

طرح پہنچا ہے اور وہ خط بڑی عزت و عظمت کا ہے۔ اور وہ ہے، حضرت سلیمانؑ کی
طرف سے اور اس خط کو شروع بھی اللہ کے نام سے کیا گیا ہے جو بڑا مہربان اور
نہایت رحم والا ہے اور اس میں لکھا ہے کہ تم اپنی سلطنت پر مت زور دکھاؤ اور
مسلان ہو کر میرے پاس چلی آؤ۔۔۔۔۔ اے درباریو! مجھ کو جواب دو کہ میں اپنے
کام میں کوئی کام تم پر مقرر نہیں کرتی جب تک تم حاضر نہ ہو۔“

یہ سن کر بلقیس کے درباریوں نے کہا۔ (قرآن) ”ہم صاحب قوت اور صاحب
ہج ہیں اور یہ کام تیرے اختیار میں ہے۔ سو تو دیکھ لے، جو حکم کرے۔“

ملکہ بلقیس نے کہا۔ ”حضرت سلیمانؑ نے مجھے اسلام کی دعوت دی ہے اور لکھا
ہے کہ تم آفتاب پرستی چھوڑ کر پوری طرح اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ اگر میں، ان کی
یہ بات نہیں مانوں گی تو وہ میری سلطنت کو برباد کر دیں گے۔ (قرآن) بادشاہ جس وقت
کسی بستی یا ملک میں داخل ہوتے ہیں تو وہ اس بستی کو خراب کر دیتے ہیں۔ چنانچہ
اگر میں نے انکار کیا اور اسی طرح ہمارے ملک میں داخل ہوئے تو پورے ملک کو
خراب کر دیں گے۔“

ایک سردار نے کہا۔ ”اے ملکہ! اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے آپ ہی
کوئی تدبیر کیجئے۔“

ملکہ بلقیس بولی۔ (قرآن) ”میں بھیجنے والی ہوں ان کی طرف ہدیے (تحائف) پھر
میں دیکھتی ہوں کہ وہ کس چیز کے ساتھ واپس آتا ہے۔ اگر سلیمانؑ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر
ہیں تو پھر ان کے ساتھ کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ میں ہدیہ بھیج کر آزمائش کرتی
ہوں۔ اگر وہ خدا کے پیغمبر ہیں تو وہ ہدیہ نہیں لیں گے اور میرے اسلام نہ لانے کے
برکھ کی طرح سے راضی نہ ہوں گے۔“

بلقیس کے وزیر باتدبیر نے کہا۔ ”اے ملکہ بلقیس! تمہاری جو سمجھ اور مرضی میں
آئے وہ کرو۔ ہم تو تمہارے حکم کے پابند ہیں۔“

ملکہ بلقیس کا قصہ، حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ تمام دنیا میں مشہور ہے۔

اس کا جتہ جتہ ذکر آسانی صحیفوں اور تاریخوں میں موجود ہے۔ روایتوں کا تو یہ حال ہے کہ ان کا بیان بھی مشکل ہے، بہر حال ملکہ سبا بلیقیں اپنے حسن و جمال اور شہانہ و بدبے کی وجہ سے ضرب المثال بن گئی ہیں اور ان کا قصہ حضرت سلیمانؑ کے قصے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

ملکہ بلیقیں کا سلسلہ نسب مورخین نے اس طرح بیان کیا ہے۔ بلیقیں بنت یشرع بن حارث بن قیس بن مینی بن شجب بن حرب بن قحطان۔ لیکن بعض درخ ان کا شجرہ یوں بتاتے ہیں۔ بلیقیں بنت بشر بن تغ بن تغ ذی المنا بن تغ ذی زرائش ہے اور لقب ہداد ہے۔ کچھ ان کے والد کا نام حارث بن سبا بتاتے ہیں۔ بعض کے خیال میں وہ شیبان کی بیٹی تھیں اور بعض کے نزدیک شرائیل کی دختر نیک ختر تھیں۔ ان کی والدہ کا نام رواحہ یا ریحانہ بنت سکن تھا۔

ملکہ بلیقیں کے والدین کے سلسلہ میں یہ حدیث بہت مشہور ہے۔ ان اہل ابوی بلیقیں کلان جنہا۔ (بلیقیں کے ماں، باپ میں سے ایک شخص جنی تھا۔)

اس حدیث کی رعایت سے تذکرہ نویسوں نے بلیقیں کی ماں کو جنبہ بتایا ہے۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ باپ بغیر وصیت کے مر گیا تھا۔ اس کے بعد بلیقیں کا چچا زاد بھائی تخت پر قابض ہو گیا مگر اس کی بدعنوانیوں سے رعیت تنگ آگئی اور اسے قتل کر کر بلیقیں کو ملکہ بنا دیا۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ بلیقیں کا باپ، بادشاہ نہیں وزیر تھا۔ وہ بادشاہ بہت بدکار تھا۔ جب بلیقیں کا باپ مر گیا اور وہ جوان ہوئی تو بادشاہ نے اسے اپنے تصرف میں لانا چاہا۔

بلیقیں جس قدر خوبصورت تھی اتنی ہی عاقل و دانا بھی تھی۔ اس نے حکمت عملی سے کام لیا اور بادشاہ کو قتل کرا دیا۔ رعیت پہلے ہی بدکار بادشاہ سے بیزار تھی۔ اس نے بلیقیں کو ملکہ سبا بنا دیا۔

ملکہ بلیقیں کے متعلق ہزاروں روایتیں تاریخ کے صفحات پر بکھری ہوئی ہیں لیکن ان میں بیشتر ایسی ہیں جنہیں عقل قبول نہیں کرتی۔ بہر حال تمام مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ بلیقیں حسن و جمال اور عقل و فراست کا ایک اعلیٰ پیکر تھی۔ اس کی

زبانی ایسی نہ تھی کہ کوئی ایک بار دیکھے تو دوبارہ دیکھنے کی آرزو نہ کرے۔ وہ دھیسے لہجے میں گفتگو کرتی اور سنجیدہ سے سنجیدہ گفتگو کے دوران بھی مسکراتی رہتی۔ اس کی اس زبانی کی وجہ سے اس کا مخاطب سحرزدہ ہو جاتا اور اس کی بات بغیر کسی دلیل کے تسلیم کر لیتا۔

ملکہ سبا بلیقیں کے جاہ و جلال، افواج اور حدود مملکت کے بارے میں بھی بہت زیادہ مبالغے سے کام لیا گیا ہے۔ ایک جگہ بلیقیں کی فوج کی تعداد صرف چالیس ہزار امیروں، وزیروں اور ارکان شوریٰ کی مجموعی تعداد تین سو بیان کی گئی ہے اور یہی ان قیاس معلوم ہوتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ بڑے جاہ و جلال سے حکومت کرتی تھی اور اس کے خزانے مال و دولت اور ہیرے جواہرات سے بھرے ہوئے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت سلیمانؑ اپنے قاصد کے ذریعے خط بھیج کر اسے اسلام دوارے میں لانے کی کوشش نہ کرے۔

ملکہ سبا بلیقیں نے اپنے وزیروں، امیروں اور درباریوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا پھر وہ مخالف کے انتخاب میں مصروف ہوئی جو حضرت سلیمانؑ جیسے جلیل القدر بادشاہ، حضور میں بھیجے جانے تھے۔ وہ ایک تحفہ پسند کرتی پھر اسے یہ کہہ کر رو کر دیتی کہ اس سلیمانؑ کے شایان شان نہیں۔ ہر انتخاب کے موقع پر حضرت سلیمانؑ کی تحریر کی نظروں کے سامنے آ جاتی۔ دراصل وہ چاہتی تھی کہ حضرت سلیمانؑ کو ایسے تحفے بھیجے جو ایک طرف تو حضرت سلیمانؑ کو پسند آجائیں اور دوسری طرف ان اس کی دولت و امارت کا بھی مظاہرہ ہو جائے۔

بڑے سوچ بچار کے بعد سات پردے زر، مفت کے اور سات سات اینٹیں سونے کی، بلیقیں نے یہ سوچتے ہوئے منتخب کیں کہ یہ اس کے عظمت کی غمازی بھی ملے گی اور حضرت سلیمانؑ کے شایان شان بھی ہوں گی۔

ملکہ بلیقیں نے ایک نیک سابع اور دن دیکھ کر یہ تحفے ایک ایلچی کے ہاتھ حضرت سلیمانؑ کے دربار یروشلم کی طرف روانہ کئے۔ ایلچی کو زبانی بھی یہ پیغام دیا کہ حضرت سلیمانؑ کو اس کی طرف سے ادب سے سلام پہنچائے اور پھر اس حقیر نذرانے

کو قبول فرمانے کی درخواست کرے۔

ایلیچی تحائف لے کر تیزی سے یروشلیم کی طرف روانہ ہوا لیکن جنوں اور طبر نے ایلیچی کے ملک سبا سے روانہ ہوتے ہی حضرت سلیمانؑ کو خبر پہنچا دی اور یہ تفصیل بھی بتائی کہ ملکہ سبا بلیقیس نے سات پروے زر، نخت اور سات سات اینٹیں سونے اور چاندی کی آپ کے لئے بطور نذرانہ روانہ کی ہیں۔ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ سات پروے زر، نخت اور سات سات اینٹیں سونے اور چاندی کی بالکل اسی طرح کی محل کی دیواروں سے حاصل کی جائیں اور وہ دربار میں ایلیچی کے آنے سے پہلے ہی پہنچا دی جائیں۔

کچھ دن بعد ملکہ سبا بلیقیس کا ایلیچی تحائف لئے حضرت سلیمانؑ کے محل کے پاس پہنچا تو محل کے در و دیوار کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے دیکھا کہ محل کی تمام دیواریں، سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنی ہوئی ہیں اس نے سوچا جس محل کی دیواریں ایسی ہیں اس کے اندر کیا کچھ ہو گا اور یہاں کا بادشاہ کیسی شان و شوکت مالک ہو گا۔ غرض یہ کہ وہ محل پر نظر ڈالتے ہی ایسا مرعوب ہوا کہ اسے اپنی ملکہ بلیقیس کے بھیجے ہوئے تمام تحفے حقیر نظر آنے لگے۔

ایلیچی نے صدر دروازے پر پہنچ کر محافظوں کو اپنا نام اور پتہ بتایا پھر اپنے آنے مقصد بیان کیا۔ محافظوں کو ایلیچی کے آنے کی خبر پہلے ہی دی جا چکی تھی۔ انہوں نے ایلیچی کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور نہایت عزت و احترام سے اندر لے گئے۔ محل کے اندر کی آن بان دیکھ کر ایلیچی کے ہوش اڑ گئے۔ ناگاہ اس کی نظر اب دیوار پر پڑی جہاں سے سات اینٹیں سونے کی اور سات اینٹیں چاندی کی اکھاڑی معلوم ہوتی تھیں۔ ان اینٹوں کا حجم اور وزن تقریباً اتنا ہی تھا جتنا اس کی اینٹوں تھا۔ وہ دل میں ڈرا کہ کیسے ایسا نہ ہو کہ جب وہ یہ تحائف پیش کرے تو حضرت سلیمانؑ اس پر چوری کا الزام لگائیں اور کہیں کہ یہ چیزیں تم نے ہمارے محل پر چوری کی ہیں۔ زر، نخت کے جو پروے وہ اپنے ساتھ لایا تھا، بالکل اسی طرح ہزاروں پروے، محل کے دروازوں پر پڑے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ اور ڈرا۔

حضرت سلیمانؑ کے جاہ و جلال سے پہلے ہی مرعوب ہو چکا تھا۔ اب جو اس کی زبان سے یہ سنا تو اس پر ہیبت و دہشت سے لرزہ طاری ہو گیا۔ اس نے ناجلدی تحائف سمیٹے اور ایسا سر پر پیر رکھ کر بھاگا کہ دربار بلیقیس ہی میں جا کر دم لگے بلیقیس کو معلوم ہوا کہ اس کے تحائف، حضرت سلیمانؑ نے واپس کر دیئے

ہیں تو جی میں بہت ڈری اور قاصد کو دربار میں بلا بھیجا۔ قاصد پر حضرت سلیمانؑ ایسی ہیبت طاری تھی کہ وہ دیر تک بات کرنے کے قابل نہ ہو سکا۔

ملکہ بلقیس نے پوچھا۔ ”اے قاصد! تو اتنا گھبرایا ہوا کیوں ہے؟ کیا تجھ پر کوئی نرا ہوا؟“

قاصد نے حواس درست کرتے ہوئے کہا۔ ”اے ملکہ سبا! مجھ پر حضرت سلیمانؑ کے کسی آدمی نے ظلم نہیں کیا۔ انہوں نے میری بڑی خاطر مدارات کی لیکن حضرت سلیمانؑ کے محل کی شان و شوکت اور دربار کی جگہ دھج ایسی تھی کہ میرے پاس اس کے بیان کے الفاظ نہیں۔ آپ نے سات، سات اینٹیں سونے اور چاندی کی بچھ تھیں۔ ان کے محل کی فصیل ہی ایسی اینٹوں سے تیار ہوئی ہے اور فصیل بھی ایسی

اس کا طول اور عرض تیس کوس ہے۔ آپ کے سات پردے زر و نخت کے وہاں حقیقت رکھتے ہیں جہاں کے ہزاروں دروازوں پر ایسے ہی پردے آویزاں نظر آتے ہیں۔ اے ملکہ! میں وہاں کا حال کیا بیان کروں حضرت سلیمانؑ کے تخت کو دیکھ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ صرف ہزار کرسیاں سونے اور چاندی کی ان کے امیروں کے لئے بچھائی جاتی ہیں۔ غلاموں کی تعداد کا میں اندازہ نہیں کر سکا۔“

ملکہ نے دبی آواز سے پوچھا۔ ”پھر ہمارے تحائف کے بارے میں انہوں نے فرمایا اور واپس کیوں کر دیئے؟“

قاصد نے کہا۔ ”اے ملکہ! انہوں نے آپ کے تحفے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ خدا نے اتنا کچھ انہیں دیا ہے جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتیں اور پھر جلال کے ساتھ فرمایا کہ اب وہ ہمارے ملک پر لشکر کشی کریں گے اور ہمیں ذلیل کر کے ملک سبا سے نکال دیں گے۔“

ملکہ لرز اٹھی اور بولی۔ ”حضرت سلیمانؑ نے تم سے میرے بارے میں کچھ پوچھا؟“

قاصد نے جواب دیا۔ ”جی نہیں۔ انہوں نے آپ کے یا آپ کے ملک کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ وہ صاحب حیثیت بادشاہ ہیں اور نبوت کے درجے

سرفراز معلوم ہوتے ہیں کیونکہ میں نے جنوں کو ان کے دربار میں درباری کرتے دیکھا ہے۔“

ملکہ سبا بلقیس بولی۔ ”بے شک! وہ نبی ہوں گے لیکن میں پوری پوری تحقیق کروں گی۔ میں ان سے معجزے کی فرمائش کروں گی۔ کیونکہ پیغمبری کی اصل دلیل معجزہ ہوا کرتی ہے۔ اگر انہوں نے معجزہ دکھایا تو میں ضرور ان پر ایمان لے آؤں گی۔“

قاصد نے ملکہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ”اے ملکہ! ان سے معجزے کی فرمائش کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ ان کا محل، تخت اور وہاں کی ایک ایک چیز معجزے سے کم نہیں۔ محل و دربار کی ہر چیز ایسی ہے جسے انسانی ہاتھ اور طاقت تیار کر ہی نہیں

ملکہ بلقیس نے اسے کوئی جواب نہیں دیا اور رخصت کر دیا۔

ملکہ بلقیس رات بھر اس بارے میں سوچتی رہی اور حضرت سلیمانؑ کی نبوت کو انہوں نے پر غور کرتی رہی۔ صبح ہوئی تو اس نے حکم دیا کہ ایک سو کم عمر کینز زادیاں اور ایک سو نو نوجوان نازک بدن غلام بچے حاضر کئے جائیں۔ اس کے حکم کی تعمیل فوراً ہوئی اور دو سو بچے بچیاں جن کی ددر سے شناخت کرنا قطعی ناممکن تھا، بلقیس کے سامنے پیش کئے گئے۔ ملکہ نے دوسرا حکم دیا کہ ان سب کو ایک ہی طرح کے لباس پہنائے جائیں۔ جب اس کے حکم کی تعمیل ہوئی تو ملکہ خود ان کی جنس معلوم کرنے سے قاصر رہی۔

دوسرا کام اس نے یہ کیا کہ ایک سونے کی ڈبیہ میں ایک درناستہ (بغیر چھید کا بند کر کے رکھ دیا۔ ایک صندوقچی میں اس نے ایک خالی ساغر رکھ کر بند کر دیا۔ اس نے چند پتھرے اور پتھریاں منگوائیں اور انہیں ایک ساتھ باندھ دیا۔

اس کام سے مطمئن ہونے کے بعد اس نے حضرت سلیمانؑ کے دربار میں بھیجنے کے لئے ایک سفارت ترتیب دی۔ اس سفارت میں اس نے اپنے دربار کے ذہین آدمیوں کو شامل کیا جن کی عقل و دانش کو وہ پہلے بھی آزما چکی تھی۔

دراستی سے پہلے بلقیس نے اپنے ان دانشوروں کو اپنے پاس بلا کر خوب اچھی

چیزیں وہ ساتھ لائے تھے وہ پیش کرنے کی اجازت چاہی۔ حضرت سلیمانؑ نے اجازت دے دی۔

وفد نے سب سے پہلے کنیز اور غلام بچے، بچیوں کو حضرت سلیمانؑ کے حضور پیش کیا۔ ان سب کے لباس، ایک رنگ اور ایک ہی تراش کے بنے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ ان میں کون لڑکی ہے اور کون لڑکا ہے۔

حضرت سلیمانؑ نے حکم دیا کہ ہاتھ دھونے کا آفتابہ لا کر ان سب کے ہاتھ دھوائے جائیں۔ آفتابہ لایا گیا اور ایک ایک کر کے سب بچے اور بچیوں نے ہاتھ دھونا شروع کر دیئے۔ ان میں نصف تعداد ایسی تھی جنہوں نے صرف انگلیاں دھوئیں اور بقیہ نصف نے آستینیں چڑھا کر اپنے ہاتھ اوپر تک دھوئے۔

حضرت سلیمانؑ نے وفد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اے ملکہ سبا کے دانشورو! جاؤ اور دیکھو کہ جس جس نے آستینیں چڑھا کر ہاتھ دھوئے ہیں وہ سب لڑکیاں ہیں اور جنہوں نے صرف انگلیاں دھونے پر اکتفا کیا ہے وہ سب لڑکے ہیں۔ کیونکہ مرد اور عورت کی فطرت اور عادت میں بنیادی فرق یہی ہے۔“

حضرت سلیمانؑ کے غلاموں نے انہیں الگ الگ کر دیا تھا۔ وفد اراکین نے جب ان کے پاس جا کر پڑتال کی تو حضرت سلیمانؑ کی بات سچ نکلی۔ وفد کے دانشور حضرت سلیمانؑ کے قائل ہو گئے۔

پھر حضرت سلیمانؑ نے درناستہ کو اپنی ہتھیلی پر رکھ کر ایک کیرے کو حکم دیا کہ اس میں سوراخ کرو۔ کیرے نے فوراً حضرت سلیمانؑ کے حکم کی تعمیل کی۔ کیونکہ حضرت سلیمانؑ بادشاہ جمع مخلوقات تھے۔ حضرت سلیمانؑ نے موتی، وفد کے حوالے کر دیا۔ وفد کے اراکین اس میں سوراخ دیکھ کر حیران رہ گئے۔

حضرت سلیمانؑ کے حکم سے پھڑپھڑوں اور پھڑپھڑوں کو سامنے میدان میں لایا گیا۔ آپ نے حکم دیا کہ ان سب کے سامنے چارہ ڈالا جائے۔ جانوروں کے آگے چارہ ڈال دیا گیا۔ ان میں سے کچھ نے فوراً ہی کھانا شروع کر دیا اور کچھ تھوڑی دیر تک ادھر ادھر سر جھٹکنے کے بعد بڑی بے دلی سے چارے کی طرف راغب ہوئے۔ حضرت

طرح سمجھایا اور کہا۔ ”اے دانشورو! اس بات کا خیال رکھنا کہ تم دنیا کے عظیم ترین بادشاہ اور ایک آسمانی پیغمبر کے دربار میں جا رہے ہو۔ خبردار! تم سے کوئی ایسی غلطی نہ سرزد ہو جائے جو ان کی ناراضگی اور میری شرمندگی کا سبب بن جائے۔ اپنے سر جھکائے رکھنا مگر آنکھیں اور کان کھلے رکھنا۔ اس لئے کہ مجھے حضرت سلیمانؑ کی نبوت کا امتحان منظور ہے۔

ان سے کہنا۔

”اے بادشاہ! اگر آپ نبی ہیں تو غلام بچوں اور بچیوں میں امتیاز کیجئے۔ اگر کسی طرح وہ ان کی پہچان کر لیں تو ان سے پوچھنا کہ ان پھڑپھڑوں اور پھڑپھڑوں کی شناخت کس طرح کی جا سکتی ہے۔ اگر وہ اپنی نبوت کے زور سے یہ کام بھی کر دیں تو پھر درناستہ کو سفتہ کر دکھائیے یعنی اس میں اس طرح سوراخ کیجئے کہ نہ تو آہن استعمال کیا جائے اور نہ الماس سے کام لیا جائے کیونکہ صرف انہی دو چیزوں کی مدد سے یا قوت میں سوراخ کیا جا سکتا ہے۔ اگر حضرت سلیمانؑ اپنی خفہ طاقتوں کے ذریعے یا قوت میں سوراخ کر دیں تو پھر صندوقے میں بند ساغر کو انہیں دینا اور کہنا کہ اسے ایسے پانی سے بھر دیجئے جو نہ تو زمین سے نکلا ہو اور نہ آسمان سے برسا ہو۔

ملکہ سبا نے سفارت کو ہدایات دے کر حضرت ”سلیمانؑ“ کے دربار روانہ کیا مگر دل میں ڈر رہی تھی کہ کہیں حضرت سلیمانؑ اس آزمائش سے ناراض ہو کر ملک سبا حملہ نہ کر دیں۔

ملکہ بلقیس کا وفد حضرت سلیمانؑ کے محل پر پہنچا تو اس کی اسی طرح خاطر مدارات کی گئی جیسے قاصد کی گئی تھی۔ محل اور دربار کی شان و شوکت اور عظمت و جلالت دیکھ کر یہ وفد بھی حیرت و استعجاب کے سمندر میں غوطے کھاتا رہا۔ وفد نے وہاں کی ہر چیز کو تحیل و تصور سے بلند پایا۔

وفد کی پذیرائی کے لئے حسب سابق ایک بار پھر دربار آراستہ ہوا۔ حضرت سلیمانؑ تخت پر رونق افروز ہوئے اور وفد کو باریابی کی اجازت دی وفد کے اراکین نے ملکہ بلقیس کا سلام و پیام حضرت سلیمانؑ کو پہنچایا اور معجزہ دکھانے کے سلسلے میں

سلیمانؑ کے غلاموں نے انہیں بھی الگ الگ کر کے دو قطاروں میں کھڑا کر دیا۔

حضرت سلیمانؑ نے وفد سے فرمایا۔ ”اے بلقیس کے درباریو! ایک قطار میں تمام کی تمام ہچھڑیاں ہیں کیونکہ انہوں نے فوراً چارے میں منہ ڈال دیا تھا اور دوسری قطار میں ہچھڑے ہیں۔ انہوں نے کھانے میں توقف کیا اور بے ولی سے کھانا شروع کیا۔“

بلقیس کے وفد نے میدان میں جا کر تصدیق کی تو حضرت سلیمانؑ کے قول کو سچا اور درست پایا۔

وفد کے ارکان نے ساغر والی سونے کی صندوقچی، حضرت سلیمانؑ کے سامنے لا کر رکھ دی۔

حضرت سلیمانؑ نے صندوقچی سے ساغر نکال کر امیر وفد کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا۔ ”تم لوگ اپنے گھوڑوں کو میدان میں دوڑاؤ۔ ان کے جسم سے جو پسینہ نکلے، اس سے ساغر میں بھر لو۔ وہ ایسا پانی ہو گا جو نہ تو زمین سے نکلا ہے اور نہ ہی آسمان سے برسا ہے۔“

وفد کے ارکان حیرت زدہ رہ گئے۔ انہوں نے حضرت سلیمانؑ کے حکم کی تعمیل کی اور گھوڑوں کو بھگایا۔ بھاگنے دوڑنے سے ان کے جسم سے پسینہ خارج ہو کر ٹپکنے لگا اور اس پسینے سے ساغر بھر گیا۔

وفد کے ارکان نبوت کے یہ کرشمے دیکھ کر بوکھلا گئے۔ اب انہیں وہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہ تھی۔ انہوں نے واپسی کی اجازت چاہی اور حضرت سلیمانؑ نے انہیں عزت کے ساتھ رخصت کیا۔



ملکہ بلقیس کا وفد واپس شہر سببا پہنچ گیا۔ بلقیس وفد کی واپسی کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ اس نے ارکان کو فوراً وہاں طلب کر لیا۔ وفد کے ارکان لرزاں و ترس و ہراس میں حاضر ہو کر تعظیم بجالائے۔

ملکہ بلقیس نے پوچھا۔ ”تم لوگ گھبرائے اور پریشان معلوم ہوتے ہو۔ دربار

سلیمانؑ کی وہشت تم پر بھی سوار ہے۔ مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ حضرت سلیمانؑ کس کس آزمائش سے اور کیونکر گزرے؟“

وفد کے سربراہ نے جواب دیا۔ ”اے ملکہ! دربار سلیمانؑ کا کیا کہنا۔ ایسا و بار بار ہم نے کبھی دیکھا نہ سنا۔ وہاں کی ہر چیز اعلیٰ و افضل ہے جسے دیکھ کر عقل و نگ رہ جاتی ہے۔ آپ ان کی آزمائش کو نہ سہتی ہیں۔ انہوں نے تو ہر مسئلے اور ہر سوال کو یوں حل کر دیا جیسے بچے کتنی گنتے ہیں۔“

حضرت سلیمانؑ نے آپ کا در نامہ ہتھیلی پر رکھ اور مجھے واپس کر دیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ در نامہ نہیں بلکہ سفتہ تھا۔ ان کے ہاتھ کے لمس سے اس میں آپ ہی آپ سوراخ ہو گیا۔ یہ معجزہ نہیں بلکہ معجزے سے بڑھ کر کوئی چیز ہے۔ کینز، غلام بچوں اور بچیوں کی شناخت میں انہیں کوئی وقت نہیں ہوئی، ہچھڑے اور ہچھڑیاں، ان کے حکم سے جیسے آپ ہی آپ الگ ہو کر قطاروں میں جا کھڑے ہوئے، آپ کے پیچھے ہوئے ساغر کو انہوں نے گھوڑوں کے پسینے سے بھرا کر اعلیٰ ترین ذہانت کا مظاہرہ کیا۔ وہ نبی اور برحق پیغمبر ہیں۔ میں ان کی گواہی دینے کو تیار ہوں۔“

ملکہ بلقیس نے اپنے وزیر سے پوچھا۔ ”اے وزیر! تدبیر تیرا کیا خیال ہے؟“ وزیر نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔ ”اے ملکہ سبا! عقل و دانش اور فہم و فراست میں تیرا مقام ہم سے برتر ہے۔ ہم تجھے کیا رائے دے سکتے ہیں۔ بلکہ ہم تو خود تیرے مشورے کے خواستگار ہیں۔“

ملکہ بلقیس فیصلہ کن انداز میں بولی۔ ”تو اے درباریو! میں، حضرت سلیمانؑ کی نبوت کی دل سے قائل ہوئی۔ میں چاہتی ہوں کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت قبول کر لوں۔“

وزیر نے جواب دیا۔ ”ملکہ نے بڑی عقلمندی کا فیصلہ کیا ہے۔ اگر ہم نے حضرت سلیمانؑ سے جنگ کا ارادہ کیا تو ان کے کہنے کے مطابق ضرور تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے آپ اس دربار اعلیٰ میں پہنچ کر ملک سبا اور رعیت کے لئے امان حاصل کیجئے۔“

بلیس کی ماں رواج جو جنبہ تھی اس کا اس جن سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا تھا جس کا بدلہ وہ بلیس سے لینا چاہتا تھا۔

حضرت سلیمان نے حکم دیا کہ شاہی تخت کے سامنے ایک خوبصورت حوض بنایا جائے اور اس میں طرح طرح کی رنگ برنگی مچھلیاں ڈالی جائیں پھر حوض کے اوپر بلیس کے آنے والے راستے میں شیشے کا ایک بل پانی کی سطح کے برابر بنایا جائے لیکن وہ اس طرح کا ہو کہ دکھائی نہ دے اس سے مقصد یہ تھا کہ جب بلیس تخت کے پاس آنے کے لئے حوض کی طرف بڑھے گی تو اس کے راستے میں پانی حائل ہو گا۔ شیشے کا بل۔ اسے نظر نہیں آئے گا اس لئے وہ پانیچنے چڑھا کر حوض پار کرے گی۔ اس طرح اس کی پندلیوں کا عکس پانی میں پڑے گا اور یہ معلوم ہو جائے گا کہ اس کی ساقوں پر بال ہیں یا نہیں۔ حضرت سلیمان کے حکم کی دیر تھی کہ فوراً حوض تیار کیا گیا اور اس پر شیشے کا بل اس طرح بنایا گیا کہ کسی کو بھی نظر نہ آتا تھا۔

اس کے بعد حضرت سلیمان نے درباریوں پر نظر ڈالی اور فرمایا۔ (قرآن) ”کہا حضرت سلیمان نے کہ اے درباریو! تم میں کوئی ہے کہ لے آوے میرے پاس تخت بلیس کا پہلے اس سے کہ وہ آوے میرے پاس۔ کہا ایک جن نے جنوں میں سے کہ لے آؤں گا آپ کے پاس اس کا تخت پہلے اس سے کہ آپ انھیں اپنی جگہ سے اور (تحقیق) میں البتہ اس پر زور آور ہوں بامنت اور بامانت اس واسطے کہا۔“

حضرت سلیمان کا وزیر آصف بن برخیا جو دربار میں پہلی کرسی پر بیٹھا تھا کھڑے ہو کر بولا۔ (قرآن) ”کہا اس شخص نے کہ نزدیک اس کے علم تھا (یعنی اسم اعظم وہ اللہ تعالیٰ کا جانتا تھا) میں لے آؤں گا آپ کے پاس تخت بلیس کا پھر آوے طرف آپ کے نظر آپ کی (یعنی نظر گھمانے کے وقفے کے دوران گویا پلک جھپکاتے۔“

چنانچہ حضرت سلیمان کے حکم دیتے ہی آصف بن برخیا نے اسم اعظم پڑھا اور صرف ایک بل میں بلیس کا وہ تخت جسے بلیس کے آدمیوں نے ہفت در بندہ خانے میں رکھ کر پہرہ لگا دیا تھا، حضرت سلیمان کے پاس پہنچ گیا۔ بلیس کا یہ تخت نہایت بیش قیمت تھا اور اس میں طرح طرح کے جواہر لگے ہوئے تھے۔

ملکہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔ ”میں کل ہی دربار سلیمان کی طرف روانہ ہو جاؤں گی۔ تم میرے اس تخت شاہی کو ہفت در بندہ خانے میں پہنچا دو اور اس پر تخت پہرہ لگا دو تاکہ کوئی دشمن اسے حاصل نہ کر سکے کیونکہ تخت شاہی بادشاہت اور حکومت پر ولالت کرتا ہے۔ میں واپس آ کر اسے نکال لوں گی۔“

وزیر نے کہا۔ ”آپ اطمینان سے تشریف لے جائیے۔ ہم تخت کی حفاظت اپنی جان سے بڑھ کر کریں گے۔ دور دور تک پہرہ لگا دیا جائے گا تاکہ کوئی پرندہ بھی پر نہ مار سکے۔“

ملکہ بلیس نے دربار درخواست کر دیا اور رواجی کے انتظام میں مصروف ہوئی۔ اس کے وزیر نے بلیس کا تخت شاہی دربار سے اٹھا کر ہفت در بندہ خانے میں پہنچا دیا۔ اس کے ساتھ دروازے اچھی طرح مقفل کرائے اور صدر دروازے پر زبردست پہرہ لگا دیا۔ جس عمارت میں ہفت در بندہ خانہ تھا اس کے چاروں طرف بھی سوار اور پیادے مقرر کر دیئے۔

دوسری صبح سورج نکلنے سے پہلے ملکہ سبا بلیس بڑی آن بان سے دربار حضرت سلیمان کی طرف روانہ ہوئی۔ اس کے ساتھ ایک لشکر جبار تھا۔ دائیں بائیں لوہڈو غلام زرق برق لباس میں پروانہ دار چل رہے تھے۔

ادھر تو ملکہ بلیس کا لشکر اپنی منزل کی طرف رواں تھا ادھر حضرت سلیمان کی تابع اور فرمانبردار ہوا، دربار سلیمان میں پہنچی اور ملکہ بلیس کی ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ اس طرف آنے کی خبر حضرت سلیمان کو پہنچائی۔

ہوا کے آنے سے پہلے ایک جن نے یہ خبر حضرت سلیمان کو پہنچا دی تھی۔ جن شاید ملکہ بلیس کا مخالف تھا اور اسے ذلیل و رسوا کرنا چاہتا تھا۔ اس نے بلیس آمد کی خبر کے ساتھ حضرت سلیمان کو یہ بھی بتایا کہ بلیس کی ساقوں (پندلیوں) پر سیاہ بال ہیں۔ ساقوں پر بال ہونا عورت کے لئے بڑا معیوب خیال کیا جاتا ہے۔ جن نے یہ بتا کر حضرت سلیمان کو دراصل بلیس کی طرف سے بدظن کرنے کی کوشش کی تھی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ جن بلیس کے اس لئے خلاف تھا

اس سے کہا۔ ”ایسا ہے، تیرا تخت؟“
تب وہ اپنے تخت کے پاس جا کر بولی۔ ”گویا یہ وہی تخت ہے اور معلوم ہو چکا ہے ہم کو کسی ذریعے سے اور ہم تو مسلمان ہو چکے ہیں۔“
اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ بلقیس پہلے ہی دل میں ایمان لا چکی تھی۔ اس لئے اسے تخت پہنچانے میں کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بلقیس عقلمند اور ہوشیار تھی۔

اس واقعے کے متعلق ایک اور روایت بیان ہوئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ بلقیس کے ماؤں پر بکری جیسے بال تھے۔ جب وہ پانچے اٹھا کر حوض سے گزرنے لگی تو حضرت سلیمانؑ کو اس کا علم ہوا پھر حضرت سلیمانؑ نے بال دور کرنے کی ایک دوا تجویز فرمائی۔ اس دوا کا نام ”نورہ“ لکھا گیا ہے۔ یہ دوا بہت مشکل سے تیار ہوتی تھی۔
ملکہ سبا بلقیس ایمان لا چکی تھی۔ اس نے حضرت سلیمانؑ کی باوشاہت اور نبوت کو تسلیم کر لیا اور ان کی اطاعت کا اعلان کر دیا۔ حضرت سلیمانؑ نے ملکہ بلقیس سے شک فرمایا اور اس کے لئے ایک نہایت عالی شان محل تعمیر کرایا۔



قرآن حکیم اور دیگر آسمان کتب میں ملکہ سبا بلقیس اور حضرت سلیمانؑ کے نکاح کا ذکر موجود نہیں ہے۔ بعض کا قول ہے کہ جب بلقیس نے اسلام قبول کیا تو حضرت سلیمانؑ نے اسے حکم دیا کہ وہ کسی سے نکاح کر لے بلقیس نے نکاح سے انکار کر دیا لہذا حضرت سلیمانؑ نے اسے سمجھایا کہ اسلام میں نکاح ایک ضروری چیز ہے۔

چنانچہ بلقیس رضامند ہو گئی اور خود بلقیس کے کہنے پر اس کا نکاح ہمدان کے بادشاہ ذاتیج سے کر دیا گیا۔ نکاح کے بعد بلقیس اپنے وطن سبا چلی گئی اور حضرت سلیمانؑ کے انتقال کے بعد بھی سبا پر بدستور حکومت کرتی رہی۔ اس کی حکمرانی کی لمبی مدت چالیس سال بتائی جاتی ہے۔

لیکن زیادہ تر علمائے کرام اور مفسرین و مفکرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ملکہ سبا بلقیس کا عقد حضرت سلیمانؑ سے ہوا تھا۔ ان کے خیال میں یہ دلیل درست نہیں

حضرت سلیمانؑ نے فرمایا۔ (قرآن) ”روپ بدل کر دکھاؤ“ اس عورت کو اس کا تخت۔ تاکہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ اس میں سوجھ بوجھ ہے یا نہیں یا ان لوگوں میں اس کا شمار ہے جن میں سوجھ بوجھ نہیں۔“

ملکہ بلقیس کا تخت جواہرات سے مرصع تھا۔ حضرت سلیمانؑ کے حکم سے تمام ہیرے جواہرات اکھاڑ دیئے گئے اور پھر انہیں از سر نو دوسرے قرینے سے مرصع کیا گیا۔ ہیروں اور جواہرات کی جگہ بدل دینے سے اس تخت کا روپ ہی بدل گیا تھا۔ اس سے مقصد بلقیس کی عقل کی آزمائش تھی اور پھر اپنا معجزہ دکھانا مقصود تھا۔

کچھ دن بعد ملکہ سبا بلقیس اپنے لشکر کے ساتھ حضرت سلیمانؑ کے محل میں پہنچی تو محل کی تعمیر و تزئین سے بڑی حیران ہوئی اور دل میں سوچا کہ جو کچھ لوگوں نے مجھے بتایا وہ بے شک ٹھیک تھا۔ یہ شان و شوکت، ایک شاہ ہفت اقلیم اور نبی ہی کی ہو سکتی ہے۔ وہ دل ہی دل میں ان کی نبوت کی قائل ہو کر مسلمان ہو گئی۔

بلقیس جب سرور بار پہنچی تو حضرت سلیمانؑ کو تخت شاہی پر رونق افروز دیکھا۔ جڑاؤ تخت اور سونے چاندی کے درختوں اور پرندوں کی چمک دمک کر اس کی آنکھیں خیرہ ہونے لگیں۔

وہ آگے بڑھی تو تخت سلیمانؑ اور اپنے درمیان پانی سے بھرے حوض کو حائل دیکھا۔ جب اسے دوسری طرف جانے کا کوئی راستہ نظر نہ آیا تو اس نے پانی بچے گھٹنوں تک چڑھا لئے تاکہ لباس نہ بھیجے حضرت سلیمانؑ کی نظریں اس کی ساتوں پر پڑیں تو انہیں معلوم ہوا کہ وہاں بال بالکل نہیں ہیں اور جن کا یہ کہنا غلط ہے کہ بلقیس کی ساتوں پر بال ہیں۔

بلقیس نے حوض میں قدم رکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو شیشہ ہے۔ وہ اپنی کم عقلی پر شرمندہ ہوئی اور پل سے گزر کر حضرت سلیمانؑ کے سامنے آئی اور ان کی تسلیم و تعظیم بجالائی۔ معا۔ بلقیس کی نظر ایک چھوٹے تخت پر پڑی جو تخت سلیمانؑ کے سامنے رکھا تھا۔ اسے دیکھ کر بلقیس بڑی حیران ہوئی اس نے باوجود تبدیلی کے اپنا تخت پہچان لیا۔

قرآن حکیم میں آیا ہے کہ جب بلقیس حضرت سلیمانؑ کے پاس آئی تو کسی نے

(نہیں) میں نے دوست رکھا مال کو، اپنے رب کی یاد سے یہاں تک کہ سورج چھپ گیا پردے میں۔“

پھر کہا۔ ”لاؤ ان گھوڑوں کو میرے پاس۔ پس شروع کیا ہاتھ پھیرنا پیروں اور گردن پر ان گھوڑوں کے۔“

اس کی تفسیروں بیان کی گئی ہے کہ حضرت سلیمانؑ گھوڑوں کی لطافت اور ذہن دیکھنے لگے۔ یہاں تک کہ نماز عصر قضا ہو گئی اسی وقت حضرت ”جبرائیلؑ“ نمودار ہوئے اور فرمایا کہ اے سلیمان! تو دنیا کے مال و دولت میں ایسا مشغول ہوا کہ نماز عمر جاتی رہی۔

یہ الفاظ سنتے ہی حضرت سلیمانؑ سجدے میں گر پڑے۔ وہ زار زار روتے تھے اور استغفار کرتے تھے لیکن ان کی اس غفلت پر ان پر عذاب نازل ہوا۔

قرآن حکیم میں اس کا ذکر یوں ہے۔ (قرآن) ”آزمایا ہم نے سلیمانؑ کو اور ڈال دیا ہم نے اوپر کرسی اس کی کے ایک دھڑ۔۔۔۔۔۔ پھر اس نے رجوع کیا۔“

قرآن حکیم کی اس آیت کی تفسیروں بیان کی گئی ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی ایک کنیز کا نام بےبندہ تھا۔ جب حضرت سلیمانؑ رفع حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تو انگوٹھی اتار کر اسے پکڑا جاتے تھے۔ انگوٹھی پر اسم اعظم تحریر تھا۔ اس لئے اس کے احترام میں آپ گندی جگہ اس کو نہ لے جاتے تھے۔ جب فارغ ہو کر آتے تو انگوٹھی بےبندہ سے لے کر انگلی میں پہن لیتے اور تخت پر بیٹھ کر حکومت کرتے۔

ایک صبح ایسا ہوا کہ آپ انگوٹھی بےبندہ کے حوالے کر کے رفع حاجت کے لئے گئے لیکن بےبندہ نے دیکھا کہ حضرت سلیمانؑ فوراً ہی واپس آ گئے ہیں۔ اس قدر جلدی آنے کا پہلے کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا مگر بےبندہ کو کچھ پوچھنے کا حوصلہ نہ ہوا اور چپ چاپ انگوٹھی ان کے حوالے کر دی پھر حسب معمول اپنے دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئی۔

ابھی تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ بےبندہ کے پاس ایک آدمی آیا۔ اس نے پوچھا۔ ”بےبندہ! تم میری اجازت کے بغیر وہاں سے کیوں چلی آئیں؟“

کہ جس بات کا ذکر کتب آسمانی میں موجود نہ ہو اس سے انکار کر دیا جائے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کتب آسمانی میں صرف اسی قدر قصہ بیان فرماتا ہے جس کی حصول عبرت کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن حکیم جامع ہے اور اس میں غیر ضروری باتیں درج نہیں۔

مورخین اور مفسرین نے بعض ایسی اہم روایتیں بیان فرمائی ہیں جن سے حضرت سلیمانؑ اور ملکہ سبا بلقیس کا عقد ثابت ہوتا ہے۔ مورخین نے اس سلسلے میں یہ روایت بیان کی ہے کہ ایک دن ملکہ سبا بلقیس نے حضرت سلیمانؑ سے درخواست کی کہ وہ اسے اپنے تخت پر بٹھا کر اس جزیرے کی سیر کرائیں جہاں اڑنے والے دریائی گھوڑے ہوتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کو تخت پر بٹھایا اور ہوا کو اس جزیرے میں پہنچانے کا حکم دیا جہاں کی بلقیس نے فرمائش کی تھی۔ ہوا نے حسب الحکم تخت سلیمانی کو اس جزیرے میں پہنچایا جو سات دریاؤں کے درمیان واقع تھا۔

یہ جزیرہ بڑا سرسبز اور شاداب تھا۔ یہاں کے میزے اور آب رواں کی بہار دیکھ کر ملکہ بلقیس بہت خوش ہوئی۔ اس نے وہاں دریائی گھوڑے دیکھے جو پانی میں نہا رہے تھے اور انگیلیاں کر رہے تھے۔ حضرت سلیمانؑ کے تخت کو دیکھ کر یہ گھوڑے گھبرا گئے اور پرندوں کی طرح اڑ کر فضاؤں میں گم ہو گئے۔

بلقیس اور حضرت سلیمانؑ کو گھوڑوں کی خوبصورت بہت پسند آئی انہوں نے جنوں کو حکم دیا کہ وہ ان گھوڑوں کو پکڑ کر حاضر کریں۔ جنوں نے حضرت سلیمانؑ کو بتایا کہ ان گھوڑوں کو صرف ایک جن پکڑ سکتا ہے جس کا نام سمندرون ہے۔ سمندرون جن حضرت سلیمانؑ سے باقی ہو کر چھپ گیا تھا۔ حضرت سلیمانؑ نے اسے کسی نہ کسی طرح پکڑوا بلایا پھر اس شرط پر اسے معافی دینے کا وعدہ کیا کہ وہ دریائی گھوڑوں کو پکڑ لائے۔

کہتے ہیں سمندرون جن نے ان گھوڑوں پر بڑی مشکل سے قابو پایا اور انہیں پکڑ کر حضرت سلیمانؑ کے سامنے پیش کیا۔ قرآن حکیم میں مرقوم ہے۔ ”جس وقت کہ رومہ لائے گئے سلیمانؑ کے شام کو خاصے گھوڑے پس حضرت سلیمانؑ نے کہا۔“

بیمینہ نے اس شخص کو نہ پہچانا اور پوچھا۔ ”تم کون ہو اور مجھ سے اس طرح کی باتیں کیوں کر رہے ہو؟“

اس شخص نے کا۔ ”بیمینہ! تجھے کیا ہو گیا ہے، تو اپنے آقا سلیمان کو نہیں پہچانتی۔ بتا میری انگوٹھی کہاں ہے؟“

بیمینہ کو اس شخص کی باتوں پر بڑی حیرانی ہوئی اس نے کہا۔ ”اے بھائی! تیرا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ حضرت سلیمان تو اپنے تخت پر بیٹھے حکومت کر رہے ہیں اور تو اپنے آپ کو حضرت سلیمان بتا رہا ہے۔“

اس شخص کو (جو حضرت سلیمان تھے) بیمینہ کی بات پر بڑا غصہ آیا۔ اس نے ڈپٹ کر کہا۔ ”کیا بکواس کئے جا رہی ہے میری انگوٹھی کہاں ہے؟“

کنیز کو بھی غصہ آگیا۔ اس نے بگڑ کر کہا۔ ”پاگل انسان! انگوٹھی جس کی تھی وہ مجھ سے لے گیا۔ تو کون ہوتا ہے مجھ سے پوچھنے والا جانکل جا ورنہ غلاموں سے کہہ کر نکلا دوں گی۔“ یہ کہہ کر وہ منہ بٹاتی ہوئی دوسری طرف چلی گئی۔

حضرت سلیمان اس صورتحال سے بہت پریشان ہوئے۔ انہیں یہ تو اندازہ ہو گیا کہ ان میں ضرور کوئی ایسی کمی ہو گئی ہے جس کی وجہ سے ان کی خاص کنیز بھی انہیں پہچاننے سے قاصر ہے پھر انگوٹھی کا خیال آیا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت جبرائیل کا یہ کہنا کہ جس کے ہاتھ میں یہ انگوٹھی ہو گی وہ دنیا پر بادشاہت کرے گا۔ انہوں نے دل میں کہا ہونہ ہو، یہ سب کچھ انگوٹھی کی گم شدگی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

یہی کچھ سوچتے ہوئے حضرت سلیمان دربار میں پہنچے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کا ایک ہم شکل تخت سلیمان پر بیٹھا ہے۔ دربار لگا ہوا ہے امیر و وزیر اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھے ہیں پرندے اس کے سر پر سایہ کئے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر اور حیران ہوئے۔ انہیں اپنے وزیر آصف بن برخیا پر بڑا اعتماد تھا۔ حضرت سلیمان اس خیال سے اس کے پاس پہنچے کہ شاید وہ انہیں پہچان لے۔

آصف بن برخیا کی نظر ان پر پڑی تو بگڑ کر بولا۔ ”تم کون ہو اور دربار میں کس طرح گھس آئے ہو؟“

حضرت سلیمان نے کہا۔ ”اے آصف تو بھی مجھے نہیں پہچانتا میں تیرا آقا بھائی اور خدا کا نبی ہوں۔ خدا کے لئے مجھے پہچان اور میری تحقیر نہ کر۔“ کچھ اور سرداروں نے بھی حضرت سلیمان کی یہ بات سنی تو تسمخہ کیا۔ ایک نے کہا۔ ”اس پاگل کو دربار سے نکالو۔“

دوسرا گویا ہوا۔ ”ذفع کرو اس کو۔ اگر حضرت سلیمان کو معلوم ہو گیا کہ یہ تخت کا دربار ہے تو مفت میں مارا جائے گا۔“

دربار سرکار محل اور دروازہ حضرت سلمان ہر جگہ چکر لگاتے رہے اور ایک با سے اپنی شخصیت بیان کرتے رہے مگر کسی نے انہیں نہ پہچانا۔ آخر مایوس ہو کر گل سے نکل کر شرمیں آگئے۔ انہیں سخت بھوک لگ رہی تھی۔ انہوں نے ایک در پہنچ کر روٹی مانگی مگر وہ عتاب الہی میں تھے اس لئے انہیں کسی نے کھانا نہ دیا۔ حضرت سلیمان بھوک سے نڈھال تھے، چلا نہ جاتا تھا۔ اسی طرح گرتے پڑتے دریا کے کنارے پہنچ گئے۔ وہاں مچھیروں کی بستیاں تھیں اور مچھیرے مچھلیاں پکڑ رہے تھے۔

حضرت سلیمان ان کے پاس پہنچے اور بولے۔ ”بھائی! مجھے اپنے ساتھ کام پر لگا لیں روٹی دے دیا کرنا مجھے۔“

مچھیروں کو آپ کے حال زار پر رحم آگیا۔ ان کے سردار نے پوچھا۔ ”اے بندہ! تجھ پر کیا افتاد پڑی اور تو کہاں سے آ رہا ہے؟“

حضرت سلیمان نے کہا۔ ”بس کیا بتاؤں بھائی! اللہ کا ایک گنہگار بندہ ہوں۔ حال ہے کہ کئی دن سے ایک کھیل بھی اڑ کر منہ میں نہیں گئی ہے۔“

سردار کو ان پر بڑا ترس آیا اور انہیں کام پر لگا لیا۔

حضرت سلیمان دن بھر مچھلیاں پکڑتے رہے اور خدا کا شکر ادا کرتے رہے۔ شام نا تو انہیں کام کے عوض دو مچھلیاں ملیں۔ آپ مچھلیاں لے کر بستی کے بازار گئے۔

بر مچھلی دے کر روٹی حاصل کی اور دوسری کو بھون کر اس کے ساتھ روٹی کھائی۔ اُس توانائی آئی تو بیت المقدس کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر سجدے میں گر گئے۔ تمام

حضرت سلیمانؑ گھبرا کر بولے۔ ”سرور! یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ مجھے مزدوری میں صرف دو مچھلیاں ملتی ہیں۔ اس میں میرا ہی گزارہ مشکل سے ہوتا ہے۔ اس کا بار کیسے اٹھاؤں گا اور مہر کہاں سے لاؤں گا۔ میں تمہاری لڑکی کو مصیبت میں نہیں ڈال سکتا۔“

لڑکی کے باپ نے کہا۔ ”لڑکی اپنا مر طلب نہیں طلب کرتی۔ رہا تمہارے گزر اوقات کا معاملہ تو اس کا ذمہ بھی میں لیتا ہوں۔ اب تو تمہیں کوئی عذر نہیں۔“

حضرت سلیمانؑ گھبرا گئے اور سوچنے لگے کہ اگر انہوں نے انکار کیا تو یہ مزدوری ختم ہو جائے گی اور پھر پتہ نہیں کہاں کہاں ٹھوکریں کھانا پڑیں۔ انہوں نے مجبوراً رضامندی ظاہر کر دی۔

سرور، حضرت سلیمانؑ کو اپنے ساتھ بستی لے گیا اور شام کو بستی والوں کو اکٹھا کر کے اپنی لڑکی ان کے ساتھ بیاہ دی۔ اس نے ان دونوں کے لئے ایک الگ جھونپڑی بھی بنوا دی اور دو مچھلیوں کے بجائے تین مچھلیاں یومیہ مزدوری مقرر کر دی۔



حضرت سلیمانؑ کے تخت پر غاصبانہ قبضہ کرنے والا ایک جن تھا جس کا نام عجمہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ حضرت سلیمانؑ کی شکل بنا کر اس وقت بمینہ کے پاس پہنچا تھا جب حضرت سلیمانؑ رفع حاجت کے لئے گئے تھے اور بمینہ نے اسے حضرت سلیمانؑ سمجھتے ہوئے بلا عذر انگوٹھی دے دی تھی۔

عجمہ نے انگوٹھی اپنی انگلی میں پہنی اور جا کر حضرت سلیمانؑ کے تخت پر بیٹھ گیا۔ انگوٹھی کے زیر اثر تمام وحوش و طیور اور جن و انس اس کے مطیع ہو گئے۔ دربار لگ گیا اور پرندوں نے بلند ہو کر اس کے سر پر پروں کا سایہ کر دیا۔ اس طرح عجمہ حضرت سلیمانؑ کا روپ دھار کر ہفت اقلیم پر حکومت کرنے لگا۔

جن و بشر کی عادت اور حرکات و سکنات میں فرق ہوا کرتا ہے۔ عجمہ کے تخت پر بیٹھنے کے پہلے ہی دن سے درباریوں کو اس پر شبہ ہونے لگا۔ مگر وہ اپنے شے کا اظہار

رات تو بے واستغفار کی۔ صبح ہوتے ہی دریا پر پہنچے اور کام میں لگ گئے۔ وہ اسی طرح مبروہ شکر سے مچھیروں کی بستی میں دن گزارنے لگے۔

حضرت سلیمانؑ کو اس بستی میں رہتے ہوئے ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا۔ ایک دوپہر حضرت سلیمانؑ کام سے تھک کر ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے۔ تھکن کی وجہ سے ان پر نیند کا غلبہ ہوا اور آپ بے خبر ہو گئے۔ اس دن گرمی زیادہ تھی۔ آپ کا چہرہ اور بدن پسینے سے سے بھیگ گیا۔ ناگاہ ایک طرف سے ایک کالا ناگ نمودار ہوا۔ وہ آپ کے قریب آیا اور درخت کا ایک پتہ منہ میں دبا کر آپ پر پکھا جھٹلنے لگا۔

مچھیروں کے سرور کی ایک دختر نہایت حسین تھی۔ وہ روز دوپہر کو اپنے باپ کا کھانا لے کر آتی تھی۔ اس دن جو وہ وہاں سے گزری تو اس کی نظر حضرت سلیمانؑ پر پڑی۔ وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی کہ انسان کا جانی دشمن منہ میں پتہ دبائے انسان کو پکھا جھل رہا ہے۔ لڑکی غفلت تھی سمجھ گئی کہ یہ شخص کوئی بہت بڑا بزرگ ہے جس کی خدمت سانپ کر رہا ہے۔

لڑکی نے کھانا لے جا کر باپ کو کھلایا اور چلتے وقت کہا۔ ”اے باپ! تو میری شادی اس شخص کے ساتھ کر دے جو سامنے درخت کے نیچے سو رہا ہے۔“

اس کے باپ کو علم تھا کہ وہاں مفلوک الحال اجنبی پڑا ہے۔ اس نے کہا۔ ”نا سمجھ لڑکی! تیرا گزارہ اس مفلس، قلاش کے ساتھ کیسے ہو گا۔ اسے تو صرف دو مچھلیاں مزدوری ملتی ہے۔“

لڑکی ضد پکڑ گئی۔ بولی۔ ”نہیں میں تو صرف اسی سے شادی کروں گی ورنہ بڑی شادی ہی نہ کروں گی۔“

باپ نے لاکھ سمجھایا مگر بیٹی نہ مانی۔ اس نے تنگ آ کر کہا۔ ”اچھا چل اس سے پوچھتے ہیں اگر وہ راضی ہو گیا تو میں دخل نہ دوں گا۔“

دونوں باپ بیٹی حضرت سلیمانؑ کے پاس آئے۔ وہ اس وقت تک بیدار ہو چکے تھے۔ لڑکی کے باپ نے کہا۔ ”اے اجنبی! میں چاہتا ہوں کہ اپنی بیٹی کی شادی تیرے ساتھ کر دوں۔“

ایک دوسرے سے کرتے ڈرتے تھے کہ مبادا ان کا شبہ غلط ہو اور حضرت سلیمانؑ سے ناراض ہو جائیں۔

حضرت سلیمانؑ کے وزیر آصف بن برخیا کے دل میں سب سے زیادہ شبہ تھا۔ وہ بھی بغیر تحقیق کئے کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ وہ دربار میں بنادٹی سلیمانؑ نظریں جمائے رکھتا اور اس کی ہر حرکت کا بغور جائزہ لیتا۔

چالیس دن گزرنے کے بعد، آصف بن برخیا، حضرت سلیمانؑ کی حرم سرا پر گیا پہلے اس نے ملکہ بلقیس سے ملاقات کی اور حضرت سلیمانؑ کے بارے میں دریافت کیا بلقیس نے بتایا کہ اس نے ایک مینے سے حضرت سلیمانؑ کو نہیں دیکھا ہے۔ پھر دوسرے محل گیا وہاں سے بھی اسے اسی قسم کی اطلاع ملی۔ غرض کہ اس نے حضرت سلیمانؑ کی تمام بیگمات سے معلومات حاصل کیں لیکن کہیں سے ان کا پتہ نہ چلا۔

اب تو بات بالکل صاف ہو گئی تھی۔ آصف بن برخیا نے کچھ اور سرداروں کے ساتھ ملا لیا۔ پھر اس نے چالیس ایسے آدمیوں کو بلوایا جو توریت خوانی کرتے تھے۔ ہر ایک دن جب نقلی سلیمانؑ تخت سلیمانی پر بیٹھا شان سے شاہی احکامات دے رہا تھا۔ آصف بن برخیا نے غلام کو اشارہ کیا۔ وہ بھاگ کر چالیس توریت خوانوں کو بلا لایا۔ توریت خوان تیزی سے تخت سلیمانی پر چڑھ گئے اور انہوں نے توریت شریف کھول کر بڑے لحن کے ساتھ پڑھنا شروع کر دی۔ حمہ چونکہ جن تھا اس لئے وہ تخت پر نہ بیٹھ سکا اور اٹھ کر بھاگا۔

آصف بن برخیا نے اپنے آدمی اس کے پیچھے دوڑائے مگر وہ ہاتھ نہ آسکا۔ فرا کے دوران حمہ ایک دریا کے پاس سے گزرا تو اس نے سلیمانی انگوٹھی انگلی سے نکال کر دریا میں پھینک دی تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔

حضرت سلیمانؑ کو بارگاہ ایزدی سے معافی مل چکی تھی۔ اس لئے ان کی بادشاہ اور نبوت کی بحالی کے سامان غیب سے پیدا ہونے شروع ہو گئے تھے۔ حمہ جن نے انگوٹھی یہ سمجھ کر دریا میں پھینکی تھی کہ اب یہ کسی کو نہیں مل سکے گی لیکن چھپے انگوٹھی دریا میں مری ایک مچھلی نے اسے نگل لیا۔

دوسرے دن وہ مچھلی جال میں پھنس کر مچھلیوں کے پاس پہنچی اور حضرت سلیمانؑ کے حصے میں آئی۔ دو مچھلیاں لے کر وہ روٹیاں لینے چلے گئے اور تیسری مچھلی بیوی کے حوالے کی کہ بھون کے رکھے۔

حضرت سلیمانؑ کے بازار جانے کے بعد بیوی نے مچھلی کا پیٹ چاک کیا تو اس میں سے انگوٹھی نکلی۔ حضرت سلیمانؑ روٹیاں لے کر واپس آئے تو بیوی نے انہیں انگوٹھی دکھائی۔ حضرت سلیمانؑ نے اپنی انگوٹھی فوراً پہچان لی اور بیوی سے لے کر انگلی میں پہنی اور فوراً سجدے میں گر گئے۔ حضرت سلیمانؑ ابھی سجدے میں گرے اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے کہ پرندے فراٹے بھر بھر کر آ گئے اور انہوں نے حضرت سلیمانؑ پر پردوں کا سایہ کر دیا۔ اسی وقت ہوا حضرت سلیمانؑ کا تخت اڑا کر لے آئی۔ بتی والے اتنے بڑے تخت کو اپنی بستی میں دیکھ کر حیران رہ گئے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ ان کے سردار کا داماد واصل بادشاہ ہفت اقلیم حضرت سلیمانؑ ہیں تو وہ خوشی سے ناپنے لگے اور حضرت سلیمانؑ کے سامنے پہنچ کر جو کچھ بھی ان کے پاس تھا، نذرانے کے طور پر پیش کیا۔

حضرت سلیمانؑ مچھلیوں کے خلوص سے بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے برے وقت میں بیوی کے مریں کچھ نہ دیا تھا۔ اس لئے انہوں نے جنوں کو حکم دیا کہ مچھلیوں کی جھونپڑیوں کی جگہ کچے مکانات بنائے جائیں اور پھر ان سب کو دولت سے مالا مال کر دیا جائے۔

حضرت سلیمانؑ تخت پر سوار ہوئے، اپنی مچھیرن بیوی کو ساتھ بٹھایا اور محل واپس آئے۔ وزیر آصف برخیا اور تمام لوگوں نے انہیں سلامی دی اور انہیں نہ پہچاننے کی غلطی کے لئے معافی کے خواستگار ہوئے۔ حضرت سلیمانؑ نے ان سب کو فراخدلی سے معاف کر دیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اتنے عرصے تک وہ زیر عتاب تھے اور یہ سب کچھ منجانب اللہ تھا۔

حضرت سلیمانؑ دربار سے اٹھ کر محل میں تشریف لے گئے تو تمام بیگمات نے ندریں گزاریں اور صدقے اتارے۔ مساکین و غرباء میں اجناس اور پارچہ جات تقسیم

جیسے لاش بالکل تازہ ہے اور وہ آج ہی کی شب دفن کی گئی ہے۔
پھر ہم نے یہ تمام باتیں خلیفہ کو لکھ بھیجیں۔ وہاں سے حکم ہوا
تابوت کو اسی جگہ دفن کر دیا جائے اور اس پر سنگ مرمر اور
سنگ خارا کی ایک عالی شان عمارت تعمیر کی جائے۔“
ابو حسن محمد بن عبد اللہ کسائی کی ”قصص الانبیاء“ میں بھی
یہ واقعہ اسی طرح مذکور ہے۔

کئے گئے۔ ان سب کاموں میں ملکہ سبا بلقیس پیش پیش تھیں۔
وہب بن منبر نے لکھا ہے کہ ملکہ سبا بلقیس جوانی میں نہایت حسین و جمیل
عورت تھی۔ وہ لوگوں سے پردہ کرتی تھی اور ہفتے میں صرف ایک بار دربار لگاتی تھی۔
اس کے سامنے نابکار بادشاہ سرنگوں ہوتے تھے۔ وہ مظلوم کی فریاد سنتی اور ظالم کو
سزا دیتی تھی۔

ملکہ بلقیس اسلام قبول کرنے کے بعد سات سال اور سات ماہ زندہ رہی۔ اس کا
انتقال حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد ہوا اور ارض شام میں تدفیر کے مقام پر ایک
دیوار کے نیچے دفن کی گئی۔

ملکہ بلقیس کا مدفن، اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کے زمانے میں دریافت ہوا۔
خلیفہ ولید کے ایک جلیل القدر سردار موسیٰ بن نصیر نے بیان کیا۔
”میں، خلیفہ ولید بن عبد الملک کے دور خلافت میں شہر تدفیر کی جانب بھیجا گیا۔
میرے ساتھ خلیفہ کا لڑکا عباس بن ولید بھی تھا۔ ہم، تدفیر پہنچے تو بارش شروع ہو گئی
اور اتنی بارش ہوئی کہ تدفیر کی بعض دیواریں گر کر بہہ گئیں۔ ایک دیوار کے گر
جانے سے اس کے نیچے ایک تابوت نمودار ہوا۔ تابوت کا طول تین گزر تھا اور بہ
زعفرانی پتھر کا بنا ہوا تھا۔ اس پتھر پر عبارت کندہ تھی۔

”یہ نیک بخت بی بی بلقیس کا تابوت ہے جو حضرت سلیمانؑ
بن داؤدؑ کی بیوی تھی۔ ۲۰ جلوس سلیمانی میں ایمان لائی تھیں۔
ان کا نکاح، حضرت سلیمانؑ سے عاشورہ کے دن ہوا تھا اور ماہ
ربیع جلوس ۲۷ میں اتوار کے دن ان کا انتقال ہوا اور تدفیر شہر
میں ایک دیوار کے نیچے رات کے وقت ایسے وقت دفن کی گئیں
کہ سوا ان لوگوں کے جنہوں نے انہیں دفن کیا اور کوئی جن د
انس ان کے مدفن سے واقف نہیں۔“

موسیٰ بن نصیر نے اس واقعے پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے
بتایا ہے۔ ”میں نے تابوت کا پردہ ہٹا کر دیکھا تو یوں معلوم ہوا

اس سال بنو حنیفہ کا سولہ آدمیوں پر مشتمل ایک وفد سلمان بن حنظلہ کی سرداری میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں میلہ بن حبیب نام کا ایک شخص بھی تھا۔ جو اپنے سردار سے زیادہ بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہا تھا۔ عرب دور جاہلیت میں اکھڑا اور خود سر تو ہوتے ہی تھے، انہیں اپنے قبیلہ پر بھی بہت ناز ہوتا تھا۔ پھر یہ قبیلہ یمامہ میں رہتا تھا جو بڑا سرسبز اور شاداب علاقہ تھا۔

سرکارِ دو عالم بھی اگرچہ عرب تھے مگر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا تھا۔ آپؐ کی طبیعت میں بے انتہا ضبط کا مادہ موجود تھا۔ آپؐ ہر وفد کی گفتگو جو زیادہ تر فخر و مباہات سے پر ہوتی تھی، بڑے تحمل سے سنتے اور پھر جواب دیتے تھے۔ پس اس قبیلہ سے گفتگو شروع ہوئی تو سردار قبیلہ سلمان بن حنظلہ کے بجائے میلہ بن حبیب نے بڑے غرور اور گھمنڈ سے کہا۔

”اے محمد (صلعم) میرا قبیلہ جس طرح چاہے اسلام لے آئے مگر میں اس شرط پر اسلام لاؤں گا کہ اپنے بعد تم مجھے اپنا خلیفہ بنانے کا اعلان کرو گے؟“

روایت ہے کہ اس وقت حضورؐ کے دست مبارک میں کھجور کی ایک شاخ تھی۔ آپؐ نے میلہ بن حبیب کی بات بڑے تحمل سے سنی مگر اسے جواب بڑا دندان شکن دیا۔ آپؐ نے فرمایا۔

”اگر اسلام لانے کے عوض تو مجھ سے کھجور کی یہ شاخ بھی مانگے گا تو میں تجھے نہ دوں گا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تو وہی کاذب ہے جس کے متعلق مجھے خواب میں پہلے خبر دی جا چکی ہے۔“

چنانچہ بنو حنیفہ کا وفد مدینہ سے ناکام اور نامراد واپس آگیا۔ پھر جب حضورؐ علیل ہوئے اور ان کی بیماری کی خبر میلہ بن حبیب کو ملی جو اس وقت اپنے قبیلہ کا سردار بنا گیا تھا تو اس کم بخت نے یہ خبر پاتے ہی فوراً اپنے نبی ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس نے قبیلہ والوں میں اس بات کا بھی دعویٰ کیا کہ اسے نبوت میں محمد (صلعم) کا شریک بنادیا گیا ہے۔

اس نبوت کے جھوٹے دعویدار نے اس وقت جناب رسالتؐ کی خدمت میں

سبحان بنت حارثہ

۹۔ ہجری کے سال کو ”عام الوفود“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یعنی وفودوں کا سال۔ آٹھ ہجری (۸ھ) میں مکہ فتح ہوا تو مشرکین عرب کی کمر ٹوٹ گئی۔ ان کے ا میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اسلام کے بلند ہوتے ہوئے آفتاب کو کوئی نہیں روک سکتا۔ دربار نبوت میں فتح مکہ سے پہلے ہی مختلف قبائل عرب کے وفد حاضر ہوتے اور کے دست مبارک پر بیعت کر کے اپنی دین و دنیا سنوارنے لگے تھے مگر اس فتح کے قبائلی وفودوں کا مدینہ میں تانا باندھ گیا۔

سیرت کی کتابیں بتاتی ہیں کہ آٹھویں اور دسویں ہجری کے دوران تقریباً ایک چار وفد مدینہ پہنچے اور حضورؐ پاکؐ کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ کتب میں ان کی تعداد ستر (۷۰) بیان کی گئی ہے۔ وفودوں کی اس کثرت کی وجہ سے نویں ہجری کو ”عام الوفود“ کہا جاتا ہے کیونکہ اس سال سب سے زیادہ وفود خلافت میں حاضر ہوئے تھے۔

یہ واقعہ دسویں ہجری کا ہے۔

میلہ کذاب نے تو حضورؐ کی زندگی ہی میں اپنی جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا پھر حضورؐ کا وصال ہوا اور حضرت ابوبکرؓ خلافت پر متمکن ہوئے تو عرب کے بعض عہوں میں ارتداد کی طوفانی ہوائیں چلنے لگیں۔ ارتداد کے معنی مرتد ہونے کے ہوتے ہیں یعنی دین سے پھر جانا۔ حیات نبویؐ میں بعض لوگوں کے دل میں ایمان پختہ نہ ہوا ناچنانچہ حضورؐ کے انتقال فرماتے ہی ایسے لوگوں نے دین سے منہ پھیر لیا اور اسلام سے باغی ہو گئے۔

حالات بہت خراب ہو گئے تھے۔ جناب ابوبکرؓ نے دوسرے صحابہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے عرض کیا کہ اس وقت نرمی سے کام لیا جائے اور جو لوگ زکات دینے سے انکار کر رہے ہیں انہیں معاف کر دیا جائے مگر حضرت ابوبکرؓ نے اعلان کر دیا کہ وہ رذیلین کے خلاف جنگ کریں گے۔

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے اسلام سے منہ پھیرنے والوں اور نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کے خلاف جماد کے لئے لشکر اسلام کو گیارہ دستوں میں تقسیم کیا اور ہر تہفوج پر الگ الگ سردار مقرر کئے۔ ان کے نام یہ ہیں۔

- (۱) خالد بن ولید
- (۲) عکرمہ بن ابی جہل
- (۳) شرجیل بن حسنہ
- (۴) مہاجر بن ابی امیہ
- (۵) حذیفہ بن عمن
- (۶) عرفجہ بن ہرثمہ
- (۷) سدید بن مقرن
- (۸) علاء بن الحضرمی
- (۹) طریفہ بن حجاز
- (۱۰) عمرو بن عاص
- (۱۱) سعید بن ولید

ایک خط روانہ کیا جس کا مضمون اس طرح تھا۔

”میلہ رسول کی طرف سے محمد رسول اللہ (صلعم) کے نام“
سلام علیک۔ میں نبوت میں آپ کے ساتھ شریک کر دیا گیا ہوں
لہذا آدھی دنیا آپ کی ہے اور آدھی میری لیکن مجھے آپ سے
انصاف کی امید نہیں۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خط کا یہ جواب دیا۔

”محمد رسول اللہ (صلعم) کی طرف سے میلہ کذاب کے نام“

سلام علی من اتبع الهدی اما بعد

فان الارض للہ وورثھا من شاء

من عباده والعاقبت للمتقین

(ترجمہ) درحقیقت زمین خدا کی ہے۔ اپنے بندوں میں وہ جسے چاہتا ہے زمین کا وارث بناتا ہے اور انجام کار۔ کامیابی خدا سے ڈرنے والوں کی ہے۔

یہ وہ دندان شکن جواب تھا جو آنحضرتؐ نے میلہ کذاب کو بھجوا دیا تھا۔ وقت سے میلہ بن حبیب، میلہ کذاب کے نام سے پکارا جانے لگا۔ پچھلے صفحہ آنحضرتؐ نے میلہ کذاب کو جو جواب دیا تھا اس میں آپؐ نے ایک خواب کا ذکر کیا تھا۔ اس خواب کی تفصیل مسلم شریف میں اس طرح بیان کی گئی ہے۔

رسول اللہ صلم نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ کے دونوں ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن ہیں۔ آپؐ بہت فکر مند ہوئے۔ پھر خواب ہی میں آپؐ کو حکم دیا گیا کہ ان کنگنوں پر پھونک ماریے چنانچہ آپؐ نے پھونک ماری تو وہ دونوں کنگن غائب ہو گئے اس سے آپؐ نے یہ تعبیر لی کہ آپ کے بعد ملکہ عرب میں دو جھوٹے نبی ہوں گے۔ ان میں ایک اسود عسی ہوا اور دوسرا یحییٰ میلہ کذاب تھا۔

اس کے بعد اسلامی فوج کے دستے اپنے اپنے سرداروں کی ماتحتی میں مرتدین کی رکابی کے لئے الگ الگ روانہ ہوئے۔

ہم پچھلے صفحات میں بیان کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلم نے اپنے خواب میں بیان فرمایا تھا کہ آپ کے وصال کے بعد دو جھوٹے نبی اپنی اپنی نبوت کا دعویٰ کریں گے۔ ان میں ایک میلہ کذاب اور دوسرا اسود عسی ہو گا۔ میلہ کذاب کے حالات بیان کرنے سے پہلے ہم اسود عسی کے خروج اور انجام کو بیان کرتے ہیں۔

یمن کا علاقہ حضور کی حیات طیبہ میں فتح ہو گیا تھا۔ آپ نے یمن کا حاکم باذان بن مقرر کر دیا تھا۔ باذان پہلے بھی یمن کا حاکم تھا اسے ایران کے شہنشاہ خسرو پردیز نے یمن کا حاکم بنایا تھا کیونکہ اُس وقت یمن کا ملک سلطنت ایران کے قبضہ میں تھا۔ یہ مسلمانوں نے یمن کو فتح کیا تو یہاں کا حاکم باذان اسلام لے آیا اور حضور نے اسی کو یمن کا حاکم مقرر کر دیا۔

باذان کے مرنے کے بعد حضور نے اس بڑی سلطنت کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے ان پر الگ الگ حاکم مقرر کر دیئے۔ یمن کا دارالسلطنت صنعاء تھا۔ اس تقسیم بنی صنعاء کو ایک صوبے کو طور پر باذان کے بیٹے ”شہر“ کو عطا کیا گیا۔ حضور کے مال سے پہلے کچھ دن پہلے یمن کے ایک شخص نے جس کا نام عبید تھا مگر سیاہ فام اس لئے اسود کے نام سے مشہور تھا، نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا۔ اسود کا تعلق عبس قبیلہ سے تھا۔ قبیلہ والوں نے اس کا ساتھ دیا اور اسے نبی تسلیم کر لیا۔

یمن میں ایک اور قبیلہ مذحج تھا۔ اس نے بھی اسود عسی کو نبی تسلیم کر لیا۔ پھر نادرانوں نے مل کر ”نجران“ پر حملہ کر دیا اور حاکم نجران کو وہاں سے بے دخل کر کے اُہل نجران پر قابض ہو گیا۔ اب اس کی طاقت بڑھ گئی تھی اس لئے اس نے صنعاء پر حملہ کر دیا۔ یہاں کا حاکم باذان کا بیٹا ”شہر“ تھا۔ شہر نے مقابلہ کیا مگر گرفتار ہو کر قتل کر دیا۔

صنعاء، ملک یمن کا دارالسلطنت تھا۔ اس کے قبضہ کے بعد اسود عسی کی ہر نوبت دھوم مچ گئی اور لوگوں نے اسے نبی ماننا شروع کر دیا۔ یمن کے دور دور علاقوں

ان دستوں کی روانگی سے پہلے حضرت ابو بکرؓ نے تمام مرتدین کے نام ایک پیغام بھیجا جس میں انہیں تاکید کی گئی کہ وہ فوراً توبہ کر کے اسلام میں دوبارہ داخل ہو جائیں اگر انہوں نے اس مشورہ پر عمل کیا تو ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی خلیفہ اول حضرت ابو بکرؓ نے تمام سرداروں کے نام مندرجہ ذیل ہدایت نامہ جاری کیا۔

”میں مجاہدین اسلام کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ ہر حال میں خدا سے ڈریں۔ حکم خداوندی کی تعمیل میں پوری کوشش کریں جو لوگ حلقہ اسلام سے نکل کر شیطان کے جال میں پھنس گئے ہیں ان کے ساتھ جہاد کریں۔ لیکن تموازا اٹھانے سے پہلے انہیں اسلام کا پیغام پہنچائیں اور ان پر اپنی حجت پوری کریں۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو فوراً ہاتھ روک لیں لیکن اگر وہ انکار کریں تو ان پر حملہ کریں یہاں تک کہ وہ کفر سے باز آجائیں۔ مرتدین جب دوبارہ اسلام میں داخل ہو جائیں تو انہیں اسلامی فوج کا سردار آگاہ کرے کہ ان کے ذمہ اسلام کے کیا کیا فرائض ہیں اور مسلمانوں پر ان کے کیا کیا حقوق ہیں۔ ان کے فرائض کو ان سے پورا کرایا جائے اور ان کے حقوق ان کو ادا کئے جائیں۔

امیر لشکر اپنے ساتھیوں کو جلد بازی اور فساد سے روکے۔ دشمن کی بستی میں اندھا دھند نہ گھس جائے۔ خوب دیکھ بھال کے داخل ہو۔ ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچ جائے۔ سردار فوج کے کوچ اور قیام کے دوران اپنی فوج کے ساتھ میانہ روی اور نرمی کا برتاؤ کرے۔ ان کی دیکھ بھال کرے۔ ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آئے اور گفتگو میں نرمی اختیار کرے۔“

گئی۔

ایک رات فیروز گمری نیند سو رہا تھا کہ اس کے معتمد غلام نے اسے جھنجھوڑ کے جگا دیا۔

”کیا ہوا؟“ فیروز آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

”آقا۔ ایک عورت آئی ہے۔۔۔۔۔“ غلام نے گھبرائے لہجے میں بتایا۔

”عورت!“ فیروز حیران ہوا۔ ”کیسی عورت ہے؟“

”مجھے کیا پتہ آقا۔۔۔۔۔“ غلام نے پریشان ہوتے ہوئے کہا ”اس کے چہرے پر نقاب پڑا ہے۔ مجھے کیا پتہ وہ کیسی ہے۔“

فیروز کے حواس اب درست ہو چکے تھے۔ اس نے نرمی سے پوچھا۔

”میرا مطلب ہے وہ اکیلی یا اس کے ساتھ کوئی اور ہے اور وہ یہاں تک پہنچی کیسے؟“

غلام بھی سنبھل چکا تھا۔ اس نے وضاحت کی۔

”آقا۔ یہ عورت ہماری حویلی کے قریب گھوم رہی تھی۔ ہمارے پریدار نے اسے ٹوکا تو اس نے بتایا کہ وہ ایرانی سردار فیروز کے لئے ایک پیغام لائی ہے۔“

”کیسا پیغام!“ فیروز چونک پڑا۔ ”کس نے پیغام بھیجا ہے؟“

”اس نے اور کچھ نہیں بتایا آقا۔“ غلام نے کہا۔ ”وہ آپ سے ملنے کی ضد کر رہی تھی۔ پریدار اسے یہاں لے آیا۔“

”پھر وہ کہاں ہے؟“

”میں ابھی حاضر کرتا ہوں آقا۔“

غلام باہر گیا اور ایک نقاب پوش عورت کو ساتھ لے کر اندر آ گیا۔

نقاب پوش نے بڑے ادب سے کہا۔

”میں سردار کو سلام پیش کرتی ہوں۔ کیا میں یقین کروں کہ میں اس وقت ایرانی سردار فیروز کے حضور پیش ہوں؟“

”نقاب پوش خاتون۔۔۔۔۔“ فیروز نے نہایت ملائمت سے جواب دیا۔ ”آپ

سے لوگ آتے اور اسود عنسی کے ہاتھوں پر بیعت کرتے تھے۔ نبی کریمؐ کو اسود عنسی کے مرتد ہونے کی اطلاع ملی تو آپؐ نے خبر لانے والے سے دریافت فرمایا کہ آیا صنعاء کے تمام مسلمان مرتد ہو گئے ہیں یا ابھی کچھ لوگ مرتد ہوئے اور کچھ مسلمان ہیں۔ حضورؐ کو بتایا گیا کہ عرب قبیلہ کے تقریباً تمام لوگ اسود عنسی کے ساتھ ہیں مگر وہ ایرانی جو وہاں آباد ہیں انہوں نے اسود عنسی کا ساتھ نہیں دیا ہے بلکہ وہ الگ تھلگ ہیں اور مدینہ کی اسلام ریاست کو تسلیم کرتے ہیں۔

حضورؐ نے ایرانی سردار فیروز اور زاوویہ کے بارے میں دریافت فرمایا۔ یہ دونوں ایرانی جو مسلمان ہو چکے تھے، کچھ ہی دن پیشتر حضورؐ کے پاس مدینہ آئے تھے اور صنعاء میں آباد تمام ایرانیوں کی طرف سے یقین دلایا تھا کہ وہ اسلام کے پیروکار ہیں اور کسی صورت میں اسلام سے منہ نہیں پھیریں گے۔ مخبر نے حضورؐ کو بتایا کہ تمام ایرانی آباد کار اسلام پر قائم ہیں اور ایرانی سردار فیروز اور زاوویہ نے ہی حضورؐ کے پاس یہ خبر بھجوائی ہے۔

حضورؐ کو اس سے بہت اطمینان ہوا اور آپؐ نے ان دونوں کے لئے دعائے خیر فرمائی اور مخبر کے ہاتھ انہیں پیغام بھیجا کہ وہ گھبرائیں نہیں بہت جلد اسلامی لشکر اسود عنسی کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا جائے گا۔

یہ مخبر جب مدینہ سے واپس ہو کے صنعاء پہنچا تو اسے ایک اور دلچسپ خبر ملی۔ خبر یہ تھی کہ اسود عنسی نے صنعاء کے حاکم شرکی بیوہ سے زبردستی شادی کر لی ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ شرکی بیوہ اس زبردستی شادی سے خوش نہیں ہے۔ اس نے شادی کے وقت بڑا دایلا مچایا تھا۔ فیروز اور زاوویہ کی طرح شرکی بیوی بھی ایرانی نسل تھی۔ اس لئے دونوں سرداروں کا اس زبردستی شادی پر ناراض ہونا فطری تھا۔

روایت ہے کہ ادھر دونوں ایرانی سرداروں اور ادھر شرکی بیوی نے ایک دوسرے سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی مگر اسود عنسی نے نئی بیوی کو اتنے سخت پہرے میں رکھا تھا کہ وہاں پرندہ پر نہیں مار سکتا تھا۔ مگر غلط کاموں کا نتیجہ انسان کو اکثر اس دنیا ہی میں بھگتنا پڑتا ہے۔ چنانچہ اسود عنسی کی بھی شامت آ

”مجھے آپ کی بات کا یقین ہے سردار۔“ یہ کہتے ہوئے نقاب پوش نے اپنا نقاب الٹ دیا۔ ”میں یہ کہتے ہوئے فخر محسوس کرتی ہوں کہ میں بھی ایرانی نسل سے ہوں۔“

”بہت خوب۔“ فیروز مسکرایا۔ ”مجھے یہ سن کے خوشی ہوئی۔“

”میں صحاء کے موجودہ حکمران اسود غنسی کی دوسری بیگم کی کینز زینت ہوں۔“

کینز نے سامنے کے کوچ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ پھر وہ کسی خیال میں گم ہوتے ہوئے سوچنے لگی۔

جب کافی دیر گزر گئی تو فیروز نے اسے ٹوکا۔

”میں حاکم ضعفاء کی بیگم کی کنیز زینت کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ کیا وہ اپنے آنے کا مقصد بیان نہیں کرے گی؟“

”ضرور۔۔۔۔۔ کیوں نہیں سردار۔۔۔۔۔“ زینت سنبھل کے بولی۔ ”مگر ایک بات کی تصدیق چاہتی ہوں۔“

”کس بات کی تصدیق چاہتی ہو زینت؟“ فیروز کا لہجہ اب بھی نہایت شستہ تھا۔
 ”کیا سروار یہ بتانا گوارہ فرمائیں گے کہ آپ بھی حاکم صنائع کی طرح اسلام سے
 باغی ہو گئے ہیں یا اب تک اسلام پر قائم ہیں۔۔۔۔۔؟“

ایرانی سروار فیروز کی شائستگی ایک دم ختم ہو گئی۔ اس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے اور اس نے قدرے کھوڑے لہجہ میں جواب دیا۔

”زینت۔ جاؤ اپنی بیگم سے کہو کہ فیروز نے کسی لالچ میں اسلام قبول نہیں کیا تھا بلکہ میں نے اور میرے ساتھیوں نے سمجھ بوجھ کر اسلام کا وامن پکڑا ہے۔ ہم اسلام سے اس وقت تک وابستہ رہیں گے جب تک ہمارے سر قلم نہیں ہو جاتے۔“

”سبحان اللہ سردار محترم۔“ زینت خوش ہو کر بولی۔ ”سردار کو یہ سن کر ضرور اطمینان کہ اسود عسّی نے صنعاء کے اصل حاکم کو قتل کر کے ان کی بیگم سے زہروستی

شادی کی ہے اور بیگم نہ صرف اس شادی سے ناخوش ہیں بلکہ بدکار اور جھوٹے اسود
عسی سے چھکارا حاصل کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہیں۔-----“

فیروز کے شکن آلود چہرے پر ایک دم بحالی آگئی۔ اس نے کہا۔

”نہنت۔ تم نے یہ اطلاع دے کر میرے ڈوبتے دل کو بہت سارا دیا ہے۔ ہم اور دوسرے سرور اسود عیسیٰ کو پسند نہیں کرتے اور اس شادی کو ایک ظالمانہ فعل سمجھتے ہیں۔ بیگم کو ہمارا پیغام پہنچایا جائے کہ ہم بھی اس کاذب اور بدکار کا تختہ الٹنے کی فکر میں ہیں وہ بھی اپنے طور پر جو کچھ کر سکتی ہیں اس سے دریغ نہ کریں۔ ہم انشاء اللہ ضرور کامیاب ہوں گے۔“

”سردار محترم۔۔۔۔۔“ زینت نے بڑے استقلال سے کہا۔ ”یہ ٹھیک ہے کہ ادھر آپ کوشش فرما رہے ہیں اور ادھر بیگم، اسو غنی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اپنی جان پر کھیل جانا چاہتی ہیں۔ امید ہے کہ خدا ہماری ضرورت سے گا لیکن کیا ایسا ممکن نہیں ہے کہ۔۔۔۔۔“

اتنا کہہ کر زینت خاموش ہو کے سردار فیروز کا منہ دیکھنے لگی۔

”ہاں ہاں کہو زینت۔“ سردار فیروز نے اسے حوصلہ دیا۔ ”دنیا میں سب کچھ ممکن ہے۔ تم کیا کہنا چاہتی ہو؟“

”سروار محترم۔۔۔۔۔“ زینت نے ٹھنڈی سانس لے کے کہا۔ ”جیسا کہ میں نے آپ سے عرض کیا ہے کہ بیگم اپنی جان پر کھیل جانا چاہتی ہیں۔ میں اگرچہ محض ایک ادنیٰ کنیز ہوں مگر میں نے بیگم کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا تھا اور یہ اسلامی جذبہ ہے کہ میں اپنی جان کی پروا نہ کر کے آپ تک پہنچ گئی ہوں جبکہ اسود عسلی کے محل کے گروپانچ سو سواروں اور پادوں کا سپرہ لگا رہتا ہے۔“

”شباباش ہے تم پر زینت۔“ سروار نے اس کی تعریف کی۔ ”اس کا اجر خدا نہیں ضرور دے گا۔“

زینت نے گبیہر آواز میں کہا۔

”اے نیک سردار۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ خواہ میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے

”تم نے درست کہا زینت۔“ سردار نے اس کی تائید کی۔ ”ہمیں واقعی بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اچھا خدا حافظ۔“

خدا حافظ کے الفاظ زینت نے بھی دہرائے پھر وہ سردار فیروز کے گھر سے نکل کے تاریک راستے پر چل پڑی۔

صبح کو سردار فیروز نے یہ خبر اپنے دوست سردار زاویہ کو سنائی۔ وہ یہ سن کر بہت خوش ہوا اور اسے امید بندھی کہ اب بہت جلد اسود عسّی کی نبوت اور خود اس کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ وہ اس وجہ سے اور زیادہ پر امید تھے کہ اگر شہر کی بیوی کی طرف سے کوئی قدم نہ بھی اٹھایا گیا تو مدینہ سے اسلامی لشکر کے پہنچنے پر اسود کا خاتمہ لازمی ہو جائے گا۔

زینت کو گئے تیسری رات تھی کہ وہ ایک بار پھر فیروز کے پاس پہنچی اور اس نے سامنا ہوتے ہی کہا۔

”کیا آپ تیار ہیں سردار فیروز؟“

”میں بھی تیار ہوں اور میرے دس مجاہد بھی تیار ہیں۔“ سردار فیروز نے جواب دیا۔

باہر ایک گھوڑا گاڑی موجود تھی۔ زینت ان سب کو اپنے ساتھ لے کے گاڑی میں بیٹھ گئی۔ یہ گاڑی اسود عسّی کے محل میں اس طرح داخل ہوئی جیسے تمام پریدار سو گئے ہوں۔ اس طرح یہ اس محل کے اس حصہ میں پہنچ گئے جہاں اسود عسّی اور اس کی زبردستی کی بیوی سو رہے تھے۔ دروازے پر ایک ہلکی سی دستک سے خوابگاہ کا دروازہ کھل گیا۔ وہ دونوں جاگ پڑے تھے۔ بیوی اچھل کے دور کھڑی ہو گئی۔ سردار فیروز نے آگے بڑھ کر خنجر اسود عسّی کے سینے میں اتار دیا۔

اسود عسّی چیخ بھی نہ نکال سکا۔

اوسر سے فارغ ہو کے سردار فیروز چھت پر چڑھا اور اس نے اذان دینا شروع کر دی یہ اس بات کا اعلان تھا کہ مسلمان اسود عسّی کے محل پر قابض ہو گئے تھے۔ اسود کے آدمیوں میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ صنعاء سے عدن کی طرف بھاگ کھڑے

مگر کسی طرح میری مالکہ کو اسود عسّی کے چنگل سے رہائی مل جائے۔ میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ اور میری مالکہ کی کوششیں ایک جگہ اکٹھا ہو جائیں۔۔۔۔۔؟“

فیروز نے چونک کر زینت کو دیکھا۔

”مگر کس طرح؟“ پھر سردار فیروز نے ایک لمحہ رک کے کا۔ ”آپ کی بیگم مجھ پر اعتماد کر سکتی ہیں۔ میں اپنی پوری طاقت سے ان کا ساتھ دینے پر تیار ہوں۔“

”میرا کام ختم ہو گیا سردار۔“ زینت اٹھ کے کھڑی ہو گئی۔ ”میں آپ کی زبان سے یہی سننا چاہتی تھی اب آپ تیار رہئے۔ ہم انشاء اللہ بہت جلد اسود عسّی مرتد کے وجود سے دنیا کو پاک کر دیں گے۔“

سردار فیروز اس کے ساتھ ہی اٹھ کے کھڑا ہو گیا تھا۔

”مجھے اور میرے ساتھیوں کو کیا قدم اٹھانا ہو گا۔۔۔۔۔۔ یہ تو بتاؤ؟“ فیروز نے زینت کو جانے کے لئے تیار دیکھ کر سوال کیا۔

”آپ کو اپنے طور پر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہئے بلکہ جہاں تک ہو سکے آپ یہی ظاہر کیجئے کہ آپ اسود عسّی کے مخالف نہیں۔ ہمیں آپ کی خدمات صرف ایک رات کے لئے درکار ہوں گی۔ وہ بھی صرف دس آدمیوں کے ساتھ۔ میں خود آپ کو اطلاع دینے آؤں گی۔“

فیروز نے کہا۔

”میں چند آدمی تمہارے ساتھ کر دوں۔ وہ تمہیں حفاظت کے ساتھ اسود عسّی کے محل ت پہنچا دیں گے؟“

”شکریہ سردار فیروز۔۔۔۔۔۔“ زینت نے جواب دیا۔ ”میری مالکہ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں آپ تک تنہا پہنچنے اور تنہا ہی واپس آنے کی کوشش کروں۔ اسود عسّی کے جاسوس چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ میرے ساتھ آپ کے آدمیوں کو دیکھ کر انہیں شبہ پیدا ہو سکتا ہے اور ایسی صورت میں میرے پاس کوئی معقول بہانہ بھی نہ ہو گا۔“

مقابلہ کیا مگر اس کی جھوٹی نبوت کا پول جلدی کھل گیا۔

دونوں لشکروں میں ابھی دو ہی گھنٹے مقابلہ ہوا تھا کہ قیس بن عبد بغوٹ کی فوج نے پیٹھ دکھائی۔ اسے بھاگتا دیکھ کر عمرو کی فوج کے بھی قدم اکھڑ گئے۔ ان دونوں نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں تو سوائے چند ساتھیوں کے اور کوئی دکھائی نہ دیا۔ وہ چند ساتھی بھی راہ فرار تلاش کر رہے تھے۔

آخر قیس بن عبد بغوٹ اور عمرو بن معدی زہیری کو گرفتار کر لیا گیا۔ انہوں نے درخواست کی کہ انہیں قتل نہ کیا جائے بلکہ وربار خلافت میں بھیج دیا جائے۔ چنانچہ انہیں مدینہ روانہ کر دیا گیا۔ وربار خلافت میں پہنچ کر انہوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور خلیفہ سے معافی کے خواستگار ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں معافی دے کر آزاد کر دیا۔

یہ دور عربوں میں طوائف الملوک کا تھا۔ حضورؐ کے وصال کے بعد عرب اس قدر بے خوف اور خود سر ہو گئے تھے کہ ایک کے بعد ایک نبوت کا دعویٰ کرنے لگا۔ یہ وبا کچھ ایسی پھیلی کہ مرووں کے ساتھ ساتھ عورتوں نے بھی نبوت کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے جو عورت اس میدان میں اتری اس کا نام سجاح بنت حارثہ تھا۔

سجاح کو شاید اس کے غرور حسن نے نبوت کے دعوے پر اکسایا تھا۔ یہ عورت نہایت دیدہ زیب بلکہ حسن و جمال کا ایک شاہکار تھی۔ جوانی میں قدم رکھتے ہی نوجوان اور جوان دلوں میں اس نے پلپل پیدا کر دی۔ وہ بڑی فیاض اور خوش مزاج خاتون تھی۔ جو جوان اس پر عاشق ہوتا، سجاح اس سے بچنے یا دور رہنے کے بجائے اس کی حوصلہ افزائی کرتی۔ وہ بڑی فراخ دلی سے اپنا بایاں ہاتھ اس کی طرف وراز کرتی اور دیوانہ عاشق اس کے ہاتھ کو بوسہ دے کر اس کے جنوں میں مبتلا ہو جاتا۔

عاشقوں کی یہ تعداد سینکڑوں سے بڑھ کر ہزاروں تک پہنچ گئی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ عورت بڑی زیرک، ہوشیار اور حوصلہ مند تھی۔ جب اس کے گرو کئی ہزار جوان جن میں بعض اوہڑ عمر بھی شامل تھے، اکٹھا ہو گئے تو شیطان نے اسے آواز دی یا خود اس نے آواز دے کر شیطان کو بلایا اور اپنے عشاق کے لہریں مارتے سمندر کے

ہوئے۔

جس دن اسود عسّی کے خاتمہ کی خبر مدینہ منورہ پہنچی تو اس سے ایک دن پہلے حضور مقبولؐ رحلت فرما چکے تھے اور خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کا یہ پہلا دن تھا اور حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی یہ پہلی خوشخبری تھی۔

لوگوں کو نبوت کا ایسا جنوں سوار تھا کہ اسود عسّی کے قتل کے بعد اس کے ایک ساتھی قیس بن عبد بغوٹ نے اپنی نبوت کا اعلان کر دیا۔ وہ اسود عسّی کے ان آدمیوں کے پاس پہنچا جو صنعاء سے بھاگ کے عدن کے راستے میں مقیم ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کے تعاون سے قیس نے سروراء فیروز اور زاوویہ کے اہل و عیال کو گرفتار کر کے جزیروں میں قید کر دیا۔

قیس بن عبد بغوٹ کا انجام بھی اسود عسّی جیسا ہوا۔ سروراء فیروز اس کے مقابلہ پر نکلا۔ فیروز کا ساتھ عرب کے دو قبائل، بنی عقیل اور بنی مکہ نے دیا۔ ان کی مدد سے فیروز نے اپنے اور زاوویہ کے بیوی بچوں کو جزیروں سے نکالا پھر قیس بن عبد بغوٹ کی سرکوبی کے لئے آگے بڑھے۔ اسی وقت مدینہ کا لشکر ماجرین ابی امیہ کی سرکردگی میں وہاں پہنچ گیا۔ اس لشکر کو خلیفہ نے اسود عسّی کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا تھا۔

سروراء فیروز کی یہ خوش قسمتی تھی کہ اس کی مدد کو صرف ایک لشکر نہیں پہنچا بلکہ ایک دوسرا لشکر بھی ان کی مدد کو پہنچ گیا۔ یہ لشکر حضرت ابوبکرؓ نے عکرمہ بن ابی جہلؓ کی سروراء میں عمان کی مہم پر روانہ کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ عمان کی مہم سے فراغت کے بعد یہ لشکر صنعاء کی طرف جائے اور سروراء فیروز کی مدد کرے۔ چنانچہ اب سروراء فیروز کو دو اسلامی لشکروں کی مدد حاصل ہو گئی تھی۔

انہوں نے پوری طاقت کے ساتھ صنعاء کی طرف کوچ کیا۔ اس دوران قیس بن عبد بغوٹ کو ایک دوسرے سروراء عمرو بن معدی زہیری کا تعاون حاصل ہو گیا تھا۔ عمرو بن معدی بھی اسلام سے اس وقت پھر گیا تھا جب اسود عسّی نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ قیس اور عمرو نے صنعاء سے باہر نکل کے مسلمانوں کے لشکروں کا

سامنے اعلان کیا۔

”یہ کیا ضروری ہے کہ نبوت کا مرتبہ صرف مرد کے حصے میں آئے، عورت بھی مرد ہی کی طرح مضبوط ارادوں کی مالک ہوتی ہے۔“

ہر طرف سے آواز بلند ہوئی۔

”بے شک۔ بے شک۔ سجاح مضبوط ارادوں کی مالک ہے۔“

”تو پھر اے میرے دوستو۔ میرے ساتھیو۔ سنو اور غور سے سنو۔“ سجاح بنت حارثہ نے ایک جھرجھری لے کر مضبوط لہجے میں کہا مگر کچھ کہنے کے بجائے وہ دیر تک خاموش کھڑی رہی۔

جب زیادہ دیر ہوئی تو مضبوط جوانوں کی بے چینی بڑھ گئی اور ایک جوان نے ہمت کر کے کہا۔

”اے جوانوں کے دلوں کی ملکہ اور اے زہرہ ثانی۔ اس خاموشی کو ختم کر کر تیرے شیدائی تیری آواز سننے کے لئے بے قرار ہیں۔“

سجاح بنت حارثہ نے سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا اور بولی۔

”میں اس وقت خاموش نہیں تھی بلکہ آسمانوں کے لافانی خدا سے باتیں کر رہی تھی۔“

”تو کیا خدا تم سے باتیں کرتا ہے؟“ ایک جوان نے بے یقینی کے انداز میں دریافت کیا۔

”ہاں ہاں۔۔۔۔۔“ سجاح بنت حارثہ مضبوط لہجے میں بولی۔ ”آسمانی خدا مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے اور میں اس سے گفتگو کرتی ہوں۔“

ایک دوسرے جوان نے تعجب سے پوچھا۔

”مگر ہم سے تو خداوند یسوع مسیح یا کنواری اور پاک مریم نے کبھی باتیں نہیں کیں؟“

”خداوند عام لوگوں سے ہم کلام نہیں ہوا کرتے۔۔۔۔۔“ سجاح بنت حارثہ نے متانت سے جواب دیا۔ ”وہ تو صرف ان لوگوں سے باتیں کرتے ہیں یا اپنا پیغام

بجواتے ہیں جنہیں وہ دنیا میں اپنا نائب بنا کر بھیجتے ہیں۔“

”مگر خداوند یسوع مسیح نے تمہیں اپنا نائب تو نہیں بنایا؟“ ایک جوان نے ذرا تلخ انداز میں کہا۔

سجاح بنت حارثہ مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ بجلی بن کر جوانوں کے دل پر گرتی تھی اور ہر جوان اپنا دل پکڑ کر رہ جاتا تھا۔ کئی بار مسکراہٹوں کی بارش کرنے کے بعد آخر سجاح نے کہا۔

”اے میرے ساتھیو اور میرے دوستو۔ میں اس وقت اس لئے خاموش تھی کہ خدا مجھ سے کہہ رہا تھا کہ آج میں تمہارے سامنے اپنے اس مرتبہ اور اعزاز کا اظہار کروں جو آسمانی اور لافانی خدا نے مجھے عطا کیا ہے۔“

”ہاں ہاں ضرور اظہار کرو۔۔۔۔۔“ ایک ساتھ کئی آوازیں بلند ہوئیں۔

پھر ایک جوان نے چیخ کے کہا۔

”اے پری پیکر اور سراپا جمال۔ یقین رکھ کہ اگر تو نے اپنے خدا ہونے کا بھی اعلان کیا تو ہم فوراً تجھے سجدہ کریں گے۔“

سجاح بنت حارثہ اس جوان کی اس بات سے ایسی خوش ہوئی کہ اس نے کہا۔

”اس جوان کو آگے آنے کا راستہ دو۔ میں اس سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔“

پس جوان کو راستہ دیا گیا اور وہ لوگوں کو ڈھکیلا ہوا سجاح بنت حارثہ کے قریب پہنچ گیا۔

”اے میرے پرستار تیرا نام کیا ہے؟“ سجاح نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”اے آسمانی دیوی میرا نام قبار ہے اور میں تیرے ہی قبیلہ یربوع سے تعلق رکھتا ہوں۔“

”یہ تو اور اچھا ہوا کہ تو میرا ہم قبیلہ ہے۔“ سجاح بنت حارثہ نے متانت سے کہا۔ ”میں تجھے آج سے اپنا محافظ خاص مقرر کرتی ہوں اور سب سے پہلے تجھ پر اس امر کا اظہار کرتی ہوں کہ آسمانی خدا نے مجھے تم لوگوں پر نبی بنا کے بھیجا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے مدینہ کے محمد (صلعم) کو نبی بنایا گیا تھا۔ چونکہ محمد (صلعم) کا انتقال ہو گیا

”تم اپنے نبی کو یوں بھی مخاطب کر سکتے ہو کہ اے نبی برحق سجاد بنت حارث۔“
 ”ٹھیک ہے۔“ اس نے قبار کی بات تسلیم کر لی۔ ”اے نبی برحق سجاد بنت حارث ہم نے تیری نبوت تسلیم کی۔ اب بتا کہ ہمارے کیا کیا فرائض اور کیا کیا حقوق ہیں۔“

سجاد بڑی توجہ اور غور سے یہ باتیں سن رہی تھی پھر جب اس سے براہ راست سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا۔

”سب سے پہلے یہ بات طے ہونا ہے کہ تم لوگ مجھے کس نام سے مخاطب کرو۔ اس سلسلہ میں میں کہوں گی کہ قبار نے ٹھیک کہا کہ تم لوگ مجھے ”نبی برحق سجاد بنت حارث“ کہہ کر مخاطب کر سکتے ہو۔ ان الفاظ کے لگانے سے ایک نبی کی عظمت میں ضرور اضافہ ہو جاتا ہے اور یہ ہونا بھی ضروری ہے لیکن میں یعنی تمہاری نبی سجاد بنت حارث یہ چاہتی ہے تم میری عظمت کا اظہار کرنے کے بجائے میری محبت اور عقیدت کا اظہار کرو۔ اس کے لئے میں چاہوں گی تم لوگ مجھے ”اے بنت حارث“ کہہ کر مخاطب کیا کرو کیونکہ اس طرح عظمت اور محبت دونوں کا اظہار ہو گا۔“

”ہم نے یہ بھی تسلیم کیا اے بنت حارث۔۔۔۔۔“ کسی طرف سے آواز آئی۔
 ”اب ہمیں ہمارے حقوق و فرائض سے آگاہ کیا جائے۔“

”کیوں نہیں۔ تمہیں اس سے ضرور آگاہ کیا جائے گا۔“ سجاد بنت حارث نے ہونٹوں پر مسکراہٹ سمجھاتے ہوئے کہا۔ ”تمہارے حقوق یہ ہیں کہ تمہیں اچھی غذا، اچھا لباس اور اچھا ماحول مہیا کیا جائے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس وقت ہم حالت جنگ میں ہیں۔ تم نے ہمیں نبی تسلیم کر لیا لیکن بہت سے لوگ ہماری نبوت سے انکار کریں گے۔ ظاہر ہے کہ ہمیں ان سے جنگ کرنا پڑے گی۔ فی الحال ہمیں اس بات کی ضرورت ہے کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ اسلحہ میسر ہو۔ جب تک نیزہ، تیر، کھوار اور گھوڑوں کا انتظام نہ ہو گا اس وقت تک نہ تو ہم جنگ کر سکتے ہیں اور نہ دوسرے علاقوں اور ملکوں تک پہنچ سکتے ہیں۔ ہمیں ان چیزوں کی فوری ضرورت ہے۔“

ہے اور ہمارا ملک عرب خدا کے نبی سے خالی نہیں رہ سکتا ہے اس لئے آسمان کی طرف سے لازوال خدا نے مجھے محمد (صلعم) کی جگہ نبی برحق مقرر کیا ہے۔ تم پر لازم ہے کہ میرا حکم مانو اور میری ہر بات کو سچ سمجھو۔“
 قبار فوراً ”سجدے میں گر گیا پھر سر اٹھا کے بولا۔

”بے شک سجاد بنت حارث نبی برحق ہے۔ وہ خدا کا اوتار ہے۔ ہم سب پر فرض ہے کہ اسے سجدہ کریں۔“

یہ کہہ کے وہ سجدے میں چلا گیا اور اس کی تقلید میں وہاں موجود ہزاروں جوان بھی سرسجود ہو گئے۔ اس وقت سجاد بنت حارث کی مسرت کا عالم دیکھنے والا تھا۔ اس کا چہرہ خوشی سے کھلا جا رہا تھا۔ اسے گمان بھی نہ تھا کہ اسے اس قدر جلد نبی تسلیم کر لیا جائے گا۔ اس نے سن رکھا تھا کہ محمدؐ نے جس وقت نبوت کا اعلان کیا تھا تو پورا عرب ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا تھا اور انہیں ہزار ہا مصائب سے گزرنا پڑا تھا تب جا کے ان کی نبوت تسلیم کی گئی تھی۔

”سجدے سے سر اٹھاؤ میرے پیروکارو۔۔۔۔۔“ سجاد نے کمال مسرت سے اعلان کیا۔ ”تم لوگ دن میں دو بار مجھے سجدہ کر سکتے ہو اور چاہو تو دو بار میرے ہاتھ پر بوسہ دے سکتے ہو۔“

لوگوں نے سجدہ سے سر اٹھایا۔ ان میں سے ایک بولا۔

”اے سجاد ہم نے تجھے۔۔۔۔۔“

”خبردار بے ادب۔“ قبار نے فوراً اس کی بات کاٹی۔ ”تجھے اپنے نبی کو مخاطب کرنے کا بھی سلیقہ نہیں۔ نبی کا صرف نام نہیں لیا کرتے بلکہ نام کے آگے پیچھے کچھ اور الفاظ لگائے جاتے ہیں۔“

جس کی بات کاٹی گئی تھی اس نے گھبرا کے پوچھا۔

”اے قبار۔ اے نبی کے محافظ۔ ہمیں بتا کہ ہم اپنے نبی کے نام کے ساتھ اور

کون سے الفاظ لگائیں؟“

قبار نے جواب دیا۔

قبار نے دخل دیتے ہوئے کہا۔

”دو تلواریں، دو نیزے، دو تیر کمان اور دو گھوڑے، اے بنت حارثہ میں تیری خدمت میں پیش کر سکتا ہوں۔“

”شاباش قبار۔۔۔۔۔“ سراج بنت حارثہ نے بڑی مسرت سے کہا۔ ”تم نے ہمارے بن کئے ہمیں پیش کش کی ہے۔ امید ہے کہ ہمارے دوسرے پرستار اور پیروکار بھی ایسی ہی پیش کش کریں گے۔“

سراج بنت حارثہ کے اس اعلان پر تو ہر طرف شور مچ گیا۔ ہر طرف سے پیش کش کی آوازیں آنے لگیں۔ کسی نے دو گھوڑے، چار تلواریں۔ کسی نے چار گھوڑے، آٹھ نیزے اور کسی نے سولہ گھوڑے اور بتیں تیر کمان کی پیش کش کی۔

سراج نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں خاموش ہونے کا حکم دیا۔ جب کامل خاموشی طاری ہو گئی تو اس نے کہا۔

”ہمیں پیشکش کا صرف اعلان نہیں بلکہ اس کا ثبوت بھی چاہئے۔ ہم سب کو حکم دیتے ہیں کہ اپنے اپنے گھر جائیں اور جتنے سامان کی پیشکش کی ہے اسے اپنے ساتھ لے کے یہاں آئیں۔“

لوگوں میں بھینٹا ہٹ پیدا ہوئی اور وہ واپس جانے لگے۔ اس وقت سراج بنت حارثہ نے انہیں روکا۔۔۔۔۔

”ٹھہرو میرے پرستار۔“

ان کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے اور وہ اپنی اپنی جگہ واپس آ گئے۔

سراج بنت حارثہ بولی۔

”اب ہمیں ایک فوج تیار کرنا ہے اور اس فوج سے ان لوگوں کو زیر کرنا ہے جو ہماری نبوت سے انکار کریں۔“

”لاریب۔ لاریب۔“ آوازیں بلند ہوئیں۔

”اس کے لئے لازم ہے کہ ہمارے پاس کھانے پینے کی وافر اشیاء موجود ہوں۔ اس لئے ضروری ہے کہ گھوڑوں اور اسلحہ کے علاوہ جو جس قدر اجناس اور دوسری

غذائیں اشیاء میا کر سکتا ہو وہ بھی اپنے ساتھ لے آئے۔“

سراج بنت حارثہ کے اس اعلان کے بعد لوگ دوبارہ اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان میں زیادہ جوان تو مقامی تھے جن میں عام طور پر سراج کے ہم مذہب یعنی عیسائی تھے مگر عیسائیوں کے علاوہ جو جوان قرب و جوار سے آئے تھے۔ وہ عیسائی نہ تھے بلکہ سراج کے حسن کی تعریف سن کر بھاگے چلے آئے تھے۔ اس اعلان کے دوسرے دن یعنی چوبیس گھنٹے کے اندر اندر میدان میں سامان خورد و نوش اور اسلحہ کے درجنوں اونچے اونچے ڈھیر لگ گئے۔

سراج ایک اچھی منظم بھی تھی۔ اس نے دس آدمیوں پر مشتمل ایک محکمہ قائم کیا جس کے سپرد کھانے کے سامان کی آمد اور خرچ کا حساب کیا گیا۔ اسلحہ کے لئے باقاعدہ اسلحہ خانہ بنایا گیا جس کے کارکنوں کے ذمہ اسلحہ جمع کرنا اور ضرورت کے وقت فوج کو میا کرنا تھا۔ محکمے متحرک تھے یعنی سراج بنت حارثہ کے ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ سراج بنت حارثہ نے تمام جوانوں کو اپنی فوج میں بھرتی کیا اور قیام و طعام کی ذمہ داری خود قبول کی۔

ایک ہفتہ بعد سراج کے پاس ہزار ہزار جوانوں پر مشتمل فوج کے چھ دستے تھے جو اس وقت کے رائج تمام ضروری اسلحہ سے مسلح تھے۔ گھوڑوں کی تعداد فوجوں سے بھی زیادہ تھی۔ اس کے لئے الگ انتظام کیا گیا۔ سراج بنت حارثہ کے گرو فوجیں اکٹھا ہوئیں تو اس کا دماغ اور زیادہ اونچا ہو گیا۔ اس کا قبیلہ بنو تمیم بہت بڑا تھا۔ حیات نبویؐ میں اس قبیلہ کا ایک وفد مدینہ پہنچا تھا اور حضورؐ کے دست مبارک پر اسلام لایا تھا۔

حضورؐ کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی قبیلہ اسلام لاتا تو آپ اس قبیلہ کی تعداد اور عسکری قوت کے مطابق اس پر ایک یا ایک سے زیادہ سردار مقرر کرتے تھے مگر یہ تمام سردار اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ قبیلہ بنو تمیم کے سلسلہ میں حضورؐ نے یہی طریقہ اپنایا اور اس بڑے قبیلہ پر زبرکان بن بدر، قیس بن عاصم اور مالک بن نویرہ کو سردار مقرر کیا۔

جری اور بہادر بنا دیا تھا۔ انہوں نے جس سردار پر حملہ کیا اس کے پرچے اڑا دیے اور اسے مجبور ہو کر سباج کی اطاعت قبول کرنا پڑی۔

چار پانچ سرداروں کو تو سباج نے شکست دے کر اپنا مطیع کر لیا مگر وہ جوں جوں آگے بڑھتی جاتی تھی، مقابلہ سخت ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی سباج بنت حارثہ کی پریشانی میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔

ایک شدید جنگ کے بعد سباج بنت حارثہ ایک رات ایک میدان میں خیمہ زن تھی کہ اس کے ایک پریدار نے اسے اطلاع دی۔

”اے نبی برحق۔ اے بنت حارثہ۔ ایک شخص جو اپنے آپ کو مالک بن نویرہ کہتا ہے اور بنو تیمم کا ایک بڑا سردار ہونے کا دعویدار ہے وہ آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔“

”مالک بن نویرہ۔“ سباج نے اس نام کو آہستہ سے زیر لب دہرایا پھر جلدی سے کھڑی ہو گئی۔

”بے شک۔ بے شک۔ مالک بن نویرہ ایک بڑا سردار ہے۔ وہ خود چل کر ہمارے پاس آیا ہے۔ ہمیں لازم ہے کہ ہم خود آگے بڑھ کر ان کا استقبال کریں۔ اگر وہ ہمارا مطیع ہو گیا تو ہماری طاقت کئی گنا زیادہ ہو جائے گی۔“

یہ کہتے ہوئے اس نے چند جوانوں کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور خبر لانے والے کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ وہ تھوڑی ہی دور چلی تھی کہ اسے شفاف چاندنی میں پندرہ بیس سوار کھڑے نظر آئے۔ جب وہ اور قریب پہنچی اور سواروں کی اس پر نظر پڑی تو فوراً ”گھوڑوں سے اتر کر کھڑے ہو گئے۔“

”مالک بن نویرہ کدھر ہیں؟“ سباج بنت حارثہ نے قریب پہنچ کر کہا۔ سامنے کھڑے ہوئے آدمیوں میں سے ایک ادھیڑ عمر شخص چند قدم آگے بڑھا اور تعظیم کے انداز میں سر کو ذرا سا خم کر کے ولا۔

”مالک بن نویرہ، نبی برحق سباج بنت حارثہ کو تعظیم پیش کرتا ہے۔“ سباج بنت حارثہ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ مالک بن نویرہ نے بغیر کسی حیل و

مگر جب حضور کا وصال ہوا اور فتنہ ارتداد کا زور ہوا تو بنو تیمم کا کوئی قبیلہ بھی مدینہ کی اسلامی ریاست کا وفادار نہ رہا اور سب کے سب سرکش ہو گئے۔ اسی قبیلہ کی ایک شاخ بنو تغلب کی ذیلی شاخ بنو یربوع سے سباج بنت حارثہ کا تعلق تھا۔ طاقت حاصل کرتے ہی سباج بنت حارثہ نے اپنے قبیلہ کی تمام شاخوں کی طرف قاصد روانہ کئے۔ قاصد کے ذریعہ سباج بنت حارثہ نے ہر قبیلہ سردار کو پیغام بھیجا۔

”آسمانوں کے لازوال خدا نے مجھے یعنی سباج بنت حارثہ کو تم پر

نبی بنایا ہے۔ اس لئے تم پر لازم ہے کہ میری اطاعت کرو اور

اپنا لشکر میرے لشکر میں شامل کر دو ورنہ میں تمہیں نیست و نابود

کر دوں گی۔ اگر میری اطاعت کے لئے تم نے دو ہفتہ کے اندر

اپنا وفد میرے پاس نہ بھیجا تو میں تم پر لشکر کشی کر دوں گی۔“

ان میں جو چھوٹے چھوٹے سردار تھے وہ ڈر گئے اور انہوں نے اپنے وفد بھیج کر سباج بنت حارثہ کی اطاعت قبول کر لی۔ جو سردار سرکش اور خود سر تھے انہوں نے سباج بنت حارثہ کے قاصد کو ڈانٹ کر بھگا دیا۔ قاصد نے واپس جا کر سردار کے جواب سے سباج کو آگاہ کیا اور سباج نے ان کے جواب کی روشنی میں اگلا قدم اٹھایا۔ سباج کے لشکر کی تعداد (ایک بیان کے مطابق) دس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ اسے اسلحہ بھی کافی مقدار میں میسر آ گیا تھا۔ سامان خورد و نوش کی بھی کوئی کمی نہ تھی اس لئے سباج بنت حارثہ نے اس کا حکم نہ ماننے والوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اس نے مختلف سرداروں کے خلاف ایک جنگی نقشہ تیار کیا اور اس کے مطابق اس نے اپنی فوجوں کو حرکت دی۔

بنو تیمم کے جن سرداروں نے اس کی اطاعت سے انکار کیا تھا، ان کا یہ خیال تھا اور انہیں یہ اطلاع بھی دی گئی تھی کہ سباج کے گرد چند سر پھرے جوان جمع ہو گئے ہیں جو محض اس کے حسن کے اسیر ہیں۔ وہ اسی خیال میں تھے کہ سباج بنت حارثہ ایک مضبوط لشکر کے ساتھ ان پر حملہ آور نہ ہو گی۔ یہ حقیقت تھی کہ سباج کے لشکر کے تمام جوان اس کے عشق میں مبتلا تھے مگر اس عشق کے سودے نے انہیں انتہائی

”مدینہ سے مسلمانوں کے نبی محمدؐ نے خروج کیا تھا۔ اس لئے میں بھی مدینہ کو اپنا درالسلطنت بنانا چاہتی ہوں۔“

”آپ کا خیال بہت درست ہے۔“ مالک بن نویرہ نے اس کی ہاں نہیں ہاں ملائی پھر ذرا ٹھہر کے بولا۔ ”مدینہ میں محمدؐ کے بعد ابوبکرؓ نام کا ایک شخص مسلمانوں کے پہلے خلیفہ کے طور پر حکومت کر رہا ہے۔ ادھر سے آنے والے قافلوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ ابوبکرؓ نے دس بارہ فوجیں تیار کی ہیں اور ان کے الگ الگ سردار مقرر کر کے عرب کے ان قبائل کی طرف بھیجے ہیں جنہوں نے ”اسلام“ کے نئے مذہب کو رد کر کے پھر اپنا پرانا مذہب اختیار کر لیا ہے۔“

سبحان بنت حارثہ فکرمند ہو گئی۔ اس نے دریافت کیا۔

”کیا مسلمانوں کی چھوٹی سی ریاست ”مدینہ“ میں اتنی طاقت آگئی ہے کہ وہ دس بارہ فوجیں تیار کر سکے۔ اگر اس کی ہر فوج میں دو ہزار سوار اور پیادے ہوں تو بارہ فوجوں کی تعداد پچیس ہزار کے قریب ہوتی ہے۔ کیا مسلمان اتنا بڑا لشکر تیار کر سکتے ہیں؟“

”محترم بنت حارثہ۔۔۔۔۔“ مالک بن نویرہ نے ادب سے کہا۔ ”آپ لشکر کی تیاری کو کہہ رہی ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی بارہ فوجیں عرب کے بارہ سرداروں سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہو چکی ہیں۔ ایک فوج میری طرف بھی آ رہی ہے اور میں نے سنا ہے کہ مسلمانوں کی ایک زبردست فوج یمامہ کے حاکم میلہ بن حبیب سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوئی ہے۔ میں آپ کے پاس اسی لئے آیا ہوں کہ ہمیں متحد ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنا چاہئے۔“

”آپ بے فکر رہیں، مالک بن نویرہ۔“ سبحان بنت حارثہ نے مضبوط لہجے میں کہا ”ہمارے بہادر جوان آپ کا ساتھ دیں گے اور ہم انہیں مار بھگاؤں گے۔“

مالک بن نویرہ نے کہا۔

”اگر آپ مناسب سمجھیں تو مدینہ پر حملہ کرنے کا خیال اس وقت ملتوی کر دیں اور پہلے بنو تمیم کے باغی سرداروں کو اپنے قبضے میں لائیں۔ دوسری بات یہ کہ میلہ

جنت کے اسے خود ہی ”نبی“ تسلیم کر لیا تھا۔

سبحان بنت حارثہ نے پروتار انداز میں مالک بن نویرہ کی پذیرائی کی۔

”ہم اپنے پیردکار بنو تمیم کے عظیم سردار مالک بن نویرہ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔“

اس طرح مالک بن نویرہ نے سبحان بنت حارثہ کو اور اس نے مالک بن نویرہ کی عظمت کو تسلیم کر لیا۔ سبحان بنت حارثہ مہمان کو ساتھ لئے ہوئے اپنے خیمہ پر آئی۔ وہ کھانا کھا چکی تھی مگر اس نے مالک بن نویرہ کے لئے کھانا منگوایا اور اس کی خاطر خود بھی کھانے میں شریک ہوئی۔ مالک کے لئے ایک بڑا خیمہ لگایا گیا اور اسے ایک معزز مہمان کی طرح رکھا گیا۔

صبح کا ناشتہ سبحان اور مالک نے ایک ساتھ کیا۔ اس کے بعد سیاسی گفتگو کا آغاز ہوا۔ گفتگو کا آغاز مالک بن نویرہ نے کیا۔

”محترم نبی برحق سبحان بنت حارثہ۔۔۔۔۔“

مالک اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ سبحان نے اسے روک دیا۔

”مالک بن نویرہ۔ آپ میرے بزرگ ہیں۔ پھر جب آپ نے مجھے نبی تسلیم کر لیا ہے تو پھر بار بار نبی برحق کہنے کی ضرورت نہیں۔ آپ مجھے صرف ”بنت حارثہ“ کے الفاظ سے مخاطب کر سکتے ہیں۔“

”شکریہ۔“ مالک نے کہا۔ ”اب یہ فرمائیے کہ آپ کے ارادے کیا ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ میرے سوال کا جواب دیں اس لئے کہ آپ نبی برحق ہیں اور میں آپ کا ایک پیردکار ہوں۔“

”آپ میرے پیردکار بھی ہیں اور بزرگ بھی۔“ سبحان بنت حارثہ نے جواب میں کہا۔ ”میرا ارادہ ہے کہ میں پہلے اپنے قبیلہ کے تمام سرکشوں کو زیر کروں۔ اس کے بعد مدینہ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لوں۔“

”آپ مدینہ پر کیوں قبضہ کرنا چاہتی ہیں؟“ مالک بن نویرہ نے پوچھا۔

سبحان نے جواب دیا۔

دونوں طرف کے فوجی اس جمود سے تنگ آچکے تھے اور جلد سے جلد کسی فیصلے کے خواہش مند تھے۔ انہیں جب اس طرح فیصلہ کرنے کی خبر ہوئی تو انہوں نے بھی اسے دل سے قبول کر لیا اور اس دن کا انتظار کرنے لگے جب اس کا نتیجہ نکلنے کی امید تھی۔ میلہ کے حکم سے دونوں لشکروں کے درمیان میدان میں ایک عالیشان خیمہ ملب کیا گیا۔ اس خیمہ کو بہترین ساز و سامان سے آراستہ پیراستہ کیا گیا۔ فرش، پردے، سکیے اور بستر گویا ہر چیز زرنگار تھی اور شاہانہ ٹھاٹھاٹ کا اظہار کرتی تھی۔ ملک میوہ جات، مشروبات اور اعلیٰ دکنہ شراب بھی خیمے کے اندر پہنچا دی گئی۔ پھر طے شدہ پروگرام کے تحت دونوں لشکروں کو ہزار ہزار گز تک اس خیمے سے دور ہٹا دیا گیا تاکہ ان جھوٹے مدعی اور مدعیہ نبوت کی گفتگو میں نہ کوئی خلل ہو اور نہ ان کی امنی کسی کے کانوں تک پہنچ سکیں۔ دونوں لشکروں کو سختی سے تاکید کر دی گئی کہ کوئی شخص خیمے کے قریب اس دقت تک نہ جائے گا جب تک گفتگو ختم نہ ہو جائے اور دونوں خود خیمہ کے باہر نہ آجائیں۔

گفتگو کے دقت کی پابندی نہ تھی۔ یہ گفتگو ایک گھنٹہ بھی ہو سکتی تھی اور ایک گھنٹہ بھی جاری رہ سکتی تھی۔ اس خیال سے ہر طرح کا سامان خورد و نوش دافر ہزار میں خیمہ میں رکھ دیا گیا تھا۔ خیمے کی آرائش و زیبائش مکمل ہو گئی تو سباج نے ایک رات اپنے مخصوص سرداروں کے ساتھ اس کا معائنہ کیا اور جس چیز کی کمی محسوس ہوئی اسے مہیا کرنے کا حکم دیا۔ اس معائنہ کا مقصد دراصل یہ دیکھنا تھا کہ خیمے کے اندر کوئی ایسی چیز تو پوشیدہ نہیں کی گئی جو سباج کو نقصان پہنچا سکے۔ کیونکہ طے یہ واقعہ تھا کہ سباج اور میلہ دونوں بغیر ہتھیار کے گفتگو کریں گے۔ سباج کے سرداروں کو ایسی کوئی چیز نظر نہ آئی۔ اس لئے اس نے انتظامات پر اطمینان کا اظہار کیا اور میلہ کے حسن سلیقہ اور نفاست کی تعریف کی۔ سباج کو معلوم ہو چکا تھا کہ بلکہ ایک پست قد اور بد صورت انسان ہے، مگر اس نے خیمہ کو جس سلیقہ سے راتہ رات کرایا تھا۔ وہ اس کی نفاست پسندی کا ثبوت تھا، جس سے سباج غیر شعوری طور پر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

بن حبیب نے بھی ”نبوت“ کا دعویٰ کیا ہے۔ اسے قاصد بھیج کے آپ اسے اپنی اطاعت پر مجبور کیجئے۔“

یہ بات سباج بنت حارثہ کی سمجھ میں آگئی۔ اس نے فوراً ایک قاصد میلہ بنت حارثہ کے پاس بھیجا اور اسے حکم دیا کہ وہ سباج بنت حارثہ کی نبوت کو تسلیم کر لے ورنہ اس کے خلاف فوج کشی کی جائے گی۔

میلہ کذاب نے خط و کتابت کے ذریعہ سباج کو زیر کرنے کی تمام ترکیبیں استعمال کر ڈالیں مگر وہ ہر تدبیر میں ناکام رہا۔ بڑے سے بڑے لالچ سباج کے قدم نہ ہلا سکے۔ میلہ نے اسے بڑے وسیع علاقہ کی سرداری کی پیش کش بھی کی مگر سباج نے اسے ٹھکرا دیا۔ آخر میلہ نے ترپ کا آخری پتہ پھینکا اور ایک اہم فیصلہ کیا۔ اس نے سباج بنت حارثہ کو پیغام بھیجا کہ ایک ہی عقیدہ کے دو لشکروں کی جنگ سے ہم دونوں کو نقصان ہو گا۔ اس لئے یہ زیادہ بہتر ہے کہ ہم دونوں آپس میں منہ در منہ بیٹھ کر خود گفتگو کریں تاکہ اس بات کا فیصلہ ہو جائے کہ دونوں میں سچا نبی کون ہے۔ جو بھی دوسرے کو قائل کر لے گا وہی سچا نبی تسلیم کر لیا جائے گا اور دوسرا نبوت سے دست بردار ہو جائے گا۔ یہ ایک ایسا جال تھا جس سے بچتا سباج کے لئے مشکل ہو گیا۔ اگر وہ بالمشافہ گفتگو سے انکار کرتی تو اس کے پیروکاروں میں شکوک پیدا ہونے کا خطرہ تھا۔ وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے ماننے والے اسے ایک مرد سے کمتر خیال کریں۔ اس لئے اس نے مجبوراً ”میلہ کی اس پیشکش کو قبول کر لیا اور اس سے تنہائی میں گفتگو کرنے پر آمادہ ہو گئی۔ اس کے دل میں ایک ہلکا سا خوف ضرور پیدا ہوا مگر اسے اپنی قوت ارادی اور ذہانت پر پورا اعتماد تھا۔ اس لئے اس نے اس دوسرے کو دل سے نکال دیا اور گفتگو پر آمادہ ہو گئی۔

دن کر سکتا تھا۔ سراج نے ایک لمحہ تلاشی کا انتظار کیا مگر سردار تو اپنے ہوش و حواس بوجھ چکا تھا۔ وہ بار بار سر کو جھٹکا دے کر اپنی آنکھیں کھولنے کی کوشش کرتا جیسے وہ اس پر قابو پانا چاہتا ہے۔ اسی دوران سراج مسکراتی ہوئی بغیر تلاشی کے اس مرحلہ سے گزرے، خیمے میں داخل ہوئی اور میلہ کا سالار لشکر بت بنا سراج کو دیکھتا ہی رہ گیا۔

سراج بنت حارث خیمے میں داخل ہوئی تو میلہ کذاب کا سالار لشکر بھی خیمے سے یک ہزار گز دور چلا گیا۔ دونوں لشکر بھی اتنے ہی فاصلے پر موجود تھے۔ ان کی کیفیت تھی کہ جیسے وہ حالت جنگ میں ہوں۔ تیر اندازوں کے تیر کمانوں میں جڑے ہوئے تھے اور شمشیر زنوں نے تلواریں بے نیام کر لی تھیں تاکہ کسی ناخوشگوار واقعہ کی صورت میں ذہ فوراً حرکت میں آجائیں۔ ان کی نظریں میدان میں استادہ خیمہ پر لگی ہوئی تھیں جہاں جنگ و صلح کا فیصلہ کیا جا رہا تھا۔ خیمے کے اندر دو شیطانی روحیں موجود تھیں، جن کا نصب العین اور مقصد ایک تھا۔ دونوں نبوت کے جھوٹے وعیدار تھے۔ دونوں ہی اسلام کے دشمن تھے۔ انہیں اپنی مادی طاقت اور نفری پر غور تھا۔

ان میں یہ فیصلہ ہوتا تھا کہ دونوں میں سے بڑا جھوٹا کون ہے۔ ان دونوں شیطانی طاقتوں میں کیا گفتگو ہوئی اس کا کسی کو علم نہیں۔ تمام تاریخیں اس سلسلے میں خاموش ہیں۔ اس لئے کہ دور دور تک کوئی انسان موجود نہ تھا۔ یہاں تک کہ اگر خیمہ کے اندر کوئی شور بھی مچاتا تو اس کی آواز باہر والوں کو سنائی نہ دیتی۔ اندر جو کچھ بھی باتیں ہوئیں، ان کے بارے میں قیاس اور اندازہ ضرور لگایا جاسکتا ہے۔ خیال یہی ہے کہ سراج بنت حارث نے اپنے حسن و جمال کے تیروں سے میلہ کے دل کو چھلنی کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ اس نے عشوے و غمزے کے جال پھیلانے ہوں گے اور اپنے آفتیں بدن کی گرمی سے میلہ جیسے گرگ باران کو موم کرنے کے طریقے اختیار کئے ہوں گے۔ سراج نے ہر وہ ترکیب اور چال چلی ہوگی جو عورت کے اختیار میں ہوتی ہے۔ میلہ کذاب مردانہ وجاہت سے خالی تھا۔ اس لئے اس نے اپنی مدافعت میں یقیناً عقل و خرد کو ڈھال استعمال کی ہوگی۔ گویا یہ حسن اور عقل کی ایک ایسی جنگ

وہ دن آن پہنچا۔ جب ان دو جھوٹے نبیوں کی تاریخی ملاقات ہوئی تھی۔ پہلے میلہ اپنے لشکر سے نکل کر خیمہ کے پاس آیا۔۔۔۔۔ وہ نہایت اعلیٰ لباس میں لمبوس تھا۔ قیمتی جواہرات کی ایک مالا۔۔۔۔۔ اس کے گلے میں پڑی تھی۔ اس کی چال میں تمکنت اور شاہانہ وقار تھا۔ خیمہ کے قریب پہنچا تو سراج بنت حارث کے سردار اعلیٰ نے جو خیمے کے دروازے پر موجود تھا۔ اسے جھک کر سلام کیا۔ میلہ نے مسکرا کر جواب دیا اور خود کو بلا عذر تلاشی کے لئے پیش کر دیا۔ ملاقات کے سلسلے میں یہ شرط بھی رکھی گئی تھی کہ میلہ اور سراج کو خیمہ میں داخل ہونے سے پہلے تلاشی دینا ہوگی تاکہ ان کے غیر مسلح ہونے کا یقین ہو جائے۔ سراج کے سردار اعلیٰ نے ادب کے ساتھ میلہ کی تلاشی لی اور پھر پیچھے ہٹ کر اسے اندر جانے کا راستہ دے دیا۔ اب سراج اپنے خیمہ سے برآمد ہوئی۔ وہ سر سے پیر تک شعلہ جوالہ بنی ہوئی تھی۔ ایک تو اس کا قدرتی حسن اس پر بہترین تراش کے زیور اور لباس۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ انسانی پیکر میں کوئی پری ہے جو گل گشت کے لئے نکلی ہے۔ سراج کے لشکری اپنے نبی کی خوبصورتی دیکھ کر مبسوت ہوئے جا رہے تھے۔ سراج باوقار قدموں کے ساتھ خیمے کی طرف چلی۔ اس کے ساتھ اس کی کنیز لیلیٰ تھی، لیلیٰ نے چند قدم سراج کا ساتھ دیا مگر پھر سراج کے اشارہ پر رک گئی اور واپس ہونے سے پہلے اس نے سراج کے کان میں آہستہ سے کہا۔ ”دوسرے نفعیے کا خیال رکھنا۔“

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب لیلیٰ نے سراج کو لباس پہنایا تو اس نے دوہرا نیند لگایا اور بچے کے نیند میں ایک باریک خنجر اس طرح رکھا کہ دیکھنے میں نظر نہ آئے اور اگر تلاشی ہو تو بھی اس کا پتہ نہ لگے۔ سراج قدم قدم پر نیند جگاتی اور قیامت برپا کرتی خیمہ تک پہنچ گئی۔ وہاں اس وقت میلہ کذاب کا سالار لشکر تلاشی لینے کے لئے موجود تھا۔ سراج کے قریب جانے سے پہلے وہ جھک کر تعظیم بجالایا۔ سراج نے مسکرا کر سر کو ذرا جنبش دی۔ پھر سراج نے دیکھا کہ میلہ کے سردار کا تلاشی کے لئے بڑھا ہوا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اس کا ہاتھ ہی نہیں بلکہ تمام جسم مرتعش تھا۔ بھلا اس حسن کی دیوی سے آنکھ ملانے یا اس کے جسم کو ہاتھ لگانے کی جرات

ہوں۔ وہ یہ کہ ہم دونوں نے نبوت کو آپس میں تقسیم کر لیا ہے مگر ہماری طاقت تقسیم نہ ہو گی۔ آج سے دونوں لشکر ایک کئے جاتے ہیں۔ کیوں کہ میلہ اور سراج نے شادی کر کے ایک ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“

اس فیصلے سے لشکریوں میں جیسے خوشیاں بکھر گئیں۔ ہر ایک مسرور اور مطمئن تھا۔ سراج کے لشکریوں نے آگے بڑھ کر، میلہ کے جوانوں کو گلے لگا لیا۔ کمانوں سے تیر نکال لئے گئے اور تلواریں نیام میں واپس ہو گئیں۔ ہر طرف خوشیاں منائی جانے لگیں۔ یمامہ میں قنود حرم والوں کو اس کی خبر ہوئی تو وہ مبارک باد دینے میدان میں آ گئے اور میدان جنگ میں جشن جیسا سماں ہو گیا۔

سراج کی کنیزیں اسے خیمہ میں واپس لے گئیں۔ وہ سب بھی اس فیصلہ سے بہت خوش تھیں۔ میلہ کذاب بد صورت ضرور تھا مگر وہ عقل مند، بہادر اور ایک بڑی طاقت کا مالک تھا۔ سراج کو یہ سودا گھائے میں نہ پڑا مگر میدان کے بڑے خیمے میں اس پر جو گزری تھی اس سے وہ کچھ مڑوہ اور اداس تھی۔ کنیزیں اسے چھیڑتیں تو وہ بھینپ جاتی۔ شادی کے فیصلہ سے وہ خوش ضرور تھی۔ مگر شاید ذاتی وقار کی یہ قربانی اسے پسند نہ آئی تھی۔ بہر حال اس نے رسمی شادی کی تیاریوں میں پوری دلچسپی کا اظہار کیا۔ دونوں طرف زبردست انتظامات کئے گئے۔ نہ ادھر کسی بات کی کمی تھی اور نہ ادھر۔ ہر چیز موجود اور تیار تھی۔ دوسرے دن بڑی دھوم دھام سے میلہ کی بارات آئی۔ قبائلی طرز سے ان کا نکاح ہوا۔ چونکہ دونوں نبوت کے دعویدار تھے اس لئے انہیں کسی مذہبی پابندی کی ضرورت نہ تھی، ان کا مرتبہ انسانوں سے بلند تھا۔ سراج رخصت ہو کر یمامہ میں مسلحہ کے شاہی حرم میں پہنچا دی گئی۔ اس کے حرم میں بارہ سو عورتیں پہلے ہی موجود تھیں۔ ان میں سراج کا ایک اور اضافہ ہو گیا۔ حرم کی کنیزیں ان بیگمات کے علاوہ تھیں۔ یہ کنیزیں دن بھر کام کرتیں مگر رات ہوتے ہی انہیں بیگمات کا درجہ خود بخود مل جاتا۔ میلہ نے سراج بنت حارثہ کو حرم سرا میں سب سے بلند مقام عطا کیا اور تمام بیگمات کو اس کے تابع کر دیا۔

دونوں طرف سے لشکریوں نے کئی دن تک خوب جشن منایا۔ سراج بنت حارثہ کا

تھی جس میں دونوں حریفوں نے پورا زور صرف کیا ہو گا۔ یہ ہنگامہ، یہ جنگ یا یہ گفتگو کتنے عرصے جاری رہی اس بات میں اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ یہ گفتگو چند گھنٹوں میں اختتام پذیر ہو گئی۔ لیکن بعض کہتے ہیں اس کی طوالت کئی دنوں اور کئی راتوں پر محیط ہے۔ بہر حال اس ملاقات میں کتنا ہی وقت صرف ہوا ہو اس کا اختتام تو ہونا ہی تھا اور فیصلہ لازمی تھا چنانچہ ملاقات ختم ہوئی اور فیصلہ ہو گیا۔ ایک عجیب فیصلہ جو کسی کے تصور میں بھی نہ تھا۔

میلہ کذاب اور سراج بنت حارثہ دونوں ایک ساتھ خیمہ سے باہر آئے انہیں دیکھتے ہی دونوں لشکروں کے سردار اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے ان کے پاس پہنچ گئے۔ میلہ کا چہرہ اترا ہوا اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اسے کوئی تکلیف ہے یا کسی جگہ کوئی درد ہو رہا ہے۔ سرداروں کی تیز نظروں نے جلد یہ پتہ لگا لیا کہ میلہ کے کان کے نیچے ایک زخم ہے جس پر خون جما ہوا ہے۔ یہ زخم کب اور کیسے لگا اس کا حال بھی کوئی نہ جان سکا۔ سوائے سراج بنت حارثہ یا اس کی رازدار کنیز لیلیٰ کے، جس نے دوہرے نغیے میں باریک خنجر پوشیدہ طور پر رکھ دیا تھا۔ مگر اس وقت سراج بنت حارثہ کے چہرے پر بھی بشارت کے بجائے پھیکا پن تھا۔ وہ کھوئی کھوئی سی اور مضطرب تھی۔ تمام بڑے بڑے سردار ان کے قریب آ چکے تھے اور ان کا فیصلہ سننے کے لئے بے تاب تھے۔

آخر میلہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے فیصلہ کا اعلان کیا۔ ”میرے سچے پیر کا رو! میں تصدیق کرتا ہوں اور اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ سراج بنت حارثہ بھی میری طرح سچی نیہ ہے۔“

اس اعلان سے سراج بنت حارثہ کے چہرے پر کچھ رونق آ گئی۔ اس نے اپنے حواس مجتمع کئے اور مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے اپنے سرداروں کو مخاطب کیا۔ ”سراج بنت حارثہ کے سچے پرستارو! تمہاری نیہ تصدیق کرتی ہے اور شہادت دیتی ہے کہ میلہ بن حبیب بھی میری طرح سچا نبی ہے۔“

سراج کے اعلان کے فوراً بعد میلہ بولا۔ ”اب میں ایک ضروری اعلان کرتا

ہزار کا لشکر سجاج بنت حارثہ کے آدمیوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا لیکن اس کمی کو سجاج کے لشکر نے پورا کر دیا تھا بلکہ اس میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ میلہ نے اس موقع پر ایک اور مکارانہ چال چلی۔ اس نے تمام گمراہ اور مرتد قبائل کو پیغامات بھیجے کہ وہ سب اس کے جھنڈے تلے اکٹھے ہو جائیں اور مسلمانوں کو شکست دیں کیونکہ اگر وہ منتشر رہے تو مسلمان ایک ایک کر کے انہیں ختم کر دیں گے۔ اس کے اس پیغام کا خاصا اثر ہوا اور مرتدین گروہ در گروہ دور دور سے آ کر اس کے لشکر میں شامل ہونے لگے۔ اس طرح میلہ کذاب کے پاس چالیس ہزار سے زائد مرتدین اور مشرکین کا لشکر ہو گیا۔

میلہ کو پہلے تو مسلمانوں کی آمد کی خبر سے خوف ہوا مگر جب اس کا لشکر چالیس ہزار سے زیادہ ہو گیا تو حوصلہ بڑھ گیا۔ اسے یقین تھا کہ مسلمان اتنا بڑا لشکر اس کے مقابلے پر نہ لا سکیں گے اور یہ ٹھیک بھی تھا کیونکہ مسلمانوں کا لشکر تو گیارہ حصوں میں بٹ چکا تھا اور وہ بیک وقت گیارہ مقامات کو، مرتدین کی سرکوبی کے لئے الگ الگ روانہ ہو چکے تھے۔ صرف میلہ کذاب کی عظیم طاقت کے پیش نظر حضرت صدیق اکبرؓ نے آگے پیچھے دو دستے روانہ کئے تھے جن میں پہلا دستہ عکرمہ بن ابی جہل کے زیر کمان تھا۔ عکرمہ بن ابی جہل خلیفہ کے حکم کے مطابق یمامہ کے راستے میں آنے والے مرتد قبائل کا قلع قمع کرتے ہوئے آگے بڑھے انہیں صرف چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ وہ جہاں پہنچتے تھوری مزاحمت کے بعد مرتدین پھر اسلام اور نبی المرسلین پر ایمان لے آتے۔ عکرمہ کا دستہ آہستہ آہستہ بڑھتا ہوا یمامہ کے قریب پہنچ گیا۔ میلہ پہلے ہی تیار تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ عکرمہ بن ابی جہل کے پاس صرف پانچ چھ ہزار فوج ہے تو اسے اطمینان ہوا اور اپنی نصف فوج لے کر آگے بڑھا۔ عکرمہ کو معلوم ہوا کہ میلہ کذاب ان کے مقابلے کے لئے خود آگے بڑھ کر آ گیا ہے اور پڑاؤ ڈالے ان کا انتظار کر رہا ہے تو انہوں نے ایک رات مجلس شوریٰ بلائی تاکہ کوئی متفقہ فیصلہ کیا جاسکے۔

عکرمہ کے حکم کے تحت تمام اکابرین فوج اور چھوٹے سردار ان کے خیمے میں

لشکر میلہ کے لشکر میں ضم کر دیا گیا۔ اس سے میلہ کے لشکر میں کچھ اضافہ ضرور ہوا۔ مگر دور دراز کے وہ فوجی جو محض سجاج کی خاطر اس کے ساتھ یہاں تک آئے تھے وہ یمامہ میں نہ ٹھہرے اور اپنے اپنے شہروں کو واپس ہو گئے۔ سجاج اور میلہ کی شادی کی خبر دور دور تک پھیل گئی۔ مالک بن نویرہ کو جب یہ خبر پہنچی تو اسے بڑا افسوس ہوا۔ اسے امید تھی اور سجاج نے وعدہ بھی کیا تھا کہ وہ واپسی پر مالک سے شادی کرے گی۔ مگر یہ وہ آرزو دل ہی میں لئے خالد بن ولید کے لشکریوں کے ہاتھوں مارا گیا۔



سجاج بنت حارثہ حرم سرا حدیقہ الرحمان میں تھی۔ یہاں اسے ہر طرح کا آرام تھا کیونکہ وہ میلہ کی سب سے قیمتی بیوی تھی۔ مگر سجاج کو یہ شادی راس نہ آئی۔ ابھی وہ ایام غسل (HONEY MOON) ہی میں تھی کہ میلہ کو مسلمان لشکر کی مدینہ سے روانگی کی اطلاع ملی۔ خلیفہ اول نے اسلامی لشکر کو گیارہ حصوں میں تقسیم کر کے ان کے الگ الگ سردار مقرر کئے اور انہیں مرتدین اور نبوت کے جھوٹے دعویداروں کے خاتمے کے لئے روانہ کیا تھا۔ اس میں ایک دستے کے سردار عکرمہ بن ابی جہل تھے۔ انہیں حکم ہوا کہ وہ میلہ کذاب کی نبوت کا خاتمہ کر کے قبیلہ بنی حدیقہ کے مرتدین کو تمہ تیغ کریں چنانچہ عکرمہ فوجی دستے کے ساتھ شوق شہادت دل میں لئے اسلام کے سب سے زیادہ خطرناک دشمن کو زیر کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو میلہ کذاب کی طاقت کا اندازہ تھا اس لئے انہوں نے عکرمہ بن ابی جہل کو حکم دیا کہ راستے میں مرتدین کا خاتمہ کرتے ہوئے وہ یمامہ کے قریب جا کر ٹھہر جائیں اور شرجیل بن حسہ کے دستے کا انتظار کریں جنہیں دوسری طرف سے ان کے پاس روانہ کیا جا رہا ہے اور جب شرجیل بن حسہ آجائیں تو پھر دونوں مل کر میلہ کذاب پر حملہ آور ہوں تاکہ آسانی سے فتح حاصل ہو سکے۔ عکرمہ بن ابی جہل کی مدینہ سے روانگی کی خبر مرتدین کو بھی ہو گئی تھی اور انہوں نے یہ خبر میلہ تک پہنچا دی۔ میلہ نے خبر پاتے ہی اپنا لشکر اکٹھا کرنا شروع کیا۔ اس کا پانچ

ایک دوسرے صحابی کو جوش آگیا۔ انہوں نے کڑک کر کہا۔ ”عکرمہ! آپ نے اگر قدم آگے بڑھائے تو یہ خلیفہ کی حکم عدولی ہوگی۔ آپ کو شرجیل بن حسہ کے دستے کا انتظار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ہمیں یہیں ٹھہرنا چاہئے۔“

جوان خون یوں بھی گرم ہوتا ہے پھر ان نوجوانوں کے خون کا کیا کہنا جو جہاد کرنے نکلے ہوں۔ بزرگوں اور سن رسیدہ لوگوں کا خیال تھا کہ عکرمہ بن ابی جہل کو شرجیل بن حسہ کا انتظار کرنا چاہئے مگر نوجوانوں نے اس کی مخالفت کی اور عکرمہ سے اتفاق کیا۔ جو آگے بڑھ کر میلہ سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتے تھے۔ ان کی نیت نیک تھی کیونکہ اس وقت مسلمانوں میں شوق شہادت اتنا زیادہ تھا کہ وہ پہاڑ سے بھی نکلنے کے لئے تیار تھے۔ یہی شوق شہادت تھا جس سے عکرمہ بن ابی جہل کو آگے جا کر میلہ پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کر دیا ورنہ میلہ کے بیس ہزار کے لشکر سے اپنی چوتھائی فوج کے نکلنے کا فیصلہ کسی طور پر بھی درست نہیں کہا جاسکتا تھا۔

مجلس برخاست ہونے کے بعد بعض صحابیوں نے دہلی زبان سے عکرمہ بن ابی جہل کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کا وہ حکم یاد دلایا جس میں کہا گیا تھا کہ میلہ کذاب پر دونوں دستے مل کر حملہ کریں گے۔ مگر عکرمہ پر ان کی بات کا کوئی اثر نہ ہوا۔ عکرمہ یا تو فوج کے نوجوانوں کے زیر اثر آگئے یا پھر وہ میلہ کذاب پر حملہ کر کے یمامہ کی فتح کا سرا اپنے سر باندھنا چاہتے تھے۔ بہر حال مجلس میں اکثریت نے آگے بڑھنے کا فیصلہ کر دیا تھا۔ اکثریت نہ بھی فیصلہ کرتی تو سردار فوج کو حق حاصل ہوتا تھا کہ وہ جنگ کے میدان میں حالات کے تحت اپنی مرضی کے مطابق قدم اٹھا سکتا ہے۔ اس فیصلے میں عکرمہ بن ابی جہل کی مرضی کو زیادہ دخل تھا۔ انہوں نے ماتحت سرداروں کو ضروری ہدایات جاری کیں اور اپنے دستے کو اس ترتیب سے آگے روانہ کیا جس سے اس کی تعداد دو تین گنی زیادہ معلوم ہوتی تھی مگر میلہ نہایت مکار اور چالاک تھا۔ اسے عکرمہ کے دستے کی صحیح تعداد معلوم ہو چکی تھی۔ میلہ کذاب کو تو مدینے سے روانہ ہونے والے ہر دستے کی تعداد کا علم تھا۔ کیونکہ مدینے میں مرتدین اور منافقین کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود تھی جو درپردہ دشمنان اسلام کو مدینے کی تمام خبریں

اکٹھے ہو گئے تو سب سے پہلے خود عکرمہ نے اٹھ کر کہا۔

”آپ اصحاب کو اس لئے زحمت دی گئی ہے کہ آج ہم سب مل کر میلہ کذاب سے جنگ کا فیصلہ کریں۔“

ایک بزرگ صحابی نے کھڑے ہو کر پوچھا۔ ”عکرمہ اسلامی دستے کے آپ سردار ہیں، فیصلہ ہم کریں گے۔“

عکرمہ بن ابی جہل بولے۔ ”میرا مطلب یہ ہے کہ جب ہمیں خبر ملی ہے کہ میلہ اپنے مستقر یمامہ سے آگے آگیا ہے اور لشکر لئے ہماری آمد کا خطرہ ہے۔ ان حالات میں ہمارا یہاں پڑے رہنا کیا مناسب ہے؟“

اصحاب کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو انہوں نے پھر پوچھا۔ ”سردار فوج! آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟“

آخر عکرمہ بن ابی جہل نے ایک مختصر تقریر کی جس کا منہموم یہ تھا کہ ہمیں یہاں ٹھہرنے کی بجائے آگے بڑھ کر میلہ پر حملہ کرنا چاہئے تاکہ وہ یہ نہ سمجھے کہ مسلمان اس سے ڈر گئے ہیں اور ان میں آگے بڑھنے کی ہمت نہیں ہے۔

عکرمہ بن ابی جہل کا خیال تھا کہ ان کی تقریر سے مسلمانوں میں جوش پیدا ہو گا اور آگے بڑھ کر میلہ کا خاتمہ کر دیں گے مگر ان کی تقریر کا کچھ الٹا ہی اثر ہوا۔ خصوصاً ان صحابہ کرام کو عکرمہ کی بات زیادہ ہی ناگوار گزری جن کی عمریں پینتیس سال سے زیادہ تھیں۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر وہی صحابی کھڑے ہوئے اور ذرا تند لہجہ میں بولے۔ ”عکرمہ! آپ ہمارے سردار ہیں۔ آپ جو حکم دیں گے ہم بجالائیں گے مگر آپ یہ نہ بھولنے کہ مدینے سے چلتے وقت صدیق اکبرؓ نے بھی آپ کو ایک حکم دیا تھا۔“

عکرمہ جلدی سے بولے۔ ”میں خلیفہ کے حکم کے خلاف جانے کا تو تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اس وقت ایسے حالات نہ تھے۔ اب صورتحال یہ ہے کہ میلہ آگے بڑھ کر ہمیں لاکار رہا ہے۔ اگر ہم آگے نہیں بڑھیں گے تو وہ خود آگے آکر حملہ کر دے گا۔ کیا اسے اس کا موقع دینا عقل مندی ہو گا؟“

سواروں کو آتے دیکھا تو حکم دیا کہ لشکر میں بھی سفید علم بلند کر دیئے جائیں اور آئے والوں کو اس کے خیمے میں بھیجا جائے۔ یہ کہہ کر وہ اپنے شاندار خیمے میں واپس چلا گیا۔ مسلمان سردار جب میلہ کے لشکر میں پہنچے تو انہیں راستہ دے دیا گیا اور بحفاظت میلہ کے خیمے تک لایا گیا۔ میلہ کے خیمے کے پردے اٹھے ہوئے تھے اور مسلح سپاہیوں کے گھروں کے اندر سے دیکھا گیا کہ وہاں دو سو دو سو خیمے داخل ہو گئے۔ خیمے کے اندر میلہ کے تمام بڑے بڑے سردار اس کے گرد حلقہ باندھے کھڑے تھے اور خود میلہ ایک چادر لپیٹے ان کے درمیان قالین کے فرش پر آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا۔ اس کے ہونٹوں کے علاوہ اس کا جسم بھی اسی طرح کانپ رہا تھا جیسے کسی کو سخت سردی لگ رہی ہو۔ پھر اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگا اور اس کا بدن تیزی سے کپکپانے لگا۔ ان دو سفارت کاروں میں سے ایک صحابی رسول تھے اور انہوں نے حضور اکرمؐ پر وحی نازل ہونے کی کیفیت ایک بار خود اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ وہ فوراً سمجھ گئے کہ یہ ہر دوپہا حضور اکرمؐ کی نقل کرنے کی ناکام کوشش کر رہا ہے۔ انہیں غصہ بھی آیا اور دل میں ہنسی بھی آئی، مگر چونکہ وہ سفارت پر بھیجے گئے تھے اس لئے انہوں نے ضبط سے کام لیا اور اس وقت تک خاموش رہے جب تک اس جھوٹے نبی نے اپنے اوپر وحی کی جھوٹی کیفیت طاری کئے رکھی۔ تھوڑی دیر بعد اس مکار نے آنکھیں کھولیں۔ اس کی آنکھیں کبوتر کی آنکھوں کی طرح سرخ تھیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ شدید تکلیف سے دوچار ہے۔ اس کے آنکھیں کھولتے ہی ایک سردار نے آگے بڑھ کر ادب سے سوال کیا۔

”اے پاک نبی! جبرائیلؑ امین کیا پیغام لائے ہیں؟“

اس گستاخ جملہ پر صحابی رسول کو جوش آگیا اور اس کا ہاتھ فوراً ”بقضہ شمشیر پر گیا۔ مگر دوسرے مسلمان سردار نے ان کا ہاتھ آہستہ سے پکڑ لیا اور صبر کا اشارہ کیا کیونکہ یہ بات اصول سفارت کے خلاف تھی۔ میلہ کذاب نے نظریں اٹھائیں تو مسلمانوں کو اپنے سامنے دیکھا جو اسے دیکھ کر اس طرح مسکرا رہے تھے جیسے اس کی نبوت کا مذاق اڑا رہے ہوں۔ پھر اس نے اپنے پیروکاروں پر نظر دوڑائی جو حضرت

پہنچایا کرتی تھی۔

عکرمہؓ کو زیادہ فاصلہ ملے نہ کرنا پڑا کہ ان کا سامنا میلہ کے لشکر سے ہو گیا۔ مسلمان جس طرح جوش جہاد سے سرشار تھے اسی طرح میلہ بھی اپنی مکاری اور اپنی تمام شیطانی قوت کے ساتھ یہ سوچ رہا تھا کہ اس کا مسلمانوں سے پہلا مقابلہ ہے اور یہی اس کی جھوٹی نبوت کا بھی فیصلہ کرے گا۔ میلہ ایک تو اپنی حدود کے قریب تھا اس لئے اسے بروقت کمک مل سکتی تھی اور دفاعی جنگ کے بھی اسے بہتر مواقع حاصل تھے۔ اس کے باوجود جب عکرمہؓ اپنے دستانے کے ساتھ اس کے مقابلے میں آکر خیرہ زن ہوئے اور رات بھر آرام کے بعد صبح کو لڑائی کا فیصلہ کیا تو بھی میلہ کو ہمت نہ پڑی کہ ان کے دستانے کو گھیر لیا ان پر شب خون مارتا۔ اسے خوش قسمتی کہنا چاہئے کہ عکرمہؓ کا دستہ رات کو محفوظ رہا ورنہ عکرمہؓ کا یہ فیصلہ کسی طرح درست نہ تھا کہ وہ اتنے مختصر دستانے کے ساتھ میلہ کے سامنے آکر ٹھہرتے اور اطمینان سے رات گزارتے۔ یہ رات ان صحابیوں پر بہت گراں گزری جو میلہ سے تنہا مقابلے کے خلاف تھے۔ انہوں نے رات کو بھی امیر لشکر عکرمہؓ کو ہر طرح سے باز رکھنے کی کوشش کی اور یہ مشورہ پیش کیا کہ میلہ کو گفت و شنید میں اس وقت تک الجھا کر رکھا جائے جب تک شریعت کا دستہ نہیں آجاتا۔ مگر عکرمہؓ اپنی بات پر اڑے رہے اور ان پر کسی بات کا اثر نہ ہوا۔

صبح ہو گئی۔ وہ صبح ایک منحوس صبح تھی۔ ہر طرف دھند چھائی ہوئی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے آج سورج بھی اداس ہے اور دھند میں اپنا چہرہ چھپا رہا ہے۔ اس عالم میں دونوں طرف کے لشکر آراستہ ہوئے۔ صفیں درست کی گئیں۔ عکرمہؓ بن ابی جہل نے بڑے قرینے اور سلیقے سے اپنے مختصر دستانے کو اس طرح پھیلا لیا کہ ان کی تعداد زیادہ معلوم ہونے لگی۔ جب دونوں طرف کے لشکر ہر طرح سے تیار ہو گئے تو اسلامی طریقہ اور خلیفہ اول کے حکم کے تحت جت پوری کرنے کے واسطے دو سردار سفید علم لے کر اسلامی فوج سے نکلے اور میلہ کے لشکر کی طرف چلے۔

میلہ اس وقت خود قلب فوج میں موجود تھا۔ اس نے سفید علم کے ساتھ ”

جنت تمام ہو چکی تھی۔ دونوں طرف جنگی نقارے پر چوٹ پڑی جو اس بات کا اعلان تھا کہ صلح کی بات چیت ناکام ہو گئی ہے اور فیصلہ جنگ سے ہو گا۔ دونوں لشکروں میں حرکت پیدا ہوئی۔ سواروں نے گھوڑوں کی راسیں ڈھیلی کر دیں۔ تیر کمالوں سے چھوٹ کر سائبان بناتے ہوئے فضا میں لہرانے لگے۔ کھواریں بے نیام ہو گئیں اور پھر فاصلے سینٹے سینٹے ختم ہو گئے اور کھواریں ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔ مسلمانوں کا پہلا حملہ اتنا شدید تھا کہ میلہ کا لشکر کافی کی طرح پھٹ گیا اور مسلمان دور تک اندر گھستے چلے گئے اور مدد با مرتدین کے لاشے زمین پر گر کر رہنے لگے۔ مسلمان اللہ اکبر کا نعروں لگا کر جس طرف رخ کرتے مرتدین کی صفیں الٹ جاتیں۔

میلہ قلب فوج میں موجود تھا اور خود کمان کر رہا تھا۔ وہ جس طرف دیکھتا کہ مسلمانوں کا زیادہ وباؤ پڑ رہا ہے اس طرف ہزار پانچ سو کا دستہ بھیج کر مسلمانوں کا زور کم کرا دیتا۔ اس طرح اس کے آدمی تو کام آجاتے مگر مسلمان مجبور ہو کر پھر کوئی کمزور گوشہ دیکھتے اور اس طرف حملہ آور ہوتے۔ ان کی تمام کوششیں یہی تھیں کہ وہ کسی طرح میلہ کے قریب پہنچ جائیں مگر میلہ کے سامنے لشکریوں کی ایک دیوار پہاڑ کے مانند کھڑی تھی جسے توڑنا یا پار کرنا ان کے بس میں نہ تھا۔ وہ بار بار حملہ کرتے۔ اس پہاڑ سے ٹکراتے مگر کوئی زور نہ چلتا۔ دن چڑھ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی جنگ میں تیزی آتی جا رہی تھی۔ مسلمانوں نے دوپہر تک تین بار سخت حملہ کیا مگر وہ نہ تو میلہ کے گرد لشکر کے حصار کو توڑ سکے اور نہ مرتدین کے قدم اکھاڑ سکے۔

مرتدین اور مسلمانوں کی یہ لڑائی حدود یمامہ سے کچھ ہی آگے ہو رہی تھی۔ اس لئے جنگ کی دم دم کی خبریں تیز رفتار قاصد کے ذریعہ یمامہ میں پہنچ رہی تھیں۔ یمامہ والوں کو ہر چند اپنی فتح کا یقین تھا کیونکہ جھوٹی وحی میں فتح کی نوید ان تک پہنچا دی گئی تھی مگر سباحت بنت حارثہ کو اس نوید اور وحی پر یقین نہ تھا۔ اس لئے کہ وہ جھوٹی نبیہ تھی اور جانتی تھی کہ میلہ نے لشکر کے حوصلے بلند کر رکھنے کے لئے وحی کا ڈھونگ رچایا ہے۔ جب دوپہر تک جنگ کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو وہ بہت پریشان ہو

جبرائیلؑ کے لئے ہوئے پیغام کو سننے کے لئے بے چین نظر آرہے تھے۔ مکار میلہ نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری اور انتہائی مفتی اور مسجع عربی میں کہا۔ ”پیغام خداوندی ہے (نعمود باللہ) کہ فتح اس فرقہ کی ہوگی جس میں نبی موجود ہے اور شکست بے نبی کے اسلام پرستوں کا مقدر ہوگی۔“

یہ سنتے ہی میلہ کے پیروکاروں کے چہرے خوشی سے دک اٹھے اور وہ ایک دوسرے سے گلے مل کر فتح کی مبارک باد دینے لگے۔ دونوں مسلمان سفارت کار میلہ کی اس مکاری اور بہروپے پن پر دل ہی دل میں ہنچ تاب کھا رہے تھے مگر انہیں بہر حال صبر سے کام لیتا تھا۔

جب مبارک باد کا شور و غل ختم ہوا اور ذرا خاموشی ہوئی تو میلہ نے مسلمان سفارت کاروں کو حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اسلام۔ پرستو۔ بنو حنیفہ کے نبی وقت سے کیا چاہتے ہو؟“

صحابیؓ رسولؐ نے فوراً ”جواب دیا۔“ اے میلہ! مسلمان تمہیں اسلام کا پیغام دیتے ہیں۔ اس جھوٹی نبوت سے توبہ کر کے اسلام پر ایمان لے آؤ۔ تمہیں دونوں جہاں کی نعمتیں مل جائیں گی۔“

میلہ کذاب نے ایک زور کا قہقہہ لگایا۔ اس قہقہہ میں نفرت، حقارت، غور اور درندگی کی گونج تھی۔ پھر وہ کھڑا ہو گیا اور تیز آواز میں بولا۔ ”جاؤ۔ عکرمہ بن ابی جہل سے کہہ دو کہ جس میلہ کو (خاکم بدہن) تمہارا نبی شکست نہ دے سکا اس کا مقابلہ تم کیوں کر کر سکو گے۔ مال و دولت اور جتنی کینیزیں چاہو لے جاؤ مگر جنگ سے باز آ جاؤ، ورنہ پھر مدینہ جانے کا راستہ بھی نہ ملے گا۔“

صحابیؓ رسولؐ نے اس گستاخی کو بھی نہایت تحمل سے برداشت کیا اور کہا۔ ”میلہ ہماری جنت تمام ہوئی۔ اب فیصلہ میدان جنگ میں ہی ہو گا۔“ یہ کہتے ہوئے دونوں سفارت کار خیمہ کے باہر آئے، جہاں سے انہوں نے اپنا سفید علم جسے وہ خیمہ میں جانے سے پیشتر زمین میں گاڑ گئے تھے، اکھاڑا اور میلہ کی صفوں سے گزرتے ہوئے اپنے دست کی جانب روانہ ہو گئے۔

تھا۔ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی مگر شہادت کے شوق میں وہ میلہ کی پہاڑ جیسی مضبوط طاقت سے ٹکرا رہے تھے، وہ بڑھ بڑھ کر حملہ کرتے مگر ان کے حملے مرتدین کے قدم نہ اکھاڑ سکے۔ حملہ کرنے کے جوش میں مسلمانوں کی صفیں بے ترتیب اور درہم برہم ہو گئی تھیں۔ مسلمان پورے میدان میں پھیل کر لڑ رہے تھے اور ہر مسلمان، مرتدین کے غول میں اس طرح گھس جاتا جس طرح ایک بھیڑیا بکریوں کے ریوڑ میں گھس کر قیامت مچا دیتا ہے۔ میلہ اپنی تعداد کے بل بوتے پر میدان میں چٹان کی طرح جما ہوا تھا۔ یہی نہیں بلکہ دن ڈھلتے ہی اس نے اپنے دستے کو حکم دیا کہ مسلمان گھیرے میں لے لئے جائیں۔ عکرمہ بن ابی جہل نے میلہ کے لشکر کی اس چال کو بھانپ لیا اور چاہا کہ پھر سے صفیں درست کر کے میمنہ اور میسرہ بنا کر لڑیں مگر میلہ کے لشکر کا دباؤ اتنا بڑھا کہ عکرمہ لشکر ترتیب دینے میں ناکام رہے اور مسلمانوں کے گرو گھیرا تنگ ہونے لگا۔ پھر بھی مسلمان جس طرف گھومتے، مرتدین کا گھیرا ٹوٹ جاتا اور وہ بکھر کر چاروں طرف سے حملہ کر دیتے۔

یہی وہ وقت تھا جب سجاح بنت حارثہ کا بھیجا ہوا تین ہزار سواروں کا دستہ میدان میں پہنچا۔ اس نے مسلمانوں کو جنگ میں مصروف پایا تو ایک چکر لگا کر مسلمانوں کے خیموں کے پیچھے جا پہنچا اور پھر اتنا اچانک حملہ کیا کہ خیمہ کے محافظ سنبھل نہ پائے اور ایک ایک کر کے شہادت پانے لگے۔ سجاح کے دستے نے خیموں میں آگ لگا دی اور تمام سامان برباد کر دیا۔ میدان میں لڑتے ہوئے مسلمانوں نے جب خیموں سے دھواں اور شعلے بلند ہوتے دیکھے تو وہ گھبرا گئے۔ عکرمہ بن ابی جہل بھی اس غیر متوقع حملہ سے پریشان ہو گئے۔ ادھر میلہ نے اور دباؤ ڈالا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان پسپا ہوتے ہوئے خیموں کے پاس آ گئے اور انہیں تازہ دم فوج سے بھی لڑنا پڑا۔ اب ایک طرف سے میلہ کا لشکر بڑھ رہا تھا اور دوسری طرف سے سجاح کا دستہ حملہ کر رہا تھا مسلمانوں نے قدم جمانے کی بہت کوشش کی مگر وہ ٹھہر نہ سکے اور پسپا ہوتے ہوئے خیموں سے بھی بہت پیچھے آ گئے۔ اس طرح مسلمان دفاعی لڑائی لڑتے ہوئے میدان جنگ سے بہت دور تک پیچھے ہٹنے چلے گئے اور شکست کھا گئے۔ وہ تو اچھا ہوا کہ

گئی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر میلہ کو شکست ہوئی یا وہ مارا گیا تو اس کا پورا الزام اسی پر آئے گا کیونکہ یمامہ والوں نے اسے نبیہہ تو ایک طرف میلہ کی بیوی بھی دل سے نہ مانا تھا۔ میلہ کی کتنی ہی بیویاں تھیں مگر بنو حنیفہ کے تمام لوگ اس کی صرف ایک بیوی کی حیثیت سے عزت کرتے تھے اور وہ تھی بنو حنیفہ کے ایک نامی سردار کی بیٹی طحاری۔ طحاری کو میلہ کی تمام بیگمات پر ———— افضلیت حاصل تھی۔ لیکن جب میلہ نے سجاح سے شادی کے بعد اسے طحاری کا مرتبہ دے دیا تو قدرتی طور پر اسے اس کا صدمہ ہوا اور وہ بھی سجاح کی سخت مخالف ہو گئی۔ چونکہ طحاری قبیلہ بنو حنیفہ سے تعلق رکھتی تھی۔ اس لئے بنو حنیفہ کے بعض اہم سردار بھی سجاح کے مخالف ہو گئے اور درپردہ طحاری سے ہمدردی کرنے لگے۔

میلہ کی وجہ سے وہ کھلم کھلا تو مخالفت نہ کر سکے مگر دل سے وہ سجاح کو پسند نہ کرتے تھے۔ انہوں نے یہ پروپیگنڈہ بھی کر دیا تھا کہ سجاح منحوس ہے جہی تو اس کے آتے ہی یمامہ پر حملہ کرنے کے لئے مسلمان آ گئے ہیں۔ سجاح کو ان باتوں کا علم تھا۔ اس کی چالاک کنیزیں حلیقۃ الرحمان کے چپے چپے کی خبریں رکھتی تھیں۔ سجاح کو خود میلہ سے بھی اس وقت شکایت پیدا ہوئی جب اس نے یمامہ سے روائگی کے وقت سجاح کے لشکر میں سے ایک سپاہی کو بھی اپنے لشکر میں شامل نہ کیا تھا۔ سجاح کو اس بات کا بہت رنج تھا کیوں کہ یہ چیز اس کے لشکریوں میں شکوک و شبہات پیدا کر سکتی تھی۔

ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے دماغ نے ایک بہت بڑا فیصلہ کیا۔ دوپہر ہوتے ہی اس نے اپنے آدمیوں میں سے تین ہزار چیدہ چیدہ جوانوں کا ایک دستہ تیار کیا اور حکم دیا کہ فوراً میدان جنگ کا رخ کرے اور وہاں پہنچ کر مسلمانوں پر پیچھے کی طرف سے حملہ آور ہو۔ اس دستے کی روائگی کے بعد وہ بھی، جلدی جلدی اپنے جسم پر ہتھیار لگا کر دو ہزار مزید سواروں کا ایک دستہ لے کر حلیقۃ الرحمان سے چل پڑی۔

میدان جنگ میں لڑائی بدستور جاری تھی۔ دوپہر گزر چکی تھی اور دن ڈھل رہا

ثابت کر دیا کہ میلہ کا سراج کی طرف اتنا زیادہ جھکاؤ اس کے قبیلہ بنو حنیفہ والوں اور اس کے لشکریوں کو قطعی ناپسند ہے اور اس کے اس جملہ نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔

میلہ نے اپنے لشکر کو مسلمانوں کے تعاقب سے منع کر دیا اور حکم دیا کہ آج رات اس میدان میں ٹھہر کر ان کا انتظار کیا جائے اور اگر مسلمان واپس نہ آئیں تو لشکر صبح کو یمامہ واپس روانہ ہو جائے۔ میلہ ان احکامات سے فارغ ہوا تھا کہ سراج بنت حارثہ اپنے دستے کے آگے آگے گھوڑا بھگاتی۔ میلہ کے قریب پہنچ گئی۔ میلہ نے ذرا آگے بڑھ کر اس کا پر تپاک استقبال کیا۔ اس استقبال میں میلہ کا لشکر دل سے نہ سہی مگر اس کے حکم کے تحت، برابر کا شریک ہوا۔ میلہ نے خود گھوڑے سے اتر کر سراج کو گھوڑے سے اتارنے میں مدد دی اور جب وہ اتر آئی تو فرط خوشی یا فرط محبت سے میلہ نے سراج کو تمام لوگوں کے سامنے اپنے سینے سے چٹنایا۔ میلہ کے دل میں اس کی عزت دوچند ہو گئی تھی اور وہ سراج کے آگے پیچھے بچھا جا رہا تھا۔ سراج نے بھی اس سے بڑی لگاؤ اور دلداری کی باتیں کیں اور التفات اور محبت سے پیش آئی۔ دونوں باتیں کرتے ہوئے میلہ کے خیمے میں آئے۔ میلہ نے ان لوگوں کو اپنے خیمہ میں بلوایا جو مسلمانوں کی پسپائی اور شکست کے چشم دید گواہ تھے۔

ان چشم دید گواہوں نے خوب نمک مرچ لگا کر اسلام پرستوں کی شکست کی تصویر کھینچی۔ حالانکہ بات صرف اتنی تھی کہ مسلمان پسپا ہو کر پیچھے ہٹ گئے تھے مگر ان گواہوں نے ایک ایک بات کو سو سو انداز سے اس تفصیل اور طریقے سے بیان کیا کہ ایک طویل داستان بن گئی۔ میلہ کذاب، سراج بنت حارثہ اور دیگر سردار جو اس خیمے میں موجود تھے۔ وہ مزے لے لے کر مسلمانوں کی پسپائی کے افسانے بلکہ داستانیں سنتے رہے۔

اس طرح جاگتے ہوئے آدھی رات سے زیادہ گزر گئی مگر میلہ کے دل میں ایک چور تھا، ایک دھڑکا تھا جو اسے چین نہ لینے دیتا تھا۔ اس نے سخت پہرے کا حکم دے رکھا تھا کیونکہ اسے مسلمانوں کے شب خون مارنے کی سو فصد امید تھی۔ وہ شاید

میلہ نے ان کا پیچھا نہ کیا ورنہ شاید مسلمانوں کا یہ پورا دستہ تباہ ہو جاتا۔ دراصل میلہ نے اسلام پرستوں کی شجاعت دیکھ لی تھی اس لئے اسے خطرہ تھا کہ اگر ان کا تعاقب کیا گیا تو ان کے نقصان کی بجائے خود اس کے لشکر کا زیادہ نقصان ہو گا۔

اس پسپائی اور شکست میں مسلمان شہداء کی تعداد زیادہ نہ تھی بلکہ مشکل سے سو تک پہنچی تھی۔ اس کے مقابلے میں میلہ کے لشکر کا جانی نقصان کئی ہزار نفری کا تھا مگر میلہ کذاب فتح یاب تھا۔ اس لئے اس نے جانی نقصان کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اسے فتح کی جس قدر بھی خوشی ہوتی وہ کم تھی۔ اپنے اور غیروں میں گرتے ہوئے اس کے وقار کو اس فتح سے زبردست سہارا مل گیا اور وہ مرتدین جو اس کی جھوٹی نبوت سے کچھ کچھ باغی ہو رہے تھے وہ پھر اس پر ایمان لے آئے اور میلہ کذاب کے حامی اور مددگار ہو گئے۔ مسلمانوں کے پسپا ہوتے ہی اس نے ان سواروں کی کی تلاش کرائی جو اس کی مدد پر بن بلائے آ گئے تھے۔ میلہ کو ان کے بغیر بھی فتح حاصل ہو جاتی مگر اس تازہ کمک نے اسے فتح سے جلد ہٹنا کر دیا۔ دریافت حال پر اسے معلوم ہوا کہ یہ تازہ کمک اس کی محبوب بیوی اور مدعیہ نبوت سراج بنت حارثہ نے روانہ کی تھی۔ میلہ یہ سن کر اور زیادہ خوش ہوا اور سراج کی ذہانت کا اور زیادہ قائل ہو گیا۔

اس نے اس دستے کے سردار کو طلب کیا۔ دستہ کا سردار ایک عراقی نوجوان تھا جس کے چہرے سے شجاعت اور جوان مردی ظاہر ہوتی تھی۔ گفتگو کے دوران اس نوجوان نے بتایا کہ جب سراج نے نبوت کا اعلان کیا تو اس پر سب سے پہلے ایمان لانے والا یہی تھا۔ ان دونوں میں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ سراج بنت حارثہ کے آنے کی خبر ملی جو بڑی تیزی سے دو ہزار مزید سواروں کی معیت میں میلہ کی مدد کو آ رہی تھی۔ میلہ کے دل میں سراج کی قدر و منزلت بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اس نے لشکر کو حکم دیا کہ سراج بنت حارثہ کا شایان شان استقبال کیا جائے کیونکہ اس کی عقل مندی اور بروقت کمک نے اس جنگ میں نمایاں کام کیا ہے۔ میلہ کی زبان سے یہاں تک نکل گیا کہ اس فتح کا سہرا دراصل سراج کے دستے کے سر ہے۔ اس جملہ یا اعلان کا رد عمل میلہ اس وقت تو محسوس نہ کر سکا مگر بعد میں جو حالات پیش آئے اس نے یہ

کی واپسی سے مدینہ والوں میں بد دلی پھیلنے کا بھی امکان ہے۔ اس لئے عکرمہ کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ میلہ سے دوبارہ برسرِ پیکار ہونے کے بجائے یمن جا کر اہل مہرہ کا مقابلہ کریں اور اس علاقہ کو مرتدین سے پاک کرنے کی کوشش کریں چنانچہ عکرمہ کو جب حکم ملا تو وہ اپنے دستے کے ساتھ عمان کی طرف روانہ ہو گئے جس سے میلہ کو یہ یقین ہو گیا کہ کم از کم عکرمہ بن ابی جہل میں اتنا دم خم نہیں کہ وہ یمامہ کا رخ کر سکیں۔ میلہ یمامہ کو یمن کی طرف روانگی کو بھی سباج بنت حارث کی خوش قدی سے وابستہ کر دیا جس سے اس کے قبیلہ والے اور زیادہ چراغ پا ہوئے اور ان کے اور سباج بنت حارث کے درمیان ایک ناقابلِ عبور فتنہ پیدا ہو گیا۔

عکرمہ کی شکست کے پیش نظر حضرت صدیق اکبرؓ نے ایک خط شریل بن حسنہ کو بھی لکھا کہ وہ یمامہ کی سرحد سے دور کسی مقام پر قیام کریں اور میلہ سے کسی حالت میں بھی جنگ کی کوشش نہ کریں اگر میلہ لشکر لے کر ان کی طرف بڑھے تو وہ مقابلہ کرنے کے بجائے پیچھے ہٹ آئیں اور اس کی زد سے اس وقت تک دور رہیں جب تک خالد بن ولید اپنے دستے کے ساتھ ان کے پاس نہیں پہنچ جاتے۔

کچھ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت خالدؓ ملیحہ کو شکست دینے کے بعد مدعیہ نبوت سباج بنت حارث کی تلاش میں شمال کی طرف روانہ ہوئے مگر سباج اپنے مستقر کو چھوڑ کر قبیلہ بنو تمیم کے سردار مالک بن نویرہ کے پاس پہنچ چکی تھی۔ خالد بن ولید کو قبیلہ بنو تمیم کی سرکوبی کا بھی حکم ملا تھا۔ اس لئے حضرت خالدؓ نے بنو تمیم کا خاتمہ کر کے مالک بن نویرہ کو بھی قتل کر دیا لیکن سباج بنت حارث اس سے پہلے ہی یمامہ پہنچ کر میلہ کی بیوی اور اس کا دست راست بن چکی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب حضرت خالدؓ کو خلیفہ اول کا حکم ملا کہ میلہ کذاب کی سرکوبی کے لئے یمامہ کا رخ کیا جائے۔ چنانچہ حضرت خالدؓ نے بنو تمیم سے فراغت حاصل کرتے ہی یمامہ کا رخ کیا۔ مگر ابھی حضرت خالدؓ راستے ہی میں تھے کہ یمامہ کے اندر اور یمامہ کے باہر دو اہم واقعے رونما ہوئے۔

میلہ فتح کے نشے میں چور اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ یمامہ واپس آیا جس وقت وہ

مسلمانوں کے خوف کو دل سے نکالنے کے لئے جام پر جام چڑھا رہا تھا۔ سباج بنت حارث اس سے نوشی میں اس کی شریک تھی بلکہ ساقی گری بھی کر رہی تھی۔ جب دونوں خوب مدهوش ہو گئے اور صبح کاذب کے آثار نمودار ہوئے تو میلہ نے سب کو رخصت کر دیا۔ اب اسے کچھ اطمینان بھی ہو گیا کیونکہ رات تقریباً ”گزر چکی تھی اور شب خون مارے جانے کا اندیشہ نہ رہ گیا تھا۔ یہ عجیب بات تھی کہ میلہ کو فتح یاب ہونے کا اور اپنی فتح کا یقین نہیں آیا تھا بلکہ وہ سمجھتا تھا کہ مسلمان کسی بھی لمحے واپس آکر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔

عکرمہ بن ابی جہل کی شکست کی خبر پہلی منوس خبر تھی جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو موصول ہوئی۔ عکرمہ نے خلیفہ کے حکم سے انحراف کر کے جو ذلت اٹھائی، اس کا ان کے دستے کو بہت غم تھا مگر حضرت ابوبکرؓ کو اس شکست کا بہت قلق ہوا کیونکہ یہ شکست سراسر عکرمہ کی ناوانی، نا تجربہ کاری اور حکم خلافت سے سرتابی کا نتیجہ تھی۔ عکرمہ کو شریل بن حسنہ کے انتظار کا حکم دیا گیا تھا کہ مشترکہ لشکر میلہ کذاب پر حملہ آور ہو۔ اس کے ساتھ ہی خلیفہ اول کی عام ہدایت یہ بھی تھی کہ امیر لشکر اپنے ساتھیوں کو فساد اور جلد بازی سے روکے۔ دشمنوں کی بستی میں اندھا وھند نہ گھس جائے۔ خوب دیکھ بھال کر داخل ہو ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچ جائے۔ عکرمہ نے بجائے ساتھیوں کو جلد بازی سے روکنے کے خود جلد بازی کا مظاہرہ کیا اور میلہ کی طاقت کو حقیر سمجھتے ہوئے اس سے اکیلے ہی الجھ پڑے اور شکست اٹھائی۔ عکرمہ کی شکست کے بڑے دور رس نتائج برآمد ہوئے۔ ایک تو میلہ کذاب کی نبوت کی ڈگڈگی کشتی کو سنبھالا مل گیا۔ دوسرے یہ کہ وہ مرتدین جو دوسرے اسلامی دستوں کے ہاتھوں شکست کھا کے منتشر ہوئے تھے۔ وہ سب آہستہ آہستہ میلہ کذاب کے جھنڈے تلے اکٹھے ہونے لگے۔

شکست کی خبر ملتے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فوراً ”تیز رفتار قاصد کے ذریعہ عکرمہ کو پیغام بھیجا کہ وہ مدینہ واپس آنے کی ہرگز کوشش نہ کریں کیوں کہ یہاں آکر وہ اپنی شکست کی غلط تاویلیں پیش کرنے کے سوا اور کیا کریں گے۔ دوسرے یہ کہ ان

چنانچہ عملاقی سازشیں شروع ہوئیں۔ طحاری اور اس کے ہم خیال سرداروں نے یہ طے کیا کہ سجاح کے خاتمے کا یہ بہترین موقع ہے۔ سجاح کے پاس اگرچہ تجربہ کار فوجی نہ تھے مگر اس کی چالاک کنیزیں فوجیوں کی بہترین بدل تھیں۔ انہوں نے جاسوسی کا ایسا جال بچھایا تھا کہ طحاری کے محل میں ہونے والی ہر سازش کی خبر انہیں فوراً مل جاتی۔ طحاری اور سجاح کے محل حدیقہ کے وسط میں واقع تھے۔ ان دونوں محلوں کا درمیانی فاصلہ تقریباً "ایک فرلانگ" کا تھا۔ حدیقہ کے گرد ایک بلند اور مضبوط فصیل تھی اور اس طرح میلہ نے حلیقہ الرحمٰن کو ایک چھوٹے سے قلعے میں منتقل کر دیا تھا۔ حدیقہ کے باہر فوجی بارکیں تھیں اور پورے شہر کے گرد دوسری فصیل تھی۔

شہر اور حدیقہ کے درمیان ایک بڑا گیٹ تھا جو شام ہوتے ہی بند کر دیا جاتا تھا لیکن آج خلاف معمول یہ گیٹ بہت دیر تک کھلا رہا۔ سجاح نے اپنی خاص کنز لیلیٰ کے سپرد فوج کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کا فرض سونپا تھا۔ لیلیٰ کی مدد کے لئے تقریباً "ایک درجن کنیزیں خاص جگہوں پر تعینات تھیں جن کا براہ راست سجاح کی حفاظتی فوج کے ساتھ رابطہ تھا۔ سجاح نے اپنے محل اور اس کے آس پاس دور دور تک صرف اپنے آدمیوں کو مقرر کیا تھا۔ محل کے نوکر چاکر اور محافظ دستوں میں سوائے سجاح کے اپنے آدمیوں کے بنو حنیفہ کا کوئی فرد موجود نہ تھا۔ اس لئے سجاح کے محل میں جو کچھ ہوتا اس کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی تھی مگر شہر اور دوسرے محلات میں ہونے والی خفیہ باتیں بھی سجاح کی مکار کنیزیں لے اڑتی تھیں۔

جب حدیقہ کا گیٹ شام کو اپنے وقت پر بند نہ ہوا تو لیلیٰ کا ماتھا ٹھکا۔ اس نے اس غیر معمولی بات کی فوری اطلاع سجاح کو پہنچا دی اور پھر دوسری خبر جو لیلیٰ نے سجاح کو بھیجی وہ یہ تھی کہ تقریباً "ڈیڑھ ہزار مسلح افراد جن میں تیر انداز بھی ہیں وہ بڑی آہستگی سے حدیقہ کے اندر داخل ہوئے ہیں۔ یہ مسلح افراد میلہ کے لشکر میں تھے اور خیال غالب تھا کہ انہیں کسی اور جگہ سے کسی خاص مقصد کے لئے حدیقہ میں بلایا گیا ہے۔ ان لوگوں کے حدیقہ میں داخل ہونے کے بعد حدیقہ کا بڑا گیٹ بند کر دیا

حلیقہ الرحمٰن میں داخل ہوا تو سجاح بنت حارثہ گھوڑے پر سوار اس کے پہلو پر پہلو چل رہی تھی۔ بنو حنیفہ کو یہ بات اور ناگوار گزری اور وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ میلہ نے یمامہ پہنچنے ہی فتح کی خوشی میں جشن عام کا حکم دیا۔ اس نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ وہ جشن کے دوران ایک خاص تقریب میں سجاح بنت حارثہ کی ذہانت اور عقل مندی کا اعلان کرتے ہوئے اسے اپنی خاص ملکہ کا مقام عطا کرے گا اور اس کے سر پر وہ تاج رکھے گا جو اس نے یمن میں آباد ایرانی فوج کے ایک سردار سے بزور شمشیر حاصل کیا تھا۔

ان تمام باتوں کی خبر میلہ کی بیوی طحاری کو مل چکی تھی اور وہ دل ہی دل میں کڑھ رہی تھی۔ اس کے ساتھ بنو حنیفہ کے کئی بڑے بڑے سردار جو سجاح کو پسند نہ کرتے تھے۔ اور سجاح کے اس لئے بھی مخالف تھے۔ کہ ایک تو اس کا تعلق نصرانی قوم سے تھا دوسرے وہ عورت ذات تھی اور عرب قبائل میں (ماسوا اسلام کے) عورت کو اس دور میں کوئی مقام حاصل نہ تھا۔ اس لئے بنو حنیفہ ایک نصرانی عورت کو اس درجہ پر سرفراز نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ میلہ کو بعض ذرائع سے یہ معلوم ہوا کہ اس کی قبائلی بیوی طحاری اور بعض سردار سجاح کے خلاف ہیں مگر اس کا خیال تھا کہ یہ لوگ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سجاح کی عظمت کے قائل ہو جائیں گے۔

ابھی جشن عام کی تیاریاں مکمل بھی نہ ہوئی تھیں کہ میلہ کو مخبروں نے اطلاع دی کہ مسلمانوں کی ایک نئی فوج شریل بن حسنہ کی سرداری میں یمامہ کی طرف بڑھ رہی ہے۔ میلہ نے فوراً "تمام تقاریب کو منسوخ کر دیا اور پندرہ ہزار کا لشکر لے کر اسلام پرستوں کو روکنے کے لئے یمامہ سے نکلا۔ اس کے اس لشکر میں سجاح کے وہ پانچ ہزار جوان بھی شامل تھے۔ جو پہلی جنگ میں شریک ہو چکے تھے۔ میلہ کے یمامہ سے نکلنے ہی طحاری اور سجاح کی مخالفت کھل کر سامنے آگئی۔ سجاح کے لشکر کے پانچ ہزار بہترین جوان میلہ کے ساتھ جا چکے تھے۔ برخلاف اس کے بنو حنیفہ کا ابھی نصف لشکر یمامہ میں موجود تھا اور ان میں بعض وہ سردار بھی تھے جو سجاح سے سخت متنفر تھے۔

سراج نے لیلیٰ کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور بولی۔ ”لیلیٰ! دل چھوٹا نہ کرو۔ صرف آج کی رات اور صبر کرو۔ آج وہی رات معلوم — ہوتی ہے جس کے لئے طھاری ایک عرصہ سے تیاری کر رہی ہے اور ہم بھی اسی رات کے منتظر تھے۔ آج کی رات یہ فیملہ ہو گا کہ طھاری یا میں دونوں میں سے کون بنو خفیہ کی ملکہ بننے کے قابل ہے۔“

لیلیٰ نے کوئی جواب نہ دیا۔ سراج اسے لے کر محل کے کمروں، برآمدوں، برجوں اور فصیلوں پر گھومتی رہی اور وہ تمام انتظامات دکھاتی رہی جو اس نے اپنی حفاظت کے لئے کئے تھے۔ اب لیلیٰ کو بھی یقین آ گیا سراج کے محل پر اگر پانچ ہزار کا بھی لشکر قابض ہونا چاہے تو اس کے لئے یہ ممکن نہ ہو گا۔ جگہ جگہ تیر انداز اور سراج کے جوشیے نوجوان اس طرح مقرر کئے گئے تھے کہ سراج کی سپاہیانہ جنگی مہارت کی داد دینا پڑتی تھی۔ اس نے اپنے محل کی گیلیریوں اور اس کے باہر باغ اور روشوں تک میں سپاہی چھپا دیئے تھے جو نظر نہ آتے تھے مگر ایک اشارہ پر اکٹھا ہو سکتے تھے۔

رات گمری ہوتی گئی اور سناٹا بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ حلیقہ الرحمن پر قبرستان کا لگن ہونے لگا۔ شمعیں بھی آنسو بہا بہا کر تھک چکی تھیں اور پھر اسی تاریکی اور خاموشی میں قدموں کی آوازیں ابھریں۔ یہ آوازیں دو چار قدموں کی نہیں بلکہ سینکڑوں اور ہزاروں قدم، طہاری کی محل سے نکل کر سراج کے محل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ قدم بڑھتے رہے۔ راہیں، روشیں اور باغات طے ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ سراج کی گیلیروں میں ٹھنماتی ہوئی شمعوں کے قریب پہنچ گئے اور ان کے اور گیلیروں کے درمیان صرف چالیس فٹ چوڑا راستہ رہ گیا۔ یہ یلغار سراج کے محل کے چاروں طرف سے ہوئی تھی اور اتنی منظم تھی کہ اگر سراج کے بجائے کوئی اور ہوتا تو اس طوفان میں تنکے کی طرح بہ جاتا۔

مگر جب یہ قدم اس راستہ پر پڑے جو محل کے چاروں اطراف میں بنا ہوا تھا تو سراج کے محل کی برجیوں سے تیروں کی ایک باڑھ پڑی۔ تیروں کی یہ بوچھاڑ آگے بڑھنے والوں کے لئے پیغام اجل بن گئی اور وہ بغیر آواز نکالے زمین پر ڈھیر ہونے

گیا اور اس پر بنو حنیفہ کے محافظ سپرہ دینے لگے۔۔۔۔۔ سپرہ وار ہمیشہ قبیلہ بنو حنیفہ کے ہی لوگ ہوتے تھے مگر اس وقت سپرہ پر جو لوگ آئے ان میں عام محافظوں کے بجائے مسلحہ کے لشکر کے کچھ سردار تھے جنہیں شہر سے باہر بیرک میں ہونا چاہئے تھا مگر وہ گیٹ پر محافظوں کا کام سنبھالے ہوئے تھے۔ لیلیٰ نے یہ تمام تماشا خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور پھر گرتی پڑتی، ہانپتی کانپتی، سباج کے پاس پہنچی۔ سباج نے اس کو اس حال میں دیکھا تو مسکرائی اور تسلی دیتے ہوئے بولی۔

”لیلیٰ! تم نے اپنا کام کر لیا۔ اب ہمارا کام دیکھو۔ میں طہاری کا غور خاک میں ملا دوں گی۔“

لیلیٰ نے سانس ورہت کرتے ہوئے کہا۔ ”مگر دو ہزار سپاہی باہر سے آگئے ہیں، ان کا کیا بنے گا؟“

سبحان نے اسے اپنے ساتھ آنے کے لئے کہا۔ لیلیٰ سبحان کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ سبحان میڑھیاں جڑھتی جا رہی تھی اور لیلیٰ سے باتیں کرتی جا رہی تھی۔ سبحان ایک برج پر پہنچ کر بولی۔ ”دیکھو لیلیٰ! اس برج پر تمیں تیر انداز مقرر ہیں۔“

برج میں اندھیرا تھا۔ لیلیٰ نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا مگر اسے وہاں کوئی تیر انداز بھی نظر نہیں آیا۔

اس نے حیران ہو کر پوچھا۔ ”یہاں تو کوئی بھی نظر نہیں آتا؟“

سبحان نے آہستہ سے تالی بجائی تو ایک دم سے اندھیرے کا سینہ چیرتے ہوئے تمیں تیر انداز اس کے سامنے آکھڑے ہوئے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے تاریکی نے انہیں ایک دم اگل دیا ہو۔ لیلیٰ نے اونچے برج سے چاروں طرف دیکھا۔ شہر اور طھاری کے محل میں چراغ روشن تھے۔ اس کا محل چراغوں کی روشنی میں جگمگ جگمگ کر رہا تھا لیکن سبحان کے محل میں تاریکی اور اندھیرا تھا۔ صرف ایک دو جگہ شمعیں روشن تھیں۔ لیلیٰ نے حسرت بھری آواز میں کہا۔ ”کاش! ہم بھی اپنے محل میں چراغاں کر سکتے۔ پتہ نہیں یہ خوف کے اندھیرے ہمارے محل کو کب تک گھیرے رہیں گے۔“

لڑائی طول کھینچ رہی تھی، اور شور بڑھتا جا رہا تھا۔ لڑائی کے درمیان دونوں طرف سے نعرے بلند ہو رہے تھے جن کی آواز شرتک پہنچ رہی تھی۔ اس ہنگامہ سے تمام شر جاگ پڑا مگر کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ حلیقہ کے اندر کیا ہو رہا تھا اور کس کس کے درمیان جنگ ہو رہی ہے۔ بیروں میں مقیم میلہ کا نصف لشکر بھی جاگ پڑا تھا اور تیزی سے تیار ہو کر حلیقہ کے گیٹ پر پہنچ چکا تھا۔ ان کے سردار کو یہ شبہ ہوا تھا کہ اسلام پرست کسی طرح حلیقہ میں داخل ہو گئے ہیں اس لئے وہ لشکر لے کر حلیقہ میں خود بھی داخل ہونا چاہتا تھا مگر حلیقہ کا بڑا گیٹ اندر سے بند تھا۔ سردار نے گیٹ کھولنے کی بہت کوشش کی مگر اس کی ایک نہ چلی۔ وہ گیٹ اس قدر مضبوط اور بلند تھا کہ اسے آسانی سے توڑا نہیں جاسکتا تھا۔ گیٹ کے اندرونی محافظوں نے گیٹ کھولنے سے انکار کر دیا کیونکہ ان کا بھی یہی خیال تھا کہ اسلام پرست حلیقہ کے اندر پہنچ چکے ہیں اور اب ان کا لشکر گیٹ کھولا کر اندر آنا چاہتا ہے۔

اس غلط فہمی میں گیٹ کافی دیر تک نہ کھل سکا اور اندر خوب کشت و خون ہوتا رہا۔ آخر سردار فوج نے چند آدمیوں کو میڑھیوں کے ذریعہ حلیقہ کی فیصل پر چڑھا دیا جنہوں نے اندر کود کر بدقت تمام گیٹ کھول دیئے۔ سردار چند سواروں کو لے کر ادھر چلا جہاں پر زبردست شمشیر زنی اور تیر اندازی ہو رہی تھی۔ وہاں پہنچنے پر اسے ایک بھی مسلمان نظر نہ آیا اور نہ مسلمانوں کا خاص نعرہ تکبیر اللہ اکبر سنائی دیا۔ دریافت کرنے پر اسے جلد ہی معلوم ہو گیا کہ یہ لڑائی دراصل رقابت کی بھڑکتی ہوئی آگ ہے جس میں سباج اور طہاری کے ہی خواہ اور ہمدرد ایک دوسرے کو جھلسا رہے ہیں۔ سباج نے یمامہ کے لشکر کو دیکھا تو اسے شبہ ہوا کہ شاید یہ بھی طہاری کی ہمدردی میں آئے ہیں مگر جب اس نے دیکھا کہ سردار لڑائی بند کرنے کا حکم دے رہا ہے تو اس نے فوراً اپنے آدمیوں کو بھی جنگ بند کرنے کا حکم دیا۔

یہ حکم اس نے اس طرح دیا کہ وہ ایک بڑی شمع لے کر ایک برج پر چڑھ گئی اور پھر اس نے اس شمع کو ہوا میں لہانا شروع کر دیا۔ اس شمع کو اس کے جس سپاہی نے دیکھا اس نے وہیں پر اپنا ہاتھ روک لیا اور پھر سٹ کر محل کی گیلری کی طرف

لگے۔ ان کے پیچھے آنے والوں کو معلوم ہو گیا کہ دشمن ہوشیار ہو چکا ہے۔ اس لئے انہوں نے احتیاط سے کام لیا اور راستہ کو آہستہ آہستہ عبور کرنے کے بجائے دوڑ کر پار کرنا چاہا۔ سباج کے تیر اندازوں نے ان لوگوں کو تو نشانہ بنا لیا جن کے چہرے پر شمعوں کی ہلکی ہلکی روشنی پڑ رہی تھی مگر کچھ حملہ آور تاریکی کا فائدہ اٹھا کر راستہ پار کر گئے اور گیلری تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ اب وہ خطرے سے باہر ہیں اور محل میں داخل ہو سکتے ہیں۔ مگر انہیں گیلریوں کے اندر سباج کے جوشیلے جوانوں کا سامنا کرنا پڑا۔

اس وقت سباج کے حکم پر گیلریوں، روشوں، راستوں اور تمام باغ میں ایک دم سے تیز روشنی پھیل گئی۔ اس روشنی کا انتظام سباج نے خود کرایا تھا۔ جگہ جگہ پر بڑی بڑی مومی شمعیں اور قدیلیں پوشیدہ کر دی گئی تھیں اور ہر شمع کو روشن کرنے کے لئے ایک ایک سپاہی مقرر تھا جن کے پاس رال اور محقق پتھر موجود تھے جن سے با آسانی شمعیں روشن کی جاسکتی تھیں۔ سباج کی اسکیم یہ تھی کہ اس کے محل اور باغات کو اس وقت تک تاریک رکھا جائے جب تک دشمن اس کے محل تک نہ پہنچ جائے یا اس کی زد پر پوری طرح نہ آجائے۔ اس کے جوشیلے سپاہی باغ میں بھی پوشیدہ تھے مگر انہیں حکم تھا کہ جب تک پوری طرح روشنی نہ ہو جائے وہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کریں۔

روشنی ہوتے ہی سباج کے جوان کونوں کھدروں سے نکل کر دشمن کے مقابل آ گئے۔ گیلریوں کے اندر کے دروازے کھل گئے اور ہر کمرے میں بکھرے ہوئے سپاہی نکل پڑے اور طہاری کے جو آدمی گیلریوں تک پہنچ گئے تھے انہیں کاٹنا شروع کر دیا۔ اوپر سے برابر تیر برس رہے تھے اور نیچے راستوں اور باغ کر ہر قطعہ میں جنگ ہو رہی تھی۔ ہر طرف شور و غل اور چیخ پکار مچی ہوئی تھی۔ طہاری کے آدمی کوشش کر رہے تھے کہ وہ سباج کے محل میں داخل ہو جائیں۔ مگر سباج کے سپاہی جان کی بازی لگائے ان کے سامنے دیوار بنے کھڑے تھے۔ حملہ آوروں کی تعداد بہت زیادہ تھی مگر سباج کے فوجی انہیں ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے دیتے تھے۔

کے سردار لشکر نے اطلاع دی کہ دونوں بیگمات کے درمیان فوجی دستے مقرر کر دیئے گئے ہیں اس لئے دوبارہ لڑائی کا امکان کم ہے پھر بھی اس نے درخواست کی تھی کہ جس قدر جلد ہو سکے وہ یمامہ واپس آجائے۔ میلہ بہت دیر تک کشمکش میں مبتلا رہا۔ آخر کار اس نے پہلے اسلام پرستوں سے منہنے کا فیصلہ کیا۔

شرجیل بن حسنہ اپنے دستہ کے ساتھ یمامہ کی طرف بڑھ رہے تھے کہ انہیں خلیفہ اول حضرت صدیق اکبرؓ کا پیغام ملا چنانچہ انہوں نے اپنے دستے کو یمامہ سے کافی دور رکھنے کا حکم دیا تاکہ وہ خالد بن ولید کا انتظار کر سکیں اور اسی عرصہ میں سپاہی کچھ آرام کر لیں۔ خالد بن ولید بھی یمامہ کا رخ کر چکے تھے مگر وہ راہ میں آباد مرتد قبائل سے بھی برابر جنگ کرتے آ رہے تھے۔ اس لئے انہیں یمامہ آنے میں تاخیر ہو رہی تھی۔ ادھر حضرت شرجیل بن حسنہ کو جاسوسوں نے خبر دی کہ میلہ اپنا لشکر لے کر واپس جا رہا ہے۔ اس خبر کا حضرت شرجیل بن حسنہ پر بہت غلط اثر ہوا۔ انہوں نے میلہ کی واپسی کو اس کی کمزوری پر محمول کیا اور فوراً اپنے ساتھیوں کے سامنے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میلہ کو یمامہ پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں جالیا جائے کیونکہ اگر میلہ یمامہ پہنچ گیا تو وہ قلعہ بند ہو جائے گا اور اسے شکست دینا مشکل ہوگا۔

اس جگہ اس بات کا اظہار کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یمامہ سے مراد وہ علاقہ یا ریاست تھی جس پر مسلمہ کذاب سرداری کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی یمامہ اس علاقہ کا نام بھی تھا جہاں میلہ کا مستقر اور حلیقہ الرحمان واقع تھا۔ حضرت شرجیل بن حسنہ کی خواہش کی شدید مخالفت ہوئی اور سرداروں نے صاف کہہ دیا کہ وہ خلیفہ اول کے حکم عدول کے حق میں ہرگز نہیں۔ میلہ کذاب اگر یمامہ واپس جا رہا ہے تو جانے دیا جائے۔ حضرت شرجیل بھی شاید حضرت عکرمہ کی طرح ضدی طبیعت کے واقع ہوئے تھے یا پھر جوش جہاد نے ان کا دماغ ماؤف کر دیا تھا۔ انہوں نے بار بار سرداروں کو آمادہ کرنا چاہا مگر ان کا کوئی ساتھی ان کی رائے سے اتفاق نہ کر سکا اور سب نے صاف صاف کہہ دیا کہ خلیفہ کے حکم پر عمل کیا جائے۔

جب حضرت شرجیل نے دیکھا کہ ان کے ساتھی کسی طرح راضی نہیں ہوتے

چل پڑا۔ طحاری کے ہمدرد سرداروں نے یمامہ کے لشکر کو دیکھا تو انہوں نے بھی پہچانی اختیار کی اور طحاری کے محل کی طرف واپس ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ لشکر کے آنے سے پہلے ہی سباج کا خاتمہ کر دیں گے لیکن وہ اپنی کوشش میں ناکام ہو گئے اور سباج اپنی عقل مندی اور ہوشیاری سے صاف بچ گئی۔ لشکر کے سردار نے اس لڑائی میں نہ تو کوئی دخل دیا اور نہ باز پرس کی، کیونکہ دونوں طرف میلہ کی بیگمات تھیں۔ اس نے یہ ضرور کیا کہ دونوں محلوں کے درمیان ایک ہزار سواروں کا دستہ مقرر کر دیا کہ پھر لڑائی نہ ہو سکے۔ یہ لڑائی دو گھنٹے تک جاری رہی تھی۔ صبح کو جب لاشیں اٹھائی گئیں تو معلوم ہوا کہ سباج کے ڈیڑھ سو جوان کام آئے، اور طحاری کے غیر شہری سپاہی سات سو کے قریب مارے گئے جس میں طحاری کے دو گئے بھائی بھی تھے۔ اسلام پرستوں پر پہلی فتح حاصل کرنے کے باوجود میلہ اپنی جگہ مطمئن نہ تھا اور اسے ایک نامعلوم خوف گھیرے ہوئے تھا۔۔۔۔۔ حلیقہ الرحمان سے روانگی کے وقت اس کے دل میں کئی طرح کے دوسے پیدا ہوئے لیکن وہ جانتا تھا کہ مسلمان اس سے صلح نہیں کریں گے۔ اس لئے سوائے مقابلے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ میلہ اپنے دل کو طرح طرح سے سمجھاتا اور تسلیاں دیتا ہوا حدود یمامہ سے کافی آگے آ گیا لیکن اسے مسلمانوں کا لشکر نظر نہ آیا۔ آخر اس نے ایک جگہ قیام کیا اور وہاں اسلامی لشکر کے انتظار میں دو راتیں بڑی بے چینی سے گزریں۔ جب دو دن بعد بھی مسلمان لشکر وہاں نہ پہنچا تو اس نے اپنے لشکر کو واپسی کا حکم دیا اور تیزی سے اپنی سرحدوں کے قریب پہنچ گیا۔

اس نے یہ یہ فیصلہ کیا کہ کچھ بھی ہو وہ شرجیل بن حسنہ سے جنگ یمامہ کی سرحد کے قریب ہی لڑے گا تاکہ اسے تازہ ملک اور رسد کا دھڑکا نہ رہے۔ دراصل اس کے دل میں چھپے ہوئے دوسے اسے پھر پریشان کر رہے تھے اور اسے کسی ناایدہ خطرہ کی بو رہی تھی۔ اس کا اندیشہ اور دھڑکا درست تھا۔ اپنی سرحد کے قریب واپس آتے ہی اسے طحاری اور سباج کی خوفناک جنگ کی اطلاع ملی، اگر حضرت شرجیل بن حسنہ کے آنے کا خطرہ نہ ہوتا تو وہ فوراً یمامہ پہنچتا لیکن اس وقت وہ مجبور تھا۔ یمامہ

صرف اس حد تک کرتا کہ مسلمان جہاں تک آگے بڑھ آئے ہیں انہیں دھکیل کر ان کی سابقہ جگہ تک لے جاتا۔ یہ لڑائی صبح دس بجے شروع ہوئی تھی اور اب دوپہر ڈھل چکی تھی۔ دن ڈھلنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے حملوں کی شدت بھی کم ہوتی جا رہی تھی اور ان میں تھکاوٹ کے آثار پیدا ہو رہے تھے۔

یکایک میلہ نے اپنے تین ہزار کے محفوظ دستہ کو جنگ میں جھونک دیا۔ اس کا یہ عمل بروقت تھا اور اس نے مسلمانوں کی تھکاوٹ کا صحیح اندازہ لگایا تھا۔ اس تازہ دم دستے نے بڑھ کر حملہ کیا تو مسلمان اس کی تاب نہ لا سکے اور دور تک پیچھے ہٹنے چلے گئے۔ میلہ کو اسی وقت کا انتظار تھا۔ اس نے ایک اور زبردست حملہ کیا جس نے مسلمانوں کے قدم تقریباً اکھاڑ دیئے۔ میلہ کا یہ حملہ چاروں طرف سے ہوا تھا اس کا مقصد مسلمانوں کو گھیر کر قتل عام کرنے کا معلوم ہوتا تھا لیکن اس وقت حضرت شرجیل بن حنہ کے محفوظ تیر اندازوں نے میلہ کذاب کو اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہونے دیا اور مسلمانوں کے گرد پڑتا ہوا زبردست گھیراؤٹ لگا دیا اور میلہ کے سپاہی آگے نہ بڑھ سکے۔ مسلمانوں کو اس سے صرف یہ فائدہ ہوا کہ وہ با آسانی میلہ کے لشکر کی زد سے باہر آ گئے مگر اب ان میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ دوبارہ حملہ کرتے۔ اس لئے حضرت شرجیل بن حنہ نے پسپائی ہی میں بہتری سمجھی اور شکست کھا کے پیچھے ہٹنے چلے گئے۔

میلہ اپنی سرحدوں سے دور جانے پر کسی طرح آمادہ نہ تھا۔ اس لئے حضرت شرجیل کا پیچھا نہ کیا اور انہیں واپس جانے دیا۔ اس طرح میلہ کذاب کے مقابلے میں اسلام پرستوں کے دوسرے دستے نے بری طرح ہزیمت اٹھائی۔ اس ہزیمت، شکست اور پسپائی کی وجہ بھی وہی تھی یعنی خلیفہ کی ہدایت کے خلاف عمل کرنا۔ چنانچہ مسلمانوں کا شکست خورہ دستہ پھر واپس اسی مقام پر آ گیا جہاں سے ضد کر کے حضرت شرجیل بن حنہ اسے یمامہ تک لے گئے تھے۔ حضرت شرجیل کو اب غلطی کا احساس ہوا مگر وقت تو گزر چکا تھا۔ ان کا پیچھا تو اس شکست کو فتح میں تو تبدیل نہیں کر سکتا تھا۔ انہوں نے پڑاؤ ڈالا اور اعلان کر دیا کہ وہ اس جگہ سے ایک قدم بھی اس وقت

اور ان کے خیال میں ایک یقینی فتح کا موقع ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے تو انہوں نے اپنے ساتھیوں پر ایک نفسیاتی اور اخلاقی دباؤ ڈالا۔ حضرت شرجیل بن حنہ نے نیام سے تلوار نکال کر اعلان کیا کہ اگر آپ لوگ میرا ساتھ نہیں دیتے تو میں اکیلا جا کر میلہ پر حملہ کروں گا اور شہید ہو جاؤں گا۔ ان کا یہ اخلاقی اور نفسیاتی وار واقعی کام آگیا اور سرداران دستہ کو ان کا ساتھ دینے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس طرح پرستاران اسلام نے اپنے امیر لشکر کی حمایت میں وہی غلط قدم اٹھایا جو اس سے پہلے حضرت عکرمہ بن ابی جہل اٹھے چکے تھے۔

حضرت شرجیل بن حنہ اپنی چھوٹی سی فوج لے کر بڑی تیزی سے آگے بڑھے اور انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اس ہدایت کو بالکل بھلا دیا کہ دشمنوں کے علاقہ میں اندھا دھند نہ گھس جانا مبادا کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچے۔ میلہ اپنی سرحد کے قریب پہنچ کر خیمہ زن ہوا تھا کہ حضرت شرجیل بن حنہ طوفانی رفتار سے گھوڑے اڑاتے اس کے سر پر پہنچ گئے۔ میلہ نے خبر ملتے ہی اپنے لشکر کو ترتیب دیا اور مقابلہ پر نکلا۔ حضرت شرجیل نے یہ عقل مندی کی کہ ایک تیر انداز رسالہ کو حکم دیا۔ کہ وہ انتہائی ضرورت کے وقت جنگ میں شریک ہو۔ مسلمان اگرچہ تھکے ہوئے تھے لیکن ان کے دلوں میں نور اسلام کی شمع روشن تھی اور شہادت کے شیدائی تھے، اس لئے انہوں نے میلہ پر پہلا وار اتنا زبردست کیا کہ دشمن گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ مگر میلہ کی افرادی قوت کئی گنا زیادہ تھی۔ اس لئے اس نے جلد ہی سنبھل کر جوابی حملہ کیا اور زبردست دست بدست جنگ شروع ہو گئی۔

مسلمان بڑے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے اور بڑھ چڑھ کر حملے کرتے تھے۔ میلہ ان قلیل تعداد اسلام کے شیدائیوں کو اس قدر بے جگری سے لڑتے دیکھ کر بہت حیران تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ان میں وہ کون سا جذبہ ہے جو انہیں اس سرفروشی سے لڑا رہا ہے۔ اسلام پرستوں کے حملے سے وہ پریشان ضرور تھا مگر وہ ایک جہاں دیدہ سردار تھا اس لئے جنگی حکمت عملیوں سے پوری طرح واقف تھا۔ اس نے چار گھنٹے تک مسلسل مدافعت جنگ کی۔ وہ مسلمانوں کے حملے روکتا مگر جوابی حملہ

جشن کے ہنگاموں کے دوران ہی میلہ کو خالد بن ولید کے میامہ کی طرف آنے کی خبر ملی۔ خالد بن ولید سے وہ اچھی طرح واقف تھا بلکہ ان سے خائف بھی تھا۔ تمام عرب میں خالدؓ کی فتوحات اور جنگی حکمت عملی کا چرچا تھا۔ اس نے جشن ختم کر دیا اور جنگی تیاریوں میں لگ گیا۔ حضرت خالدؓ کے ساتھ وہ پوری تیاری سے لڑنا چاہتا تھا کیونکہ حق و باطل کی یہ جنگ مسلمانوں کے لئے جتنی اہم تھی اس سے کہیں زیادہ میلہ اسے اہم دے رہا تھا۔ اس جنگ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ تمام مسلمان اس جنگ میں فتح حاصل کرنے کے لئے دست بہ دعا تھے بلکہ اس

تک آگے نہیں بڑھائیں گے جب تک حضرت خالدؓ میاں نہیں پہنچ جاتے۔ وہ اپنے سرداروں اور سپاہیوں سے شرمندہ تھے اور ان کا سامنا نہ کرتے تھے۔ جب انہیں اس طرح کئی دن گزر گئے تو ان کے ساتھیوں نے خود ان کے خیمہ میں جا کر ان سے ملاقات کی تاکہ امیر لشکر کا حوصلہ بلند رہے اور وہ آئندہ ایسی غلطی کا ارتکاب نہ کریں۔

[illegible]

حضرت خالد بن ولید کو حضرت شرجیلؓ کی شکست کی خبر اور حضرت ابوبکرؓ کا نامہ ملا تو انہوں نے راستہ تبدیل کر دیا اور ایک ایسی راہ اختیار کی جو دشوار گزار ہونے کے باوجود انہیں بہت جلد یمامہ پہنچا سکتی تھی۔ ادھر میلہ کی دوسری فتح نے اس کے

فتح کے لئے جگہ جگہ دعاؤں کا اہتمام کیا گیا تھا۔

میسلمہ کے لشکری بھی حضرت خالدؓ کی تلوار سے ڈرتے تھے کیونکہ تمام عرب میں یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ حضرت خالدؓ نے اب تک کسی لڑائی میں شکست نہیں کھائی اور جس فوج کی سپہ سالاری ان کے سپرد ہوتی ہے وہ ضرور کامیابی حاصل کرتی ہے۔ میسلمہ نے حضرت عکرمہ بن ابی جہل اور حضرت شریک بن حسنہ کا مقابلہ اپنی حدود سے بہت آگے نکل کر کیا تھا مگر حضرت خالدؓ کے مقابلہ کے لئے اس کی ہمت نہ پڑی کہ اپنی سرحد سے باہر نکلے۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ حضرت خالدؓ کا مقابلہ یمامہ کی سرحد پر کرے گا اور دفاعی جنگ کو ترجیح دے گا۔ میسلمہ نے اسلام پرستوں کے مقابلہ کے نام پر قرب و جوار کے مرتدین سے فوجی مدد طلب کی جس میں اسے خاطر خواہ کامیابی ہوئی اور یمامہ میں حضرت خالدؓ بن ولید سے مقابلہ کے لئے چالیس ہزار سے زیادہ کا لشکر اکٹھا ہو گیا تھا۔

میسلمہ اتنے بڑے لشکر سے بھی مطمئن نہ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کم از کم وہ حضرت خالدؓ کے مقابلے میں ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر آئے۔ اس لئے اس نے اپنی کوشش جاری رکھی اور حضرت خالدؓ کے پہنچنے تک اس کے لشکر میں اور اضافہ ہو گیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے مختصر ترین راستہ اختیار کیا تھا۔ اس لئے وہ جلد ہی یمامہ پہنچ گئے۔ میسلمہ کو حضرت خالدؓ کے اس قدر جلد آنے کی امید نہ تھی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ حضرت خالدؓ کے ساتھ ایک بڑا لشکر ہے تو کچھ پریشان ہو گیا۔ اس نے مجبوروں کے ذریعہ حضرت خالدؓ کے لشکر کی صحیح تعداد معلوم کرنے کی کوشش کی، لیکن حضرت خالدؓ نے میسلمہ کے لشکر کے سامنے پہنچتے ہی اپنی فوج کو آچھ اس انداز سے پھیلایا کہ حد نظر تک اسلامی لشکر ہی لشکر دکھائی دیتا تھا۔ میسلمہ جس طرف نظر دوڑاتا اسے مسلمان تیرانداز، شمشیرزن سوار اور پیادے نظر آتے۔ یہ بات اس کے لئے پریشان کن تھی لیکن اسے سجاج بنت حارث نے تسلی دی جو اب ہر وقت میسلمہ کے ساتھ رہتی تھی اور اس وقت بھی جسم پر اسلحہ سجائے، اس کے پاس موجود تھی۔ حضرت خالدؓ کی فوج میں حضرت شریک بن حسنہ کے وہ لوگ بھی شامل ہو گئے جو شکست کھا کر حضرت

ابوبکرؓ کے حکم کے تحت حضرت خالدؓ بن ولید کے منتظر تھے۔ اس سے حضرت خالدؓ کی فوج میں کچھ اضافہ ہو گیا مگر اب بھی میسلمہ کذاب اور حضرت خالدؓ کی فوج میں ایک اور تین کی نسبت تھی۔ پھر حضرت خالدؓ کی فوج میں مزید کسی اضافے کی امید نہ تھی جب کہ میسلمہ کو ہر لمحہ مرتدین اسلام سے برابر کمک پہنچ رہی تھی۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے حجت پوری کرنے کے لئے حسب دستور میسلمہ کذاب کے پاس ایک سفارت بھیجی اور اسے توبہ کر کے دوبارہ داخل اسلام ہونے کا مشورہ دیا۔ میسلمہ بھلا یہ مشورہ کس طرح قبول کر سکتا تھا۔ اس نابکار نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھی گستاخی کی تھی۔ اس وقت اس نے دو مسلمان دستوں کو شکست دی تھی اور اس کی جھوٹی نبوت کا تابوت بھی قائم ہو گیا تھا۔ اس لئے اس نے اپنے بھرے دربار میں اسلامی سفارت کاروں کو پھٹکار دیا اور ان کی توجہ کے ساتھ ہی حضرت خالدؓ بن ولید کو پیغام بھیجا کہ اگر حضرت خالدؓ خواہش کریں تو میسلمہ انہیں اپنا نائب مقرر کر سکتا ہے، اس کے علاوہ جتنا زور و جواہر طلب کریں انہیں مل سکتا ہے اور یمامہ کی سب سے حسین ترین عورت ان کے عقد میں دے دی جائے گی۔ سفارت واپس آگئی اور اس نے اپنی ناکامی کا اعلان کرتے ہوئے میسلمہ کا پیغام بھی حضرت خالدؓ کو پہنچا دیا۔ حضرت خالدؓ نے میسلمہ کی ہر پیشکش حقارت سے ٹھکرا دی اور جنگ اور صرف جنگ کا فیصلہ کیا اور فوجوں کی ترتیب میں مشغول ہو گئے۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے میدان جنگ میں اپنی فوج کو از سر نو منظم کیا۔ مسلمانوں کی تعداد مشکل سے پندرہ ہزار تھی جبکہ میسلمہ کا لشکر چالیس ہزار سے تجاوز کر گیا تھا۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے میسلمہ کے خلاف ایک نئی حکمت عملی اختیار کی اور اسلامی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ میں صرف مہاجرین اور انصار کو شامل کیا گیا اور دوسری فوج میں بدوی مسلمانوں کو رکھا گیا۔

اس تقسیم کی غرض و غایت یہ تھی کہ جب بدوی مسلمان، مہاجرین و انصار کو پامردی اور جوش و خروش سے لڑتے دیکھیں گے تو ان کی غیرت کو اور زیادہ جوش آئے گا اور وہ مہاجرین اور انصار سے بھی زیادہ بہادری کا مظاہرہ کریں گے اور مستقل

اپنے سامنے صف آرا دیکھ کر اس میں عجیب طرح کی گھبراہٹ پیدا ہو گئی تھی۔
حضرت خالد بن ولید نے پہلے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ اب انہوں نے ہر حصہ کو مزید دو حصوں میں تقسیم کر دیا اس طرح مہاجرین و انصار کی دو فوجیں اور عرب بدوی قبائل کی دو فوجیں تیار ہو گئیں۔ انہوں نے صف بندی اس طرح کی کہ مہند کے پیچھے پہلے مہاجرین و انصار کے دستوں کو لگایا، اس کے بعد بدوی فوج کی صفیں مقرر کیں اسی انداز میں انہوں نے میسرہ بھی ترتیب دیا۔ حضرت خالدؓ خود قلب فوج میں ٹھہرے، انہوں نے اپنے ساتھ مہاجرین و انصار اور بدوی فوج کے مشترکہ دستوں کو رکھا۔ حضرت شرجیل بن حسنہ کو حسب ضرورت جنگ میں شرکت کا حکم دے کر ایک الگ جگہ جو ذرا بلند حصہ تھا، وہاں پر تعینات کر دیا۔ لشکر کی صف بندی کے بعد انہوں نے میلہ کے لشکر پر نظر ڈالی۔ میلہ کا عظیم لشکر نہایت اعلیٰ قسم کے سامان حرب سے آراستہ دور دور تک صفیں باندھے کھڑا تھا۔ میلہ کذاب انہیں نظر نہ آیا مگر قلب فوج کی ترتیب سے انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ میلہ بھی قلب فوج میں کسی جگہ موجود ہے۔ چنانچہ حضرت خالدؓ بن ولید نے اپنے نائب کو کمان سنبھالنے کا حکم دیا اور خود گھوڑا چکا کر قلب لشکر سے نکل کر میلہ کے لشکر کی طرف چلے اور قریب پہنچ کر گھوڑے کو روکا۔ رجز خوانی شروع کی اور نعرہ لگایا۔

”اے مرتدین اور مشرکین تمہارے لشکر میں ہے کوئی بد قسمت جو ولید کے بیٹے خالدؓ کے مقابلے میں آکر جہنم کا پروانہ حاصل کرے۔ اے لشکر کفار! میں اپنے حسب نسب کے بیان سے تمہیں مرعوب نہیں کرنا چاہتا۔ اس لئے کہ اسلام نے حسب و نسب کو صرف اس لئے برقرار رکھا کہ قبائل کی شناخت ہو سکے ورنہ عظیم صرف وہی ہے جو جتنا متقی ہے، اس لئے خالدؓ صرف ولید کا بیٹا ہے اور اسلام کا ایک ادنیٰ غلام۔“
حضرت خالدؓ بن ولید کی آواز میدان جنگ میں اس طرح گونجی جس طرح شیر کی آواز جنگل میں گونجتی ہے۔ میلہ کذاب کے پہلو میں کھڑی ہوئی سجاح بنت حارثہ نے یہ آواز سنی تو سر سے پاؤں تک کانپ گئی۔ میلہ کذاب بذات خود ایک بہادر سردار

مزان اور نہایت ثابت قدم رہیں گے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے حضرت شرجیلؓ بن حسنہ کے کسی دستہ کو کسی حصہ میں شامل نہیں کیا بلکہ اس دستے کے ساتھ کچھ تیر انداز شامل کر دیئے اور حضرت شرجیلؓ سے کہا کہ وہ میدان جنگ کے قریب موجود رہیں اور لڑتے ہوئے جس دستے کو مدد کی ضرورت ہو۔ وہ اپنے دستے کے ساتھ اس کی مدد کو پہنچ جائیں۔ حضرت خالدؓ کے پیش نظر ان کو دونوں حصوں سے الگ رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت شرجیلؓ کا دستہ شکست خوردہ ہے اور اپنی شرمندگی کو دور کرنے کے لئے یہ یقیناً پورے جوش سے نہ لڑیں گے۔ بلکہ شہادت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اس لئے ان کی شجاعت سے اس وقت فائدہ اٹھایا جائے جب مسلمانوں پر خدا نخواستہ مصیبت آجائے۔ اس کے ساتھ حضرت خالدؓ چاہتے تھے کہ حضرت شرجیلؓ کو ہی اپنے دستے کی کمان سنبھالنے دی جائے تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی غلطی کا ازالہ کر سکیں۔

سجاح بنت حارثہ جنگی ہتھیاروں سے لیس میلہ کے پہلو میں گھوڑے پر سوار کھڑی میدان جنگ کو پوری توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے مسلمانوں کے معمولی گروہوں سے جنگ کی تھی مگر آج اس کے پیش نظر ایک ایسی فوج تھی جس کا امیر لشکر عرب کا وہ نامی گرامی سردار تھا جس کی شجاعت اور بہادری کے ڈنکے بج رہے تھے۔ جس نے قبیلہ بنو تمیم کے تمام سرداروں کو نیچا دکھایا تھا، صبح کو وہ میلہ کذاب کی ایجاو کردہ نماز میں شریک ہو کر وعاء مانگ رہی تھی تو اس کا جسم ایک نامعلوم خوف سے کانپ اٹھا تھا۔ اس نے میلہ سے خالدؓ بن ولید کے بارے میں دیر تک گفتگو کی تھی اور اس نے محسوس کیا تھا کہ خود میلہ بھی خالدؓ بن ولید کی شجاعت سے مرعوب اور خوفزدہ ہے۔ اس نے صبح کو جھوٹی وحی کا ڈھونگ بھی رچایا اور لشکریوں کو خوش خبری دی تھی کہ اسلام پرست اس تیسری جنگ میں بھی ان کے ہاتھوں ذلت کی شکست اٹھائیں گے، مگر سجاح جانتی تھی کہ یہ سب جھوٹی باتیں ہیں اور فریب دینے کی ترکیبیں تھیں۔ اس وقت میلہ کا چہرہ پھیکا پھیکا سا تھا اور وہ اکھڑی اکھڑی گفتگو کر رہا تھا۔ اسے اپنے لشکر اور اپنے پیروکاروں پر اعتماد تھا مگر حضرت خالدؓ بن ولید کے لشکر کو

تھا مگر حضرت خالدؓ کے سامنے آنے سے ہچکچاتا تھا۔ اس نے اپنے لشکر پر نظر ڈالی۔ پورے لشکر کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ جب اس کے لشکر سے حضرت خالدؓ کے مقابلے پر کوئی نہ نکلا تو میلہ نے سب کو دیکھا جیسے وہ اس سے اجازت طلب کر رہا ہو۔ سب اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے اپنا گھوڑا بڑھا کر اس کے گھوڑے کے سامنے آگئی اور بڑے بارعب آواز میں بولی۔

”میلہ! تم یہ کیوں بھولتے ہو کہ تم امیر لشکر ہی نہیں، بلکہ نبی بھی ہو (استغفر اللہ) اور ایک نبی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ایک ایسے شخص کے مقابلے پر جائے جس کا کوئی نبی نہ ہو۔“

میلہ تو دل ہی سے یہ چاہتا تھا۔ اس نے فوراً ”سباحت حارثہ کی بات مان لی۔ سباحت حارثہ نے اپنے لشکر کے سردار اعلیٰ کو اشارہ کیا۔ اس نے حکم پاتے ہی گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دم کے دم میں حضرت خالدؓ کے مقابلے پر پہنچ گیا۔ سباحت کا یہ سردار نصرانی نسل سے تھا اور رومی طریقہ جنگ کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک بھاری اور لانا نیزہ تھا۔ حضرت خالدؓ کے دونوں ہاتھوں میں دو تلواریں تھیں اور ان کا نیزہ زمین میں گڑا ہوا تھا۔ انہوں نے مد مقابل کو نیزہ لے کر آتے دیکھا تو چاہا کہ ایک تلوار پھینک کر نیزہ کھینچیں مگر نصرانی سردار نے انہیں نیزہ نکالنے کا موقع نہ دیا اور ان کے سر پر پہنچ گیا اور جاتے ہی حضرت خالدؓ پر نیزے کا دار کیا۔ حضرت خالدؓ نے تیزی سے گھوڑے کو گھما کر اس کا دار خالی کر دیا۔ نصرانی جھونک کھا کر آگے نکل گیا۔ وہ پلٹ کر دوبارہ حملہ آور ہوا مگر اس وقت تک حضرت خالدؓ بھی اپنا نیزہ نکال چکے تھے۔ انہوں نے نیزے کا دار نیزے سے رد کیا اور دونوں نیزے آپس میں الجھ گئے۔ حضرت خالدؓ نے اپنے نیزے کو گھما کر کچھ اس طرح جھٹکا دیا کہ نصرانی سردار کے ہاتھ سے نیزہ چھوٹ کے دور جاگرا مگر حضرت خالدؓ کا نیزہ بھی اس کوشش میں ان کے ہاتھ سے گر گیا۔ اب دونوں سردار تلواریں سوت کر ایک دوسرے کے مقابلے پر آ گئے۔ تلوار سے تلوار ٹکرائی۔ دو شعلے ایک دوسرے کے گلے لگے اور پھر الگ ہو گئے۔ لوہے سے لوہا ٹکرا رہا تھا۔ کھٹکھٹ کی آوازیں فضا میں بلند ہو رہی تھیں۔

دونوں لشکر دم بخود کھڑے یہ لڑائی دیکھ رہے تھے۔ نصرانی سردار کے ایک ہاتھ میں تلوار تھی اور دوسرے میں ڈھال مگر خالدؓ بن دلید کی یہ شان تھی کہ ان کے دونوں ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ وہ خود کو عام طور پر ڈھال سے بے نیاز رکھتے تھے۔ بائیں ہاتھ کی دوسری تلوار ان کی ڈھال کا کام کرتی تھی اور موقع پا کر بجلی کی طرح دشمن کے جسم میں پیوست ہو جاتی تھی۔ اس وقت بھی ایسا ہی موقع آیا۔ نصرانی سردار نے تلوار اپنے سر سے بلند کی اور بائیں جانب کی جھٹکائی دے کر دائیں طرف دار کیا۔ یہ دار اتنا خطرناک تھا کہ اگر حضرت خالدؓ ماہر شمشیر زن نہ ہوتے تو دھوکا کھا جاتے مگر ان کی نظریں ہمیشہ اپنے مقابل کی کلائی پر جمی رہتی تھی۔ جیسے ہی نصرانی سردار کی کلائی بائیں سے دائیں گھومی حضرت خالدؓ نے بائیں ہاتھ کی تلوار کو ڈھال بنا کر اونچا کر دیا۔ نصرانی کی تلوار حضرت خالدؓ کی تلوار سے الجھ گئی۔ حضرت خالدؓ کے لئے اتنا ہی موقع کافی تھا۔ انہوں نے دائیں ہاتھ کو جنبش دے کر تلوار کو یوں لہرایا جیسے بجلی چمکتی ہے۔ تلوار لہراتی ہوئی نصرانی کے سینے پر پہنچی، اس نے ڈھال کا سہارا لیتا چاہا مگر اس وقت تک حضرت خالدؓ کی تلوار نصرانی کے سینے بند کی کڑیاں کاٹ چکی تھی۔ حضرت خالدؓ نے ”سیف اللہ“ کا نعرہ لگایا اور تلوار کو زور دیا جو نصرانی کا سینہ چیرتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔ نصرانی زین سے لٹک گیا۔ سباحت حارثہ اس منظر کی تاب نہ لا سکی اور ایک سرد آہ کھینچ کر میلہ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر سہارا لیا۔

حضرت خالدؓ سیف اللہ نے نصرانی کو ختم کر کے اپنے گھوڑے کا منہ پھر میلہ کی طرف پھیرا اور چیخ کر کہا۔ ”کون ہے جو سیف اللہ کے مقابلے پر آنے کی جرات کرے؟“

میلہ کا لشکر جو دونوں کے مقابلے کے دوران کبھی کبھی نصرانی سردار کے کسی حملہ پر نعرہ لگا دیتے تھے اب بالکل دم بخود تھے۔ کسی کو حضرت خالدؓ کے مقابلے پر جانے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ میلہ کی پیشانی پر شاید ندامت کا پسینہ آ گیا۔ اس نے اپنے ان سرداروں کی طرف ہلٹی نظروں سے دیکھا جو جاں نثاری کے دعویدار تھے اور میلہ کے پسینے کی جگہ اپنا خون بہانے کو تیار تھے۔ آخر ایک دیو قامت سردار کو شرم آگئی۔

کا گھوڑا اپنے دیو قامت سوار کو جس کی پشت سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا لے کر میلم کی طرف بھاگا۔

حضرت خالدؓ اپنا گھوڑا بڑھا کر پھر اسی جگہ آگئے جہاں سے کھڑے ہو کر انہوں نے دعوت مبارزت دی تھی۔ اس دفعہ انہوں نے براہ راست میلم کو مخاطب کیا۔

”اے کذاب! اے جھوٹے نبی! ناحق خلق خدا کا خون بہاتا ہے۔ نبوت کا داعی ہے تو میرے مقابلے پر آ۔ ابھی معلوم ہو جائے گا کون جھوٹا اور کون سچا ہے۔“

میلم کو اس للکار پر بڑا غصہ آیا اور جوش پیدا ہوا۔ اس نے تلوار نیام سے کھینچی اور چاہا کہ مقابلہ پر نکلے مگر سباج نے بڑھ کر اس کے گھوڑے کی راسیں پکڑ لیں اور بولی۔ ”میلم! کیا غضب کرتے ہو ایک تلوار کا مقابلہ ایک تلوار سے کیا جاتا ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ خالدؓ کے ہاتھ میں دو تلواریں ہیں۔ دو خالدوں سے ایک میلم کا مقابلہ دانش مندی نہیں۔“

میلم نے حیرت سے سباج کو دیکھا۔ سباج کی باتوں میں اتنی صداقت تھی کہ میلم کا غصہ اور جوش ٹھنڈا ہو گیا۔ سباج یہ سمجھی کہ شاید میلم اس کی بات ماننے کو تیار نہیں اور آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ اس خیال کے تحت اس نے جواب کا انتظار کئے بغیر پھر کہا۔ ”میلم! اگر تم خالدؓ کے مقابلے سے باز نہیں آتے تو پھر مجھے اجازت دو۔ میں تم پر قربان ہونا چاہتی ہوں۔“

میلم میں حضرت خالدؓ کے مقابلے کی ہمت نہ تھی مگر وہ سوچ رہا تھا کہ کیا تدبیر کی جائے کہ مقابلہ نہ ہو اور اس کی عزت بھی بچ جائے۔ مکار سباج کی نظریں میلم کے چہرے پر تھیں اور وہ جواب کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ اوسر حضرت خالدؓ بار بار میلم کی غیرت کو للکار رہے تھے۔ سباج نے موقع کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے میلم کے بالکل قریب ہو کر آہستہ سے کہا۔ ”میلم جلدی سے عام حملہ کا حکم دو، ورنہ۔۔۔۔۔“

میلم جیسے خواب سے چونک پڑا کیوں کہ یہی وہ تدبیر تھی جس سے اس کا وقار کچھ دیر کے لئے بچ سکتا تھا۔ اس نے فوراً عام حملہ کا حکم دے دیا۔ نقاروں اور

اس نے حضرت خالدؓ کی دعوت مبارزت قبول کی اور گھوڑا بڑھا کر میلم کے پاس اجازت طلب کرنے آیا۔ میلم کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ اس نے محبت سے سوار کی پیٹھ تھپتھپائی اور اجازت دے دی۔ یہ دیو سر سے پیر تک آہن میں غرق جھومتا ہوا اور سانڈ کی طرح ڈکارتا گھوڑا دوڑاتا ہوا حضرت خالدؓ کے قریب آیا اور نہایت گستاخی سے بولا۔ ”اے ولید کے نادان بیٹے اور ان دیکھے خدا کے پجاری! اپنے آپ پر رحم کھا اور سچے نبی میلم بن تمامہ پر ایمان لا ورنہ تیری لاش کے اتنے ٹکڑے کسوں گا کہ تیرے ساتھی اس کا شمار بھی نہ کر سکیں گے۔“

حضرت خالدؓ اس پہاڑ جیسے انسان کے سامنے بہت پست قد دکھائی دیتے تھے۔ اس گستاخی پر انہیں غصہ تو بہت آیا مگر مسلمان کو غصہ سے روکا گیا ہے پھر لڑائی کے دوران تو غصہ کرنے سے لڑائی کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ اس لئے انہوں نے صبر کرتے ہوئے بڑی ملامت سے اسے جواب دیا۔

”جس ان دیکھے خدا کا میں پجاری ہوں اسی نے تجھے یہ شہزوری اور طاقت دی ہے۔ اس ان دیکھے اللہ کا شکر بجالا اور جھوٹے نبی کے فریب سے نکل کر اسلام کا وامن تھام لے ورنہ تو سیف اللہ کی تلوار سے بچ کر نہ جا سکے گا۔“

مرشد سردار نے ایک شیطانی قہقہہ بلند کیا۔ گھوڑے کو پیچھے لے جا کر ایڑ لگائی۔ نیزہ سیدھا کیا اور حضرت خالدؓ کے سینہ کو نشانہ بناتے ہوئے گھوڑے کو بھگاتا بالکل ان کے سر پر آگیا۔ حضرت خالدؓ نے وار خالی دینے کے لئے گھوڑے کو ذرا سی جنبش دی۔ اپنا نیزہ اوپر اٹھا کر چاہا کہ نیزے سے نیزے کو ٹکرائیں مگر مد مقابل کا گھوڑا اتنا تیز رفتار تھا کہ حضرت خالدؓ کا نیزہ اس کے نیزہ سے چھو گیا جس سے ان کا سینہ تو بچ گیا مگر دشمن کا نیزہ ان کے شانے پر کرتے کو اوڑھتا ہوا نکل گیا۔ اب حضرت خالدؓ نے بڑی برق رفتاری کے ساتھ گھوڑا موڑا اور قبل اس کے کہ دشمن گھوڑا روک کر واپس ہو سکے، حضرت خالدؓ کا نیزہ اس کی پشت میں داخل ہو گیا تھا۔ دیو پیکر مرشد نے ایک دلدوز چیخ ماری اور اس کا سر آگے کی طرف ٹٹک گیا تھا۔ یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ میلم اور سباج بنت حارثہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور زخمی سردار

میلہ کی مدد کی تھی، چاہتے تھے کہ حضرت خالد بن ولید کو شکست ہو تاکہ مسلمانوں کی طاقت ختم ہو جائے اور وہ اپنی پرانی وحشیانہ زندگی اپنی مرضی کے مطابق گزار سکیں۔ یمامہ کا علاقہ نجد سے لے کر خلیج فارس تک پھیلا ہوا تھا اور عربوں کی سب سے زیادہ دولت اسی حصہ میں موجود تھی۔ چنانچہ میلہ کے لشکر کی بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ بنو حنیفہ کے رئیسوں نے حضرت خالد بن ولید کے سر کی بہت بڑی قیمت مقرر کی تھی کیونکہ خالد کو اسلامی لشکر کا سب سے بڑا ستون خیال کیا جاتا تھا۔

حضرت خالدؓ قلب فوج میں موجود تھے۔ وہ خود دونوں ہاتھوں میں تلواریں لے کر بڑھ کر حملہ کر رہے تھے اور اپنے دستوں کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ وہ جدھر کا رخ کرتے میلہ کے دستوں میں تھمکے مچ جاتا مگر مرتدین کے لشکر کی کثرت انہیں آگے بڑھنے سے ہر بار روک دیتی، اسی دوران میلہ نے جو قلب فوج میں موجود تھا اپنے سرفروش دستوں کو حکم دیا کہ قلب فوج میں گھس کر حضرت خالدؓ کو قتل کر دیں یا گرفتار کر لیں۔ میلہ کے پندرہ ہزار سرفروشوں کا ریلا اتنی طاقت سے مسلمانوں کے قلب پر حملہ آور ہوا کہ اسے روکنا مشکل ہو گیا اور اسلامی لشکر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گیا۔ اسلامی لشکر کے قلب کی پسپائی کا دونوں بازوؤں پر بھی اثر پڑا مگر وہ کسی نہ کسی طرح اپنے قدم جمائے رہے۔ میلہ کے دستے اسلامی دستوں کو مسلسل پیچھے وھکیل رہے تھے۔ ان کا دباؤ ہر لمحہ بڑھتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ میلہ کی فوج مسلمانوں کو پیچھے وھکیلتی ہوئی حضرت خالدؓ کے خیمے تک لے آئی۔ مسلمانوں نے اگرچہ سردھڑکی بازی لگا دی مگر دشمنوں کے آگے ان کی ایک نہ چلی اور وہ برابر پسپا ہوتے رہے اور قریب تھا کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ جائیں اور انہیں بھی پہلے دو لشکروں کی طرح شکست کی ذلت برواشت کرنا پڑے کہ یکایک حضرت خالدؓ کے خیمہ کے پاس ایک آواز بلند ہوئی۔ ”اے گروہ انصار!“

”اے گروہ انصار!“

”اے اجتماع مہاجرین اور اے اسلام کے بدوی پرستارو“

”جنگ بدر اور جنگ موتہ کے بہادرو! یہ خالدؓ کا خیمہ نہیں اسلام کا پرچم ہے۔“

تاشوں پر چوٹ پڑی اور میلہ کا لشکر حرکت میں آگیا۔ حضرت خالدؓ کو معلوم ہو گیا کہ میلہ نے خود کو بچانے کے لئے طبل جنگ بجوا دیا ہے۔ وہ مجبوراً ”گھوڑا گھما کر اپنے لشکر میں آگئے اور پھر تیر اندازوں کو اشارہ کر کے اپنے لشکر کو لے کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنا شروع کیا۔

میلہ کا چالیس ہزار کا لشکر ایک ساتھ آگے بڑھا تو یوں محسوس ہوا جیسے ٹڈی دل میدان میں اتر آیا ہے۔ حضرت خالدؓ کے مقابلے پر اس نے دفاعی جنگ کا فیصلہ کیا تھا مگر عین دقت پر اس نے اپنا یہ فیصلہ تبدیل کر دیا اور جارحانہ انداز اختیار کیا۔ حضرت خالدؓ نے اپنے لشکر کو آہستہ آہستہ آگے بڑھایا تھا تاکہ صفیں برقرار رہیں اور میلہ کا پہلا ارجم کر دیا جاسکے مگر میلہ اپنے دائیں بائیں بازوؤں کو لے کر اتنی تیزی سے بڑھا کہ اسلامی لشکر کو روکنے میں انہیں بڑی مشکل پیش آئی۔ دونوں طرف تیروں کی بارش ہو رہی تھی جن کے سائے میں فوجیں ایک دوسرے کے قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی تھیں۔ میلہ کذاب۔۔۔۔۔ خود لشکر کی کمان کر رہا تھا، اس کے ساتھ سراج بنت حارث بھی تھی جو اپنے جوانوں کا دل بڑھا رہی تھی اور وہ بڑے جوش سے ڈھالوں کو آگے کئے ہوئے تیر روکتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ جب دونوں فوجیں آپس میں مل گئیں تو تیر اندازی بند ہو گئی اور تلواروں کی بجلیاں چمکنے لگیں۔

اب میدان میں گھوڑوں کی ہنہانٹ، تلواروں کی کھناکھٹ اور زخمیوں کی چیخ پکار بلند ہوئی۔ انسانی اعضاء کٹ کٹ کر گرنے لگے گھوڑے زخمی ہو کر بے قابو ہو گئے اور اپنے ہی سواروں اور پیدل فوج کو روندنے لگے۔ ایک قیامت تھی جو اس میدان میں پنا تھی۔ مسلمان ایک ایسے دشمن کے سامنے موجود تھے جو نہ صرف اسلام پرستوں کا سب سے بڑا مخالف تھا بلکہ جس نے دعویٰ نبوت کر کے اسلام کی پشت میں خنجر مارا تھا۔ اس لئے مسلمان کوشش کر رہے تھے کہ اس کافر اعظم اور اس کے لشکر کو ختم کر کے اللہ کے دین کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیں۔ دوسری طرف مرتدین اور رؤسائے یمامہ جنہیں اپنی طاقت پر ناز تھا اور جنہوں نے وائے درے اور نخنے ہر طرح سے

سیدھا اسلامی لشکر کی طرف تھا۔ ریت سے مجاہدین سخت پریشان ہوئے اور آگے بڑھنا تو الگ رہا انہیں اپنی جگہ کھڑا رہنا مشکل ہو گیا۔ میلہ نے اسے اپنے حق میں تائید غیبی سے تعبیر کرتے ہوئے اپنے لشکر کو مسلمانوں پر ایک بڑا حملہ کرنے کا حکم دیا۔ مسلمان آندھی اور ریت سے پہلے ہی پریشان تھے اس حملے نے ان میں سراسیمگی پیدا کر دی۔

لیکن اس وقت دریائے رحمت جوش میں آیا اور حضرت شرجیلؓ بن حسنہ کو حکم ہوا کہ جاؤ اور اپنی شکست کا داغ دھو ڈالو۔ شرجیلؓ بن حسنہ جو اب تک جنگ میں تماشائی بنے کھڑے تھے انہیں محسوس ہوا جیسے کوئی ان کے کان میں کہہ رہا تھا کہ شرجیلؓ! آگے بڑھو، تمہیں اسی وقت کے لئے محفوظ رکھا گیا تھا۔ حضرت شرجیلؓ نے باگیں اٹھائیں، اپنے دستوں کو اشارہ کیا اور سیدھے میلہ کے قلب کی طرف بڑھے۔ اوھر حضرت زیدؓ، ثابتؓ بن قیس اور حضرت ابو حذیفہؓ نے اپنے علمائے منہ اور آنکھوں پر ڈال لئے۔ اس طرح ریت ان کے منہ اور آنکھوں میں جانا بند ہو گئی۔ انہوں نے اس وقتی، ترکیب کا فوراً اعلان کر دیا اور چلا چلا کر مسلمانوں سے کہا کہ آنکھوں اور منہ پر کپڑا لپیٹ لو۔ تمام مسلمانوں نے ان کی بات پر عمل کیا۔ اس ترکیب نے انہیں ریت کے طوفان سے بڑی حد تک نجات دلا دی اور تمام مجاہدین منہ پر کپڑا لپیٹ کر میلہ کے لشکر پر پل پڑے، حضرت شرجیلؓ بن حسنہ کے دستوں نے دوسری طرف میلہ کے قلب میں آفت برپا کر دی۔ میلہ ان تازہ دم دستوں کو دیکھ کر سمجھا کہ مسلمانوں کو تازہ دم کمک پہنچ گئی ہے۔ اس سے وہ بہت پریشان ہوا۔ جنگ کا نقشہ بڑی تیزی سے بدل رہا تھا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ جنگ کا پانسہ پلٹ گیا تھا۔ کہاں میلہ کے دستے حضرت خالدؓ کے خیموں تک پہنچ گئے تھے اور کہاں اب مجاہدین ان کو ڈھکیل کر میلہ کے خیموں تک پہنچ گئے تھے۔ میلہ کذاب اس صورت حال سے خوفزدہ ہو گیا اور اسے اپنی شکست نظر آنے لگی۔

آخر میلہ نے سجاج سے کہا۔ ”سجاج! جنگ کا کوئی پتہ نہیں بہتر ہے کہ تم حلیقۃ الوحمان واپس جاؤ اور جو دستے وہاں موجود ہیں انہیں ترتیب دے کر حدیقہ کی

اسے دشمنوں کے ہاتھوں میں مت جانے دو۔“

یہ گرجدار آواز تھی حضرت عمرؓ کے بھائی حضرت زیدؓ کی۔ اس آواز نے مسلمانوں کو جیسے خواب سے چونکا دیا۔ ان کے پیچھے ہٹتے ہوئے قدم رک گئے اور انہوں نے میلہ کے اس طوفانی ریلے کو روک لیا۔ اب میلہ نے تازہ دم دستوں کو کمک کے طور پر بھی بھیج دیا مگر مسلمانوں کے قدم اس طرح زمین پر جتے ہوئے تھے جیسے ان کے پیروں میں زنجیریں پڑ گئی ہوں۔ میلہ جو اپنی فتح کو یقینی سمجھ رہا تھا وہ مسلمانوں کے اس طرح جم جانے سے پریشان ہوا اور اس نے ہر چند کوشش کی کہ اس کا لشکر حضرت خالدؓ کے خیمہ کو تنہا نہ کر دے مگر اس کی ہر تدبیر بیکار ہو گئی۔ حضرت زیدؓ کے علاوہ حضرت ثابتؓ بن قیس اور حضرت ابو حذیفہؓ بھی میدان میں گھوڑے بھگا بھگا کر مجاہدین میں جوش و دلولہ پیدا کر رہے تھے۔ حضرت خالدؓ اور دیگر صحابیوں کی پر جوش تقریروں کا یہ اثر ہوا کہ مسلمان پھر تازہ دم ہو گئے۔ انہوں نے اپنے سرداروں کو شجاعت و دلیری سے لڑتے دیکھا تو ان میں ایک نئی روح پیدا ہو گئی اور وہ دشمن کے مقابلے میں پہاڑ کی طرح جم کر کھڑے ہو گئے۔ مسلمانوں کے قدم جماتے ہی جنگ میں تیزی آ گئی اور پھر دونوں طرف سے زور و شور سے حملے ہونے لگے مسلمانوں نے سنبھل کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور اس زور کا جوابی حملہ کیا کہ میلہ کذاب کے سرفروش دستے کو جو حضرت خالدؓ کے خیمہ تک پہنچ آئے تھے وہ اس حملہ کی تاب نہ لا کر پسا ہوئے۔ مسلمانوں کو موقع مل گیا اور انہوں نے اپنا وباؤ اس قدر بڑھایا کہ دشمن کے یہ دستے پھر واپس اسی جگہ پہنچ گئے جہاں میلہ موجود تھا۔

لیکن اللہ تعالیٰ شاید مجاہدین سے اب تک ناراض تھا۔ عکرمہ بن ابی جہل اور شرجیلؓ بن حسنہ نے غلیفہ کی حکم عدولی کر کے خدا کو ناراض کر دیا تھا۔ ٹھیک اسی وقت جب مسلمان جوابی حملے کے قابل ہو گئے اور حضرت خالدؓ اپنی صفیں دوبارہ ترتیب دیکر میلہ پر کاری ضرب لگانے والے تھے کہ میدان جنگ میں ریت کی تند و تیز آندھی کے جھکڑ چلنے لگے۔ آندھی کیا تھی ایک طوفان بلا تھا۔ ریت اس قدر اڑ رہی تھی کہ سانس لینا مشکل تھا۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ اس آندھی کا رخ

جبائے خود میلہ کے قدم اکھڑ گئے وہ مسلمانوں کے دباؤ کو برداشت نہ کر سکا اور پیچھے ہٹتا ہوا شرکی تفصیل تک آگیا۔ اس نے شر میں داخل ہو کر شر کے چاروں دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا تاکہ مسلمان یمامہ کے شر میں نہ داخل ہو سکیں۔ مگر مسلمان میلہ کے لشکر کو مارتے کانٹے ساتھ لگے آ رہے تھے اور قبل اس کے کہ دروازے بند ہوں۔ کئی ہزار مسلمان شر میں داخل ہو گئے اور انہوں نے دروازے کے محافظوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح میلہ، مسلمانوں کو شر میں داخل ہونے سے نہ روک سکا لیکن میلہ کو اس دوران اتنا موقع مل گیا کہ وہ اپنے لشکر کا بیشتر حصہ لے کر حلیقہ الرحمان پہنچ گیا اور اس کا واحد دروازہ بند کر دیا گیا۔

حضرت خالد بن ولید نے بہت کوشش کی کہ وہ چند آدمیوں کے ساتھ حلیقہ میں داخل ہو جائیں مگر وہ اس کوشش میں ناکام رہے اور میلہ ان کے ہاتھ سے بچ کر حلیقہ الرحمان میں جو ایک مضبوط قلعہ تھا محفوظ ہو گیا۔ حلیقہ کی دیواریں پتھروں کو جوڑ کر بنائی گئی تھیں اور کافی بلند تھیں۔ دیواروں کی طرح اس کا گیٹ بھی بہت مضبوط تھا جسے توڑنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی مگر کوئی کارگر نہ ہوئی۔ مسلمانوں کے جوش و خروش میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ حضرت خالد بن ولید محاصرہ کو طول نہیں دینا چاہتے تھے کیونکہ میلہ کو وقت دینا اصول جنگ کے خلاف تھا اور ذرا سی غفلت سے جیتی ہوئی بازی ہاری جاسکتی تھی۔

باہر کی طرف سے حضرت خالد بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ گیٹ کو توڑنے اور دیواروں میں شکاف ڈالنے کی تدبیریں کر رہے تھے اور اندر میلہ کذاب اپنے باقی ماندہ لشکر کو از سر نو منظم کر رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ مسلمان جلد یا بدیر حلیقہ میں داخل ہو جائیں گے اس لئے وہ چاہتا تھا کہ مسلمانوں کے لشکر کے اندر آنے سے پہلے ہی وہ اپنی فوج کو اس طرح جگہ جگہ پھیلا دے کہ جب مسلمان اس قلعہ میں داخل ہوں تو ان پر چاروں طرف سے حملہ کیا جائے اور انہیں گھیر کر ختم کر دیا جائے۔ میلہ نے میدان میں شکست کھائی تھی لیکن اس کے لشکر کا زیادہ جانی نقصان نہیں

حفاظت کا انتظام کرو۔ ممکن ہے ہمیں حلیقہ میں پناہ لینا پڑے۔“

سبحان نے بھی جنگ کا رنگ دیکھ لیا تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ میلہ کا لشکر زیادہ دیر تک مسلمانوں کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکے گا کیوں کہ سبحان کے خیال میں مجاہدین اسلام کسی مانوق النظرت مخلوق کی مانند لڑ رہے تھے۔ انہیں نہ تو میلہ کے لشکر کی افزائی قوت شکست دے سکی اور نہ ریت کا طوفان ان کا کچھ بگاڑ سکا۔ اس نے میلہ کا کمنا بغیر کسی حجت کے مان لیا۔ وہ اس بات سے زیادہ ڈر رہی تھی کہ اس کے نبوت کے دعوے کی خبر بھی مسلمانوں کو مل چکی ہے اور حضرت خالد اس کی تلاش میں بنو تمیم کے مالک بن نویرہ کے علاقوں کو تہ و بالا کرتے ہوئے یہاں پہنچے ہیں۔ اس لئے اگر وہ حضرت خالد کے ہاتھوں پڑ گئی تو اس کا انجام بڑا عبرت ناک ہو گا۔ چنانچہ اس نے اپنا گھوڑا موڑ لیا مگر چلتے چلتے میلہ سے آہستہ سے کہا۔ ”میلہ! کیا بہتر نہیں کہ تم بھی میرے ساتھ چلو۔ حلیقہ ایک مضبوط قلعہ ہے۔ اس پر مسلمان آسانی سے قابو نہیں پاسکیں گے۔“

میلہ نے سبحان کو کوئی جواب نہ دیا لیکن اس نے سبحان پر ایک ایسی نظر ڈالی جس میں ہزاروں حسرتیں اور امیدیں تھیں۔ سبحان کو محسوس ہوا جیسے میلہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ہیں۔ اس لئے اس نے وہاں ٹھہرنا مناسب خیال نہ کیا اور تیزی سے گھوڑا اڑاتی ہوئی حلیقہ الرحمان کی طرف واپس ہوئی۔

حضرت خالد اور مجاہدین اسلام کی بے مثال شجاعت اور حضرت شریل بن حسنہ کی تازہ کمک نے جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ مسلمانوں کا جوش بڑھتا چلا جا رہا تھا اور میلہ کے لشکر میں ابتری پیدا ہو رہی تھی۔ وہ چلا چلا کر اپنے پیروکاروں کو فتح و نصرت کی بشارت دیتا لیکن جیسے اس وقت اس کی جھوٹی نبوت کے ماننے والے ہرے اور گونگے ہو گئے تھے۔ نہ تو ان پر میلہ کی باتوں کا اثر ہو رہا تھا اور نہ اب وہ پہلے کی طرح وحشیانہ اور متکبرانہ نعرے لگا رہے تھے بلکہ اب تو ان میں جم کر لڑنے کی بھی طاقت نہ رہ گئی تھی اور وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے جا رہے تھے۔ آخری میلہ کے اعصاب پر شکست سوار ہو گئی۔ میدان جنگ میں اپنے لشکر کے اکھڑتے قدموں کو جمانے کے

سنرا باب بن گیا۔ حضرت خالد بن ولید ایک طرف کھڑے حدیقہ میں داخل ہونے کی تدبیر سوچ رہے تھے۔ ان کی نظریں آسمان کی طرف تھیں جیسے وہ حکم ربی کے منتظر ہیں اور کہہ رہے ہیں ”اے رب! تو ہی یہ مشکل آسان کر سکتا ہے۔“ اتنے میں حضرت براء بن مالک جن کا تعلق انصار سے تھا، حضرت خالد کے پاس آئے اور سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔

حضرت خالد نے ان سے پوچھا۔ ”براء خاموش کیوں ہو کیا اللہ کی ذات سے نا امید ہو گئے؟“

حضرت براء بن مالک نے سر اٹھایا اور ادب سے کہا۔ ”اے امیر لشکر! ذات خداوندی سے نا امید ہونا تو میرے خیال میں کفر ہے۔“

حضرت خالد نے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور بولے۔ ”اے براء! پھر کس بات کی پریشانی ہے؟“

”ایک درخواست ہے لیکن ڈرتا ہوں کہ امیر لشکر اسے قبول نہیں کریں گے؟“

حضرت براء نے ڈرتے ڈرتے کہا اور پھر پر امید نظروں سے حضرت خالد کو دیکھنے لگے۔

حضرت خالد کی سمجھ میں نہ آیا کہ حضرت براء جو ایک انتہائی بہادر مجاہد ہیں وہ کیا درخواست کرنا چاہتے ہیں۔ میدان جنگ میں اور پھر اس موقع پر وہ کیا چاہتے ہیں۔

حضرت خالد تھوڑی دیر تک ان کی صورت دیکھتے رہے پھر نرمی سے پوچھا۔ ”کیا چاہتے ہو براء۔ صاف صاف کہو؟“

حضرت براء بن مالک نے پر جوش لہجے میں کہا۔ ”اے امیر لشکر! میری درخواست ہے کہ پتھر برسانے والے گھسے میں پتھر کے بجائے مجھے رکھ کر قلعہ کی دیوار پر پھینک دیا جائے یا تو شہادت پاؤں گا یا پھر محافظوں کو قتل کر کے قلعہ کا دروازہ کھول دوں گا۔“

حضرت خالد نے فرط جوش سے حضرت براء بن مالک کو آگے بڑھ کر چنا لیا اور دیر تک اپنے سینے سے لگائے رکھا۔ پھر بولے ”اے براء بن مالک مجھے اس لشکر کی سرداری پر فخر ہے جس میں تم جیسے بہادر مجاہد موجود ہوں۔“

ہوا تھا۔ جو کچھ نقصان ہوا تھا وہ حدیقہ میں موجود دستوں نے پورا کر دیا تھا اس لئے وہ اب بھی پر امید تھا۔ سباح بنت حارثہ اس کے ساتھ تھی اور ہر کام میں اس کا ہاتھ بٹا رہی تھی لیکن وہ میلہ کی طرح پر امید نہ تھی بلکہ قطعی طور پر دل چھوڑ چکی تھی اور اس نے شکست تسلیم کر لی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ کوئی دم جاتا ہے کہ مسلمان حدیقہ میں داخل ہو جائیں گے اور پھر اس قلعہ کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے اب اسے قلعہ اور میلہ سے زیادہ خود اپنی جان کی فکر تھی۔

وہ سوچ رہی تھی کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کر کے سخت غلطی کی ہے اور اس غلطی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج اسے اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ اپنے اچھے دنوں کو یاد کر کے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ اپنے وطن میں کتنے آرام سے تھی۔ اسکے حسن بے مثال نے اس کے ہزاروں شیدائی پیدا کر دیئے تھے جو اس کے ابو کے اشارے پر جان دینے کو تیار تھے لیکن اس نے ان عاشقوں کو اپنے ناز و غمرے دکھانے کے بجائے انہیں اپنی نبوت کے فریب میں مبتلا کر لیا لیکن اس کا انجام کیا ہوا۔ اس کے چاہنے والے آج بھی اس کے ارد گرد پھیلے ہوئے تھے خود اس کا شوہر اپنے لشکر کے ساتھ اس کے قریب تھا مگر وہ اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھ رہی تھی اسے اپنی جان کی فکر تھی۔ اس کو بھی حدیقہ کے ہر کس و ناکس کی طرح اس وقت اپنی جان کی فکر دامن گیر تھی۔ وہ سب اپنے انجام سے بے خبر نہ تھے۔ میلہ کو بھی اپنی موت نظر آ رہی تھی لیکن وہ ایک امید مہووم کے سارے آخری بازی لگا رہا تھا۔ جان کی بازی، نام کی بازی اور جھوٹی نبوت کی بازی۔

حضرت خالد کا لشکر حدیقہ کی دیواروں سے ٹکریں مار رہا تھا۔ لشکریوں میں جوش کے ساتھ ساتھ انتقام کا جذبہ بھی پیدا ہو گیا تھا کیوں کہ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ میدان جنگ میں پر زور نعرے لگانے والے حضرت زیدؓ، ثابتؓ بن قیسؓ اور حضرت ابو حذیفہؓ شہادت کے درجے پر فائز ہو چکے ہیں۔ لشکر ان کا بدلہ میلہ کے جسم کے ٹکڑے کر کے لینا چاہتا تھا۔ اس لئے حدیقہ کے اندر داخل ہونا ضروری تھا۔

اس گھڑی ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک ایسا واقعہ جو تاریخ اسلام کا ایک

دکھائی دیئے۔ حضرت براءؓ تلوار چلاتے ہوئے آن کی آن میں دردازے کے محافظوں کے سر پر پہنچ گئے۔ اللہ اکبر کے نعروں سے محافظوں کے حواس پہلے ہی ٹھکانے نہ تھے اب حضرت براءؓ کو اپنے سامنے دیکھ کر انہیں یقین ہو گیا کہ مسلمان اندر داخل ہو چکے ہیں، اس دردازے کی حفاظت کرنا اپنی جان گنونا ہے پس وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کے ساتھ ہی فسیل کے محافظ بھی اوپر سے چھلانگ مار مار کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ حضرت براءؓ نعرے لگاتے ہوئے دردازے پر پہنچے۔ جن محافظوں نے انہیں روکنا چاہا۔ حضرت براءؓ نے ان کا کام تمام کر دیا اور دردازے کو مسلمانوں کے داخلہ کے لئے کھول دیا۔

حلیقہ الرحمن کا دروازہ کھلتے ہی مسلمان لشکر تیزی سے اندر داخل ہو گیا۔ ایک مسلمان نے فسیل پر چڑھ کر اذان دینا شروع کر دی اور دوسرے مسلمان نے حدیقہ کی فسیل پر اسلامی پرچم لہرا دیا۔ میلم نے اپنے لشکر کی جو ترتیب قائم کی تھی وہ درہم برہم ہو گئی۔ مسلمان لشکر حدیقہ کے خوبصورت باغات روندتے ہوئے چاروں طرف پھیل گئے اور میلم کے لشکریوں سے دست بدست جنگ شروع ہو گئی۔ کھیتوں، باغوں، روشوں، محلات کی راہداریوں میں الغرض ایسی کوئی جگہ نہ تھی جہاں مجاہدین اور میلم کے لشکر کی دست و گریباں نہ ہوں۔ اس قدر چیخ پکار اور شور و غل تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی اور نہ ایک کو ایک کی خبر تھی۔ میلم کے سپاہی گاجر مولیٰ کی طرح کٹ رہے تھے مگر ہتھیار نہ ڈالتے تھے کیونکہ انہیں میلم نے فتح کی بشارت دی تھی اور اس وقت بھی وہ سجاج بنت حارثہ کی خواب گاہ کے سامنے کھڑا اپنے آدمیوں کو چیخ چیخ کر یہ یقین دلا رہا تھا کہ اس کی مدد کو فرشتوں کا لشکر آنے ہی والا ہے۔

سجاج خوابگاہ کے اندر اپنے جھوٹے مدعی نبوت شوہر میلم کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنے کی تدبیر کر رہی تھی۔ اس سلسلہ میں اس نے صرف اپنی کنیز لیلیٰ کو رازدار بنایا تھا۔ لیلیٰ کے ذریعہ اس نے اپنی فرار کا نہایت کامیاب منصوبہ پہلے تیار کر لیا تھا۔ سجاج نے میدان جنگ میں جو کچھ دیکھا تھا۔ وہ اس سے اندازہ کر چکی تھی کہ میلم

حضرت خالدؓ نے فوراً ”کچھ اکابرین اور صحابہ کرامؓ جو اس وقت لشکر میں موجود تھے انہیں بلایا اور حضرت براءؓ بن مالک کی درخواست ان کے سامنے پیش کی۔ تمام لوگوں نے اس رائے سے اتفاق کیا مگر حضرت خالدؓ متذہب تھے۔ انہوں نے صحابہؓ سے پوچھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت براءؓ شہید ہو جائیں اور خلیفہ مجھ سے سوال کریں کہ تم نے براءؓ کو خوشی کی اجازت کیوں دی تھی۔ بظاہر حضرت براءؓ کا یہ عمل خوشی کے مترادف تھا۔ اس میں ایک فیصدی سے زیادہ کامیابی کے امکانات نہ تھے۔ حضرت خالدؓ یہ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت عکرمہؓ اور شریلؓ بن حسہ کی طرح ان پر بھی خلیفہ کی حکم عدولی کا الزم آئے۔ چند پر جوش صحابیوں نے یہ رائے بھی دی کہ صرف تنہا براءؓ کو دیوار پر نہ پھینکا جائے بلکہ خود انہیں بھی اس بات کی اجازت دی جائے تاکہ کوئی نہ کوئی تو ضرور کامیاب ہو جائے۔ لیکن حضرت خالدؓ نے کسی کو اجازت نہ دی مگر جب تمام مشیروں نے بیک زبان اس بات سے اتفاق کر لیا تو حضرت براءؓ بن مالک کی اس ترکیب پر عمل کرنے کا انتظام کیا جانے لگا۔

حضرت خالدؓ نے اس وقت حدیقہ کے بڑے دروازے کے ایک جانب شدید حملہ کا حکم دیا تاکہ اس حملے کی مدافعت کرنے والے اس طرف متوجہ رہیں۔ جب میلم کے آدمی دوسری طرف مصروف ہوئے تو حضرت خالدؓ نے براءؓ بن مالک کو گھسٹا میں رکھ کر اوپر پھینکے کا حکم دیا۔ حضرت براءؓ اپنی تلوار کو سمیٹ کر گھسٹا میں بیٹھ گئے۔ فسیل پر پتھر برسائے جا رہے تھے اور پھر حضرت براءؓ بھی ہوا میں قلابازیاں کھاتے ہوئے پتھر کی مانند فسیل کے اوپر سے گزر کر حدیقہ کے اندر کی طرف جا گرے۔ زمین پر گرتے ہی انہوں نے نیام سے تلوار نکالی اور دردازہ کی طرف بھاگتے ہوئے ”اللہ اکبر“ کا فلک شکاف نعرہ لگایا۔ ان کے اس نعرے کا جواب باہر سے مسلمانوں نے نعرے لگا کر دیا۔

گیٹ کے محافظوں اور فسیل پر کھڑے میلم کے سپاہیوں کو یوں معلوم ہوا جیسے حدیقہ کے باہر اور اندر دونوں طرف مسلمان ہی مسلمان ہیں اور نعرے لگا رہے ہیں انہیں ایک اکیلے براءؓ کے بجائے اندر کی طرف سینکڑوں مسلمان نعرے لگاتے

کی طرف بڑھ رہی تھی۔ سپاہیوں نے لیلیٰ کی باتیں سنیں تو ان کے ہوش اڑ گئے۔ اس وقت دور سے اللہ اکبر کے نعرے کی آواز آئی۔

لیلیٰ نے جلدی سے کہا۔ ”بھاگو بھاگو، مسلمان آ گئے۔“

اس آواز کے ساتھ ہی میلہ کے سپاہیوں میں بھگدڑ پڑ گئی جس کا جس طرف منہ اٹھا جان بچانے کو بھاگ پڑا۔ سباح اور لیلیٰ ان سے بچ کر گرتی پڑتی گیٹ تک پہنچ گئیں۔ اب مسئلہ گیٹ سے باہر نکلنے کا تھا لیکن گیٹ پر قبضہ ہو چکا تھا اور آمد و رفت بالکل بند تھی۔ سباج اور لیلیٰ دروازے کے قریب درختوں کی آڑ میں کھڑی سوچنے لگیں، ان کی سمجھ میں کوئی ترکیب نہیں آ رہی تھی جب کہ پکڑے جانے۔۔۔۔۔ کا خطرہ بڑھتا جا رہا تھا۔ آخر لیلیٰ نے سباج کو کچھ سمجھایا اور پھر دونوں صدر دروازہ کی طرف اس طرح بڑھیں جیسے سباج درد سے بیتاب ہے اور لیلیٰ اسے سہارا دیئے ہوئے ہے۔ سباج کے منہ سے سسکیاں اور چیخیں نکل رہی تھیں اور لیلیٰ اسے تسلی دیتی ہوئی آہستہ آہستہ صدر دروازے میں داخل ہوئی۔ مسلمان محافظوں نے انہیں دیکھا تو ایک دوسرے کو اشارہ کیا اور پھر مطمئن ہو کر انہیں راستہ دے دیا۔ ان کے دل میں اسلامی انسان دوستی کا جذبہ بھی ابھرا کیوں کہ مسلمان، بیماروں کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں خواہ وہ بیمار ان کا دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ اس جذبہ کے تحت ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر بڑے ادب سے کہا۔ ”بھنو! اگر کہو تو ہم تمہارے لئے کسی سواری کا انتظام کر دیں۔“

مکار لیلیٰ نے فوراً ”جواب دیا۔ ”بھائی! تمہارا بہت بہت شکریہ۔ یہ سامنے ہی ہماری ثانی اماں کا گھر ہے۔ ہم چلے جائیں گے۔“

اس طرح سباج بنت حارث جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اب اپنی جان بچاتی پھر رہی تھی مسلمانوں کے ہاتھوں سے صاف بچ کر نکل گئی تھی۔

حلیقہ الرحمان کے اندر لڑائی کا دائرہ تنگ ہوتا جا رہا تھا اور مسلمان آہستہ آہستہ تمام محلات اور باغات پر قبضہ کر رہے تھے، میلہ کے محل خاص پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ انہوں نے محل کا کونہ کونہ چھان مارا مگر میلہ کیس نظر نہ

کی شکست یقینی ہے۔ اس لئے اس نے حلیقہ پہنچتے ہی سب سے پہلے اپنے فرار کا منصوبہ تیار کر لیا۔ اس منصوبے کے تحت حلیقہ کے لئے گیٹ کے باہر ایک محفوظ مقام پر دو تیز رفتار گھوڑے ضروری سامان خورد و نوش اور زر و جواہر کے ساتھ مہیا کر دیئے گئے تھے۔ ان گھوڑوں کے محافظ سباج بنت حارث کے دو نصرانی نوجوان تھے جو واقعی سباج سے محبت کرتے تھے اور اس کی خاطر جان کی بازی لگانے کے لئے تیار تھے۔ سباج بنت حارث اور لیلیٰ نے اپنے قیمتی لباس اتار دیئے اور یمامہ کی عورتوں کے عام کپڑے پہن لئے جس کا انتظام پہلے ہی کر لیا گیا تھا۔ لباس کے اندر انہوں نے خنجر چھپائے تاکہ ضرورت کے وقت کام آئیں۔

لیلیٰ نے خوابگاہ کی وہ کھڑکی کھولی جو باغ کی طرف تھی اور پھر دونوں اس کھڑکی کے ذریعہ پچھلی طرف باغ میں اتر گئیں۔ باغ کے عقب تک ابھی جنگ نہ پہنچی تھی اور جگہ جگہ میلہ کے سپاہی تلواریں سونتے پہرہ دے رہے تھے لیکن دوسری طرف سے جو آوازیں آ رہی تھیں ان سے وہ سخت پریشان تھے اور ہر آنے جانے والے سے باہر کا حال پوچھتے تھے۔ سباج اور لیلیٰ ان کے پاس سے سادہ کپڑوں میں گزرنے لگیں تو انہیں کچھ شبہ گزرا اور ایک سپاہی ان کی طرف بڑھا۔ لیلیٰ نے فوراً ”کہا۔

”نوجوان! جانتے ہو ادھر کیا ہو رہا ہے؟“

بڑھتے سپاہی کے قدم لیلیٰ کے اس سوال پر ایک دم رک گئے اور اس کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ گیا۔ اس وقت چند اور سپاہی ان دونوں کے پاس پہنچ گئے۔ سباج کو گھبراہٹ پیدا ہوئی کہ کہیں کوئی اسے پہچان نہ لے مگر لیلیٰ نے اسے کہنی مار کر مطمئن کر دیا اور پھر سپاہیوں کو مخاطب کر کے بولی۔

”فرشتوں کی فوج اب تک ہماری مدد کو نہیں پہنچی۔ مسلمانوں نے حلیقہ الرحمان کا صدر دروازہ توڑ کر اس پر اپنا جھنڈا لہرا دیا۔۔۔۔۔ ہمارے لشکر کو شکست ہو گئی ہے اور ہمارے نبی کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا ہے ہر جگہ قتل عام ہو رہا ہے۔ جاؤ بھاگو، اپنی اپنی جانیں بچاؤ۔ مسلمان دستے اس طرف آنے ہی والے ہیں۔“

لیلیٰ ان سے باتیں کرتی جاتی تھی اور تیزی سے سباج کو گھسیٹتی ہوئی صدر دروازہ

آئی۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ آج اس نیزہ کو کام میں لاؤں گا اور میلہ تک ضرور پہنچوں گا۔ خواہ اس میں جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ پس وہ نیزے کو سنبھالے، جان ہتھیلی پر رکھے، ایک طرف سے محل کی راہداری پر چڑھ گئے اور پھر دیوانوں کی طرح ہر کمرے میں میلہ کو ڈھونڈنے لگے۔ ان کی آنکھوں میں خون اترتا ہوا تھا جو بھی ان کی صورت دیکھتا بھاگ کر سامنے سے ہٹ جاتا۔ اس عالم میں کافی دیر بھاگتے پھرنے کے بعد انہیں ایک ستون کی آڑ میں میلہ کھڑا ہوا دکھائی دیا۔ اس کے گرد بہت سے سرفروش تھے ان سب کو ختم کرنا حضرت وحشیؒ کے لئے ناممکن تھا۔ حضرت وحشیؒ لڑتے بھڑتے تھوڑا اور اس کے قریب پہنچ گئے۔ اب انہوں نے ایک قدرے بلند جگہ کا انتخاب کیا اور اس پر چڑھ گئے۔ اوپر پہنچ کر انہوں نے مضبوطی سے اپنے قدم جمائے۔۔۔۔۔ نیزہ (حرب) اوپر اٹھایا، اسے تولا۔ پھر میلہ کے سینے کا نشانہ لے کر پوری قوت سے اس پر کھینچا مارا۔ نیزہ تیر کی طرح سیدھا میلہ کے سینے پر لگا اور پار ہو گیا۔ میلہ کی چیخ بھی نہ نکل سکی اور وہ زمین پر گر کر ڈھیر ہو گیا۔

حضرت وحشیؒ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور پھر خوشی کے عالم میں راہداری میں اتر کر ٹاپنے لگے۔ ان کی زبان پر ایک ہی جملہ تھا۔ ”میلہ کو میں نے قتل کر دیا۔“ وہ بار بار یہ جملہ ادا کرتے پوری راہداری میں بھاگتے پھر رہے تھے۔ اس وقت ایک انصاری نوجوان بھی میلہ تک پہنچ گیا۔ میلہ کے سینے میں نیزہ پیوست تھا اور وہ تڑپ رہا تھا۔ اس کے ساتھی اسے اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے مگر انصاری جوان نے انہیں اس کا موقع نہ دیا۔ شدید حملہ کر کے انہیں بھگا دیا اور پھر میلہ کے سر پر تلوار کا دار کر کے اسے بالکل ٹھنڈا کر دیا۔

میلہ کے مارے جانے کی خبر پھیلتے ہی اس کے لشکریوں کے قدم اکھڑ گئے۔ مسلمانوں نے انہیں چن چن کر قتل کرنا شروع کر دیا۔ بالاخر دشمن نے ہتھیار ڈال دیئے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ حضرت خالدؓ نے جنگ بند کرنے کا حکم دیا۔ اب انہیں مدعیہ نبوت سبحان بنت حارثہ کی تلاش تھی۔ انہوں نے محل کے کونے کونے میں اس کو ڈھنڈوایا مگر اس کا کہیں پتہ نہ چلا۔ اس کے بچ کر نکل جانے کا

آیا۔ میلہ اس وقت سبحان بنت حارثہ کے محل میں تھا اور اس کے جان فردش دستے اس کے گرد گھیرے ڈالے ہوئے تھے۔ مسلمان جوش جہاد میں لڑتے ہوئے اس محل کی راہداریوں کے قریب پہنچ گئے جس میں میلہ کذاب چھپا ہوا تھا۔ اس محل کے ارد گرد بڑی سخت لڑائی ہوئی اور لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ میلہ کے سرفروش دستے دیوار کی طرح مسلمانوں کے آگے کھڑے تھے اور سخت مزاحمت کر رہے تھے۔ مسلمانوں نے اس مقام پر اتنے مرتدین کو قتل کیا کہ ان کے ہاتھ شل ہونے لگے مگر مرتدین کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ اس قتل عام کے باوجود اب بھی ان کی کثیر تعداد راہداریوں میں پھیلی ہوئی، مسلمانوں کو اندر داخل ہونے سے روک رہی تھی۔

حضرت خالدؓ بن ولید کے لشکر میں بہت بڑے بڑے صحابہؓ اور عرب کے نامور سردار شامل تھے۔ ان میں حبشی نژاد حضرت وحشیؒ بھی شامل تھے۔ یہ وہی وحشیؒ ہیں جنہوں نے جنگ احد میں آنحضرتؐ کے خلاف جنگ کی تھی اور دوران جنگ ساتی حجاج حضرت حمزہؓ پر تانک کر ایسا نیزہ کھینچ مارا تھا جو ان کی ناف سے پار ہو کر ان کی شہادت کا باعث ہوا تھا جنگ احد کے خاتمے پر حضرت وحشیؒ ایمان لے آئے تھے اور حضورؐ نے انہیں معاف کر دیا تھا لیکن حضرت وحشیؒ اپنے فعل پر سخت نادم تھے اور موقع کی تلاش میں تھے کہ کسی طرح اس گناہ عظیم کا کفارہ ادا کریں، انہیں جب حضرت خالدؓ کے دستوں کی رواجی کا علم ہوا تو وہ ایک مجاہد کی حیثیت سے اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے۔ ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ اگر وہ کسی کافر اعظم کو قتل کر دیں تو حضرت حمزہؓ کا داغ ان کے دامن سے مٹ سکتا ہے۔ چنانچہ میلہ کے خلاف جنگ میں وہ بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ انہوں نے اس خونی نیزے کو ہتھیل کر کے اپنے ساتھ رکھا تھا اور فیصلہ کر لیا کہ اگر انہیں موقع مل گیا تو اسی نیزے سے میلہ کا خاتمہ کر کے اپنا داغ مٹا ڈالیں گے۔

اگر انسان کسی کام کا صدق دل سے ارادہ کر لے تو خدا بھی اس کی مدد کرتا ہے اور اس کام کے تکمیل کے لئے راہیں نکال دیتا ہے۔ حضرت وحشیؒ کو جب معلوم ہوا کہ میلہ کذاب اسی محل میں کسی جگہ چھپا ہوا ہے تو ان کے دل کی جیسے مراد بر

حضرت خالدؓ کو بڑا افسوس ہوا۔ انہوں نے سباح کی تلاش میں دور دور تک سواروں کو بھیجا مگر اس کا پتہ نہ چل سکا۔

اس قلعہ نما باغ کا نام میلہ کی نسبت سے حلیقۃ الرحمن رکھا گیا کیونکہ میلہ خود کو رحمان الیامہ کہلاتا تھا۔ لیکن اس جنگ میں چونکہ ہزار ہا مرتدین ہلاک ہو گئے تھے اس لئے اس باغ کو حلیقۃ الموت یعنی باغ موت کہا جانے لگا۔ اس جنگ میں مسلم شہداء کی تعداد تقریباً "تیرہ سو تھی۔ جن میں تین سو ساٹھ مہاجر، تین سو انصار اور چھ سو بدو شامل تھے جبکہ دشمن کے ہلاک ہونے والوں کی تعداد اکیس ہزار سے بھی زیادہ تھی۔ حضرت خالدؓ نے اس عظیم فتح کی خبر تیز رفتار سوار کے ذریعے دربار خلافت میں بھجوائی۔ مدینہ میں جب اس فتح کی خبر پہنچی تو لوگ مسرت سے جھوم اٹھے۔ انہوں نے شکرانے کے طور پر نمازیں ادا کیں اور ایک دوسرے کو مبارک باد دی۔ حضرت ابوبکرؓ اور تمام صحابہ کرامؓ اور اکابرین مدینہ نے سجدہ شکر ادا کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالدؓ کو پیغام بھیجا کہ میلہ کذاب کے تمام لشکر کو قتل کر دیا جائے تاکہ یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے اور باقی مرتد قبائل کو عبرت حاصل ہو مگر اس دوران حضرت خالدؓ بن ولید نے قبیلہ بنو حنفیہ کی درخواست پر ان سے صلح کر لی تھی اور انہیں جان کی اماں دے دی تھی۔ دربار خلافت کو اس کی اطلاع ہوئی اور حضرت خالدؓ بن ولید کا فیصلہ بحال رکھا گیا جس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا اور بنو حنفیہ نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔

مدنیہ نبوت اور میلہ کذاب کی بیوی اپنی کینز لیلیٰ کے ساتھ بیمار کی صورت میں حدیقہ سے باہر نکلی اور بغیر کسی رکاوٹ کے ان گھوڑوں تک پہنچ گئی جو اس موقع کے لئے محفوظ رکھے گئے تھے۔ دونوں نے گھوڑوں کی رکابیں سنبھالیں اور پھر سر پر پیر رکھ کر یمامہ سے بھاگ کھڑی ہوئیں۔ تیز رفتار اسیل گھوڑوں نے انہیں بہت جلد یمامہ کی حدود سے باہر پہنچا دیا۔ اب وہ خطرے سے دور تھیں۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور منزل کا تعین کر کے پھر چل پڑیں۔

تاریخ یعقوبی کے مطابق سباح بنت حارثہ بصرہ پہنچ گئی اور وہاں گمناہی کی زندگی میں مر گئی۔ بعض روایتوں میں لکھا ہے کہ سباح آخر میں مسلمان ہو گئی تھی۔

